

کلیاتِ اقبال

[۱۲۸]

پیش
کلیاتِ اقبال



کلیاتِ اقبال اُردو

اقبال

کلیاتِ اقبال

کلیاتِ اقبال (اردو) خصوصی ایڈیشن

بُجھدے حقوقِ بحق اقبال اکادمی پاکستان محفوظ ہیں۔

پروفیسر شہرست بخاری

ناظم اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

۱۹۹۰ء مطابق ۱۱۔۱۲۔۱۳۱۰ھ

۳۵۰۰

۲۶۰ روپے

استقلال پریس، لاہور

ناشر

سالِ اشاعت

تعداد

قیمت

مطبع

کلیاتِ اقبال
ب

ISBN 969-416-000-6

بہ اہتمام

اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

الفقه المصنف

لوح بھی تو ملے بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبلینہ زنگ تیرے محیط میں حجاب !

عالمِ آب و خاک میں تیرے طہور سے فروغ
فدۂ رنگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب !
شکستِ سحر و سیم ؟ تیرے جلال کی مسود !
فقرِ جنید و بایزید ؟ تیرا جمال ہے نقاب !

شوقِ ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجد بھی حجاب !
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقلِ غیاب جستجو عشقِ حضورِ افلاک !

۲
مہرِ امانت

مجلس تدوین و طباعت :

سرپرست : ڈاکٹر جاوید اقبال

نگران تدوین : پروفیسر محمد منور نگران اشاعت : پروفیسر شہرت بخاری

مجلس مشاورت :

رشید حسن خان، ڈاکٹر حبیب قریشی، ڈاکٹر خواجہ محمد لریا،

مشفق خواجہ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صابر کلوروی، ڈاکٹر تحسین فراقی،

محمد اکرام چغتائی، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر حبیب عشرت

مجلس منتظمہ :

مدیر تدوین : محمد سہیل عمر مدیر منتظم : ڈاکٹر حبیب عشرت

تصحیح متن و نظر ثانی : ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی شان الحق حق، احمد جاوید

تصحیح کتابت : انور جاوید

خطاطی : جمیل احمد قریشی تنویر قسم

ترئین و آرائش : ذوالفقار احمد

زیرِ ہستم : اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا.....

فن شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض

مقامات خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے حالات و

روایات کی رُو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ

نہ جیسی خیر ازاں مردِ فردوست

کہ برہنہ شہمتِ شعرو سخنِ بسبت

اقبالؔ

۲
گلیاتِ اقبال

غزلِ عفتیت

کلیاتِ اقبال

”شعرا تو ام میں با نپید کر رہے ہیں۔ ملٹن،
 شکسپیئر، بائرن، غمبیر نے قوم کی بے بہا خدمت کر
 ہے۔ کارلائل نے شکسپیئر کو عظمت کا ذکر کرتے ہوئے
 ایک انگریز کا ذکر کیا ہے۔ اُسے جب شکسپیئر اور
 دولتِ برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے
 کا اختیار دیا گیا تو اُس نے کہا ”میر شکسپیئر کو
 کسی قیمت پر نہ دوں گا“ اگو میر سے پاس سلطنت
 نہیں ہے، لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال اور
 سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی
 نوبت آئے تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔“

قائد اعظمؒ

”اقبال کے لئے ادبی شخصیت عالمگیر ہے۔ وہ بڑے
 ادیب بلند پایہ شاعر اور مفکر اعظم تھے لیکن اس حقیقت
 کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بہت بڑے سیاستدان
 بھی تھے..... مرحوم دورِ حاضر میں اسلام کے
 بہترین شارح تھے کیونکہ اس زمانے میں اقبال
 سے بہت اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس
 امر کا فخر حاصل ہے کہ ان کے قیادت میں ایک
 سپاہیوں کی حیثیت سے کام کرنے کا مجھے موقع
 ملے چکا ہے۔ میں نے ان سے زیادہ وفادار
 رفیق اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔“

قائد اعظم

”اقبال کی شاعری نے نوجوان مسلمانوں میں بیداری پیدا کر دی ہے اور بعض نے
یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جس بیجا کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔“

(نیکسن)

”ہندوستان میں حرکت تجدید نے اپنا ممتاز ترین ظہور سر مستد اقبال کی
شاعری میں حاصل کیا ہے۔“

(سر طالس آرنلڈ، برطانیہ)

”شاید یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم ایک صوفی خاندان
میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد مرحوم ایک خوش اوقات صوفی صہانی تھے
اور اُن کے ہاں آنے والے دوستوں کا مذاق بھی یہی تھا اور اسی ماحول میں اقبال
کی پرورش ہوئی۔“

(سید سلیمان ندوی، پاکستان)

”در ویدہ معنی نگہباں حضرت اقبالؒ
پنیمبر تھے کرو پیمبر نتواں گفت“

(مولانا غلام قادر گرامی)

”ہندوستان کے اردو دانوں کی زبان پر آج کل اقبالؒ کا ہی چرچا ہے۔“
(قاضی نذیر الاسلام، بنگلہ دیش)

”محمّد اقبالؑ ہمارے عہد میں اسلامی فکر اور انسانی و بین المللی اسلامی بصیرت کے منظر ہیں۔“

”میں جب بھی اقبالؑ کے بارے میں سوچتا ہوں، میں اُن کو علیؑ کو نہ (علیؑ نما) پاتا ہوں یعنی ایک ایسا انسان جو علیؑ کی سنت کا پیرو ہے، لیکن وہ انسان بیسویں صدی کی انسانی استعداد کے کیف و کم کا بھی مستل نمونہ ہے۔“

(ڈاکٹر علی شریعتی، ایران)

”بیدے گرفت اقبالؑ رسید

بیدلاں را نوبت حالے رسید

قرن حاضر حاصتہ اقبالؑ گشت

واحدے لڑ صد ہزاراں برگزشت

این سلا مے می فرستم سوئے یار

بے ریاء تر از نسیم نو بہار

(ملک الشعراء بہار، ایران)

”اقبالؑ ہمارے لیے مسیحا بن کر آیا ہے اور اُس نے مُردوں میں زندگی کی

لہر دوڑادی ہے۔“

(شمس العلماء ڈاکٹر عبد الرحمن بنوری)

”وہ باوجود اتنا بڑا مشہور شاعر ہونے کے شاعر نہیں ہے بلکہ اپنے
پیام سے امتِ نبوت کی جانشینی کا حق ادا کر رہا ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں
جو اقبال شناس ہو جائیں!“

(مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ)

”شاعری میں مابعد الطبیعیاتی صداقتوں کے معیار پر اگر آج کے اپنے شعراء
کی پرکھ لی جائے تو مجھے صرف ایک ہی زندہ شاعر نظر آتا ہے جو کم عیار ثابت نہ
ہوگا اور یہ بھی طے ہے کہ وہ ہمارے عقیدے اور نسل کا شاعر بھی نہیں ہے، میری
مراد مستد اقبال سے ہے۔“

(سرہربٹ ریڈ، ۱۹۲۱ء)

”اقبالؒ کی شاعری کی خاص غایت تھی۔ مولانا حالیؒ کی طرح اقبالؒ نے
بھی اپنی شاعری سے قوم اور ملک کو جگانے اور رہنمائی کا کام لیا۔ یہ اُس کے
خیال اور فکر کی قوت اور جدت تھی جس نے اُس کے کلام اور طرزِ بیان میں
زور اور جوش پیدا کر دیا۔“

(بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق)

”علامہ اقبالؒ کا شمار بیسویں صدی کے عظیم ترین شعراء اور مفکرین میں کیا جاتا
ہے۔ اُن کی حیات ہی میں اُنھیں شاعرِ مشرق کہا جانے لگا۔“

(نکولائی گلیبوف، روس)

”اقبالؑ — ایک شاعر، جس نے زمانے پر اپنا سکہ بٹھا دیا۔“
(ڈاکٹر طحٰسن برصہ)

”صرف سرزمینِ پاکستان کے لیے نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ آزادیِ وطن پرستی اور فضیلت کے لیے کوشاں تمام مسلمانوں اور انسانوں کی خدمت کرنے والے مفکر شاعر اقبال ہیں۔“

(ڈاکٹر عبد القادر کراخان، ترکی)

”اقبالؑ کا سارا کلام پڑھنے کے بعد ایک سیدھی سادی بات جو ایک عامی کی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو پہچانے اور اُن سے کام لے۔ خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق رکھے۔ اسلامی تعلیمات کی حرکی روح کو سمجھے اور اُس پر عمل کرے تو وہ حقیقت میں خدا کا جانشین بن سکتا ہے اور اپنی تقدیر کا آپ مالک بن سکتا ہے۔“

(عزیز احمد)

”ہم اقبالؑ کو عہدِ جدید کا زبردست مفکرِ اسلامی، مجددِ ملت اور اسلامی اُمتِ کلاب کا سب سے بڑا داعی کہتے ہیں۔“

(مولانا سعید احمد کسبر آبادی)

”ڈاکٹر اقبال اپنی وفات سے ہمارے ادب میں ایسی جگہ خالی کر گئے ہیں جس کا لکھاؤ مدتِ مدید میں بھی مُستدل نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کا رتبہ آج دُنیا میں اتنا کم پایہ ہے کہ ہم کسی حالت میں ایسے شاعر کی کمی برداشت نہیں کر سکتے، جن کے کلام نے عالمگیر مقبولیت حاصل کر لی ہو۔“

(رابندر ناتھ ٹیگور، بھارت)

”اگر جلال الدین رومیؒ اس زمانے میں جی اُٹھیں تو وہ مُحمد اقبال ہی ہوں گے۔ ساتویں صدی کے جلال اور چودھویں صدی کے اقبال کو ایک ہی سمجھنا چاہیے۔“

(ڈاکٹر عبد الوہاب عزّام، مصر)

”یہ بھی ہمارے شہنشاہانہ طرزِ حکومت کا ایک کرشمہ ہے کہ اقبال جیسا شاعر جس کا نام گزشتہ دس برس سے اُس کے ہم وطن مسلمانانِ ہند میں نیچے نیچے کی زبان پر ہے، اُس کے کلام کا ترجمہ اس قدر عرصے کے بعد جا کر ہمارے زبان میں چوکے۔ ہندوؤں میں جو مترتبہ ٹیگور کو حاصل ہے وہی مسلمانوں میں اقبال کو ہے اور زیادہ صحیح طور پر ہے اس لیے کہ ٹیگور کو بنگال سے باہر اُس وقت تک کسی نے نہ پوچھا جب تک وہ یورپ جا کر نوبل پرائز نہ حاصل کر لائے۔ برخلاف اس کے اقبال کی شہرت یورپ کی اعانت سے بالکل مُستثنیٰ ہے۔“

(ای۔ ایم فاسٹر، سنہ ۱۹۲۰ء)

ترتیبِ کلیاتِ اقبال

۱۷

بانگِ درا

۳۲۵

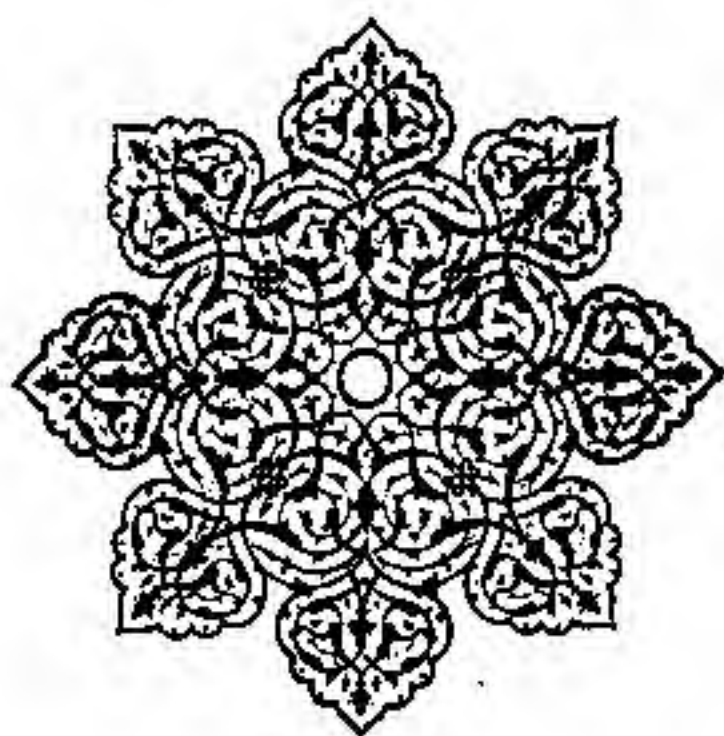
بالِ حبِ بریل

۵۰۱

ضربِ کلیم

۶۹۳

ارمغانِ حجاز (اُرُو)



۱۶
کلیاتِ اقبال
ع

بانگِ درا

اقبال

۱۷
بانگِ درا

۱۶	۱۸
۱۷	۱۹
۱۸	۲۰
۱۹	۲۱
۲۰	۲۲
۲۱	۲۳
۲۲	۲۴
۲۳	۲۵
۲۴	۲۶
۲۵	۲۷
۲۶	۲۸
۲۷	۲۹
۲۸	۳۰
۲۹	۳۱
۳۰	۳۲
۳۱	۳۳
۳۲	۳۴
۳۳	۳۵
۳۴	۳۶
۳۵	۳۷
۳۶	۳۸
۳۷	۳۹
۳۸	۴۰
۳۹	۴۱
۴۰	۴۲
۴۱	۴۳
۴۲	۴۴
۴۳	۴۵
۴۴	۴۶
۴۵	۴۷
۴۶	۴۸
۴۷	۴۹
۴۸	۵۰
۴۹	۵۱
۵۰	۵۲
۵۱	۵۳
۵۲	۵۴
۵۳	۵۵
۵۴	۵۶
۵۵	۵۷
۵۶	۵۸
۵۷	۵۹
۵۸	۶۰
۵۹	۶۱
۶۰	۶۲
۶۱	۶۳
۶۲	۶۴
۶۳	۶۵
۶۴	۶۶
۶۵	۶۷
۶۶	۶۸
۶۷	۶۹
۶۸	۷۰
۶۹	۷۱
۷۰	۷۲
۷۱	۷۳
۷۲	۷۴
۷۳	۷۵
۷۴	۷۶
۷۵	۷۷
۷۶	۷۸
۷۷	۷۹
۷۸	۸۰
۷۹	۸۱
۸۰	۸۲
۸۱	۸۳
۸۲	۸۴
۸۳	۸۵
۸۴	۸۶
۸۵	۸۷
۸۶	۸۸
۸۷	۸۹
۸۸	۹۰
۸۹	۹۱
۹۰	۹۲
۹۱	۹۳
۹۲	۹۴
۹۳	۹۵
۹۴	۹۶
۹۵	۹۷
۹۶	۹۸
۹۷	۹۹
۹۸	۱۰۰

۱۸
باقی در

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۵۱/۳۵

۵۳/۳۷

۵۵/۳۹

۵۵/۳۹

۵۷/۴۱

۵۹/۴۳

۶۱/۴۵

۱ ہمسالہ

۲ گل رنگین

۳ عمدہ طفلی

۴ مرزا غالب

۵ ابر کو ہمار

۶ ایک مکڑا اور مکھی

۷ ایک پہاڑ اور کلہری

۶۲/۴۶	۸	ایک گائے اور بکری
۶۵/۴۹	۹	بچے کی دعا
۶۶/۵۰	۱۰	ہمدردی
۶۷/۵۱	۱۱	ماں کا خواب
۶۸/۵۲	۱۲	پرنس کی فریاد
۶۹/۵۳	۱۳	خفتگان خاک کے استفسار
۷۱/۵۵	۱۴	شمع و پروانہ
۷۲/۵۶	۱۵	عقل و دل
۷۳/۵۷	۱۶	صدائے درد
۷۴/۵۸	۱۷	افتاب (ترجمہ کاہنری)
۷۵/۵۹	۱۸	شمع
۷۸/۶۲	۱۹	ایک آرزو
۸۰/۶۴	۲۰	افتاب صبح
۸۲/۶۶	۲۱	دردِ عشق

۸۳/۴۷	۲۲	گل پر مژدہ
۸۴/۴۸	۲۳	سید کی لوح شربت
۸۵/۴۹	۲۴	ماہ نو
۸۶/۷۰	۲۵	انسان اور بزم قدرت
۸۸/۷۲	۲۶	پیام صبح
۸۹/۷۳	۲۷	عشق اور موت
۹۱/۷۵	۲۸	زہد اور زندگی
۹۳/۷۷	۲۹	شاعر
۹۳/۷۷	۳۰	دل
۹۴/۷۸	۳۱	سویج دریا
۹۵/۷۹	۳۲	رخصت اے بزم جہاں !
۹۷/۸۱	۳۳	طفل شیرخوار
۹۸/۸۲	۳۴	تصویر درد
۱۰۴/۸۸	۳۵	نماہ فسراق

۱۰۵/۸۹	۳۶ چاند
۱۰۶/۹۰	۳۷ بلالؓ
۱۰۸/۹۲	۳۸ سرگزشت آدم
۱۰۹/۹۳	۳۹ ترانہ ہندی
۱۱۰/۹۴	۴۰ جگنو
۱۱۲/۹۶	۴۱ صبح کا ستارہ
۱۱۳/۹۷	۴۲ ہندوستانی بچوں کا قومی کیت
۱۱۴/۹۸	۴۳ نیا شوالا
۱۱۵/۹۹	۴۴ داغ
۱۱۷/۱۰۱	۴۵ آبر
۱۱۸/۱۰۲	۴۶ ایک پرندہ اور جگنو
۱۱۹/۱۰۳	۴۷ بچہ اور شمع
۱۲۱/۱۰۵	۴۸ کنار راوی
۱۲۲/۱۰۶	۴۹ التجاتے مسافر

غزلیات

۱۲۴/۱۰۸

۱ گلزارِ بہشت و بود نہ بیگمانہ وار دیکھ

۱۲۴/۱۰۸

۲ نہ آتے، ہمیں اس میں تکرار کیا تھی

۱۲۵/۱۰۹

۳ عجب واعظ کی دیں داری ہے یا رب!

۱۲۵/۱۰۹

۴ لاؤں وہ تنگے کہیں سے آشیانے کے لیے

۱۲۶/۱۱۰

۵ کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا

۱۲۷/۱۱۱

۶ انوکھی وضع ہے مسائے زمانے سے نرالے ہیں

۱۲۸/۱۱۲

۷ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی

۱۲۸/۱۱۲

۸ کہوں کیا آرزو ہے بے دل مجھ کو کہاں تک ہے

۱۲۹/۱۱۳

۹ جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں، زمینوں میں

۱۳۱/۱۱۵

۱۰ ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں

۱۳۱/۱۱۵

۱۱ کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے

۱۳۲/۱۱۶

۱۲ سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے خافل ہوں میں

۱۳۳/۱۱۷

۱۳ مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑے

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۷/۱۲۱	محبت	۱
۱۳۸/۱۲۲	حقیقتِ حسن	۲
۱۳۹/۱۲۳	پیام	۳
۱۳۹/۱۲۳	سوامی رام تیرتھ	۴
۱۴۰/۱۲۴	طلبہ علی لکھ کالج کے نام	۵
۱۴۱/۱۲۵	آخر صبح	۶
۱۴۱/۱۲۵	حسن و عشق	۷
۱۴۲/۱۲۶ کی خود میں بتی دیکھ کر	۸
۱۴۳/۱۲۷	کلی	۹
۱۴۴/۱۲۸	چاند اور تارے	۱۰
۱۴۵/۱۲۹	وصال	۱۱

بانگ درا

۸

۱۲	سلیبی
۱۳	عاشقِ ہر جباتی
۱۴	کوششِ ناتمام
۱۵	نوائے غم
۱۶	عشرتِ امروز
۱۷	انسان
۱۸	جلوۂ حسن
۱۹	ایک شام
۲۰	تنہائی
۲۱	پیامِ عشق
۲۲	فراق
۲۳	عبدالغفار کے نام
۲۴	صقلیت

۱۴۷/۱۳۱

۱۴۸/۱۳۲

۱۵۰/۱۳۴

۱۵۱/۱۳۵

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۳/۱۳۷

۱۵۴/۱۳۸

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۷/۱۴۱

۱۵۸/۱۴۲

۱۵۹/۱۴۳

غزلیات

- ۱ زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں ۱۶۱/۱۲۵
- ۲ الہی عقلِ خجستہ پے کو ذرا سی دیوانگی سکھا دے ۱۶۱/۱۲۵
- ۳ زمانہ دیکھے کا جب مے دل سے محشر اٹھے کا لفتلو کا ۱۶۲/۱۲۶
- ۴ چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں ۱۶۳/۱۲۸
- ۵ یوں تو اے بزمِ جہاں دلکش تھے ہنگامے تے ۱۶۵/۱۲۹
- ۶ مشال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں ۱۶۵/۱۲۹
- ۷ زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار چو کا ۱۶۶/۱۵۰

حصہ سوم

(۱۹۰۸ء سے)

- ۱ بلا و اسلامیہ ۱۷۱/۱۵۵
- ۲ ستارہ ۱۷۳/۱۵۷
- ۳ دو ستارے ۱۷۴/۱۵۸

۱۷۲/۱۵۸	۴	گورستان شاہی
۱۸۰/۱۶۴	۵	نمود صبح
۱۸۱/۱۶۵	۶	تضمین بر شعر انیسویں سالو
۱۸۲/۱۶۶	۷	فائدہ عنہم
۱۸۵/۱۶۹	۸	پھول کا تحفہ عطا ہونے پر
۱۸۶/۱۷۰	۹	ترانہ بقی
۱۸۷/۱۷۱	۱۰	وطنیت
۱۸۸/۱۷۲	۱۱	ایک حاجی مدینے کے راستے میں
۱۸۹/۱۷۳	۱۲	قطعہ (کل ایک شریہ خواب کا نبی پر رونے کے لئے ہاتھ)
۱۹۰/۱۷۴	۱۳	شکوہ
۱۹۹/۱۸۳	۱۴	چاند
۲۰۰/۱۸۴	۱۵	رات اور شاعر
۲۰۱/۱۸۵	۱۶	بزم انجم
۲۰۳/۱۸۷	۱۷	سیر فلک

۲۰۴/۱۸۸	نصیحت	۱۸
۲۰۵/۱۸۹	رام	۱۹
۲۰۶/۱۹۰	موثر	۲۰
۲۰۶/۱۹۰	انسان	۲۱
۲۰۶/۱۹۱	خطاب بہ جوانان اسلام	۲۲
۲۰۸/۱۹۲	نعرۂ شوال یا ہلال عید	۲۳
۲۱۰/۱۹۴	شمع اور شاعر	۲۴
۲۲۳/۲۰۶	مسلم	۲۵
۲۲۴/۲۰۸	حضور رسالت ﷺ میں	۲۶
۲۲۶/۲۱۰	شفنا خانہ حجاز	۲۷
۲۲۷/۲۱۱	جواب شکوہ	۲۸
۲۳۷/۲۲۱	ساقی	۲۹
۲۳۸/۲۲۲	تعلیم اور اس کے نتائج	۳۰
۲۳۸/۲۲۲	قرب سلطان	۳۱

۲۳۹/۲۲۳	۳۲	شاعر
۲۴۰/۲۲۴	۳۳	نویید صبح
۲۴۱/۲۲۵	۳۴	دُعا
۲۴۲/۲۲۶	۳۵	عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں
۲۴۳/۲۲۷	۳۶	فاطمہ بنت عبد اللہ
۲۴۴/۲۲۸	۳۷	شبِ بنم اور ستارے
۲۴۵/۲۲۹	۳۸	محاصرہ اور نہ
۲۴۶/۲۳۰	۳۹	غلام فتادریہ
۲۴۷/۲۳۱	۴۰	ایک مکالمہ
۲۴۸/۲۳۲	۴۱	میں اور تو
۲۴۹/۲۳۳	۴۲	تضمین بر شعر ابوطالب حکیم
۲۵۰/۲۳۴	۴۳	شبلی و حسانی
۲۵۱/۲۳۵	۴۴	ارتقا
۲۵۲/۲۳۶	۴۵	صدیق رض

۲۵۳/۲۳۷	۴۶	تہذیبِ حاضر
۲۵۴/۲۳۸	۴۷	والدہ مرحومہ کی یاد میں
۲۶۶/۲۵۰	۴۸	شعاعِ آفتاب
۲۶۷/۲۵۱	۴۹	عسٹرنی
۲۶۸/۲۵۲	۵۰	ایک خط کے جواب میں
۲۶۹/۲۵۳	۵۱	نانک
۲۷۰/۲۵۴	۵۲	نفر و اسلام
۲۷۱/۲۵۵	۵۳	بلالؓ
۲۷۲/۲۵۶	۵۴	مسلمان اور تعلیمِ جدید
۲۷۳/۲۵۷	۵۵	پھولوں کی شہزادی
۲۷۳/۲۵۷	۵۶	تضمین بر شعرِ صائب
۲۷۴/۲۵۸	۵۷	فردوس میں ایک مکالمہ
۲۷۵/۲۵۹	۵۸	مذہب
۲۷۶/۲۶۰	۵۹	جنگِ یرموک کا ایک واقعہ

۲۷۷/۲۹۱	۶۰	مذہب
۲۷۷/۲۹۱	۶۱	پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ
۲۷۸/۲۹۲	۶۲	شب معراج
۲۷۸/۲۹۲	۶۳	مُحول
۲۷۹/۲۹۳	۶۴	شیکسپیئر
۲۸۰/۲۹۴	۶۵	میں اور تو
۲۸۱/۲۹۵	۶۶	اسیری
۲۸۱/۲۹۵	۶۷	دریوزہ حلافت
۲۸۲/۲۹۶	۶۸	ہمایوں
۲۸۳/۲۹۷	۶۹	خصرِ راہ
۲۹۷/۲۸۱	۷۰	طلوعِ اسلام

غزلیات

۳۰۹/۲۹۳	۱	اے بادِ صبا! کسلی والے سے جا کہیو پیغام مرا
---------	---	---

- ۲ یہ سرود قمری و بسمل فریب گوش ہے ۳۱۲/۲۹۲
- ۳ نالہ ہے بسمل شوریدہ ترا حنّام ابھی ۳۱۲/۲۹۲
- ۴ پروہ چہرے سے اٹھا، انجسمن آرائی کر ۳۱۱/۲۹۵
- ۵ پھر باد بس آئی، اقبال غزل خواں ہو ۳۱۲/۲۹۶
- ۶ کبھی اے حقیقت منتظر! نظر آلباس مجاز میں ۳۱۲/۲۹۶
- ۷ تہ دام بھی غزل آشنایہ طائران چسپن تو کیا ۳۱۳/۲۹۷
- ۸ گرچہ تو زندانی اسباب ہے ۳۱۲/۲۹۸

ظریفانہ

- ۱ مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۲ لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ۳۱۵/۲۹۹
- ۳ شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۴ یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مند! ۳۱۶/۳۰۰
- ۵ تعلیم سن رہی ہے بہت جرات آفریں ۳۱۶/۳۰۰

- ۶ کچھ قسم نہیں جو حضرت واعظ ہیں تنگ دست ۳۱۶/۳.۰۰
- ۷ تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ ۳۱۶/۳.۰۰
- ۸ انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تک ۳۱۷/۳.۰۱
- ۹ ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جاٹکا ہے ۳۱۷/۳.۰۱
- ۱۰ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ۳۱۷/۳.۰۱
- ۱۱ ہاتھوں سے اپنے دامنِ دُنیائے نکل گیا ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۲ وہ بس بولی ارادہ خوگوشی کا جب کیا میں نے ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۳ نواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۴ ہندوستان میں جزو حکومت ہیں کونسلیں ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۵ ممبری اسپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں ۳۱۹/۳.۰۳
- ۱۶ دلیل مہر و وفا اس سے بڑھ کے کیا چولی ۳۱۹/۳.۰۳
- ۱۷ فرما رہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ ۳۱۹/۳.۰۳
- ۱۸ دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک ۳۲۰/۳.۰۴
- ۱۹ گائے اک روز ہوتی اونٹ سے یوں کرم سخن ۳۲۰/۳.۰۴

۳۲۱/۳.۵	۲۰	راست پھرنے کہہ دیا مجھ سے
۳۲۲/۳.۶	۲۱	یہ آیہ نوحیل سے نازل ہوئی مجھ پر
۳۲۲/۳.۶	۲۲	جان جاتے ہاتھ سے جلتے نہ ست
۳۲۲/۳.۶	۲۳	مخت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
۳۲۲/۳.۶	۲۴	شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ رند لم یزل
۳۲۳/۳.۷	۲۵	تکھار تھی مزارع و مالک میں ایک روز
۳۲۳/۳.۷	۲۶	اٹھ کر پھینک دو باہر گلی میں
۳۲۴/۳.۸	۲۷	کارخانے کا ہے مالک مرد کب ناکر وہ کار
۳۲۴/۳.۸	۲۸	سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
۳۲۴/۳.۸	۲۹	مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے



۳۲۲
بانگ درا
۱۸

دیاچہ

شیخ عبد الفتاویٰ بریلوی لاسابق مدیر مخزن

کے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہو گا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تخیل اور زالا انداز بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادب اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے مگر زبان اردو کی خوش اقبال دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان بھر کی اردو دان دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے۔

غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا، اُس نے اُن کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسدِ خالی میں جلوہ اسنے زہرِ شاعری کے چمن کی آبیاری کرے اور اُس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں دوبارہ جنم لیا اور محمد قہبال نام پایا۔

جب شیخ محمد اقبال کے والد بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجویز کر رہے ہوں گے تو قبولِ دعا کا وقت ہو گا کہ ان کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور ان کا اقبال سند بٹیا سند وستان میں تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا، وہاں کیمبرج میں کامیابی سے وقت ختم کر کے جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلیٰ مدارج طے کر کے واپس آیا۔ شیخ محمد اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانے میں بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعے کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا جسے فلسفۂ ایران کی مختصر تاریخ کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکارِ انگریزی کو جس کے پاس مشرقی زبانوں اور علوم کی نسبت براہِ راست اطلاع کے ذرائع کافی نہیں، جب ایک عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی شاعری نے عالمِ لیٹریٹر شہرت پیدا کر لی ہے تو اس نے بھی ازراہِ قدر وافی سرکار کا ممتاز خطاب انھیں عطا کیا۔ اب وہ ڈاکٹر محمد اقبال کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کا نام جس میں یطیفِ صداو ہے کہ نام کا نام ہے اور تخلص کا تخلص، ان کی ڈاکٹری اور سسری سے زیادہ مشہور اور مستبول ہے۔

سیالکوٹ میں ایک کالج ہے جس میں علمائے سلف کی یادگار اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ایک بزرگ مولوی سید میر حسن صاحب علومِ مشرقی کا درس دیتے ہیں۔ حال میں انھیں کونزٹ سے خطابِ شمسِ اعلا بھی ملا ہے۔ ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے، اُس کی طبیعت میں اُس زبان کا صحیح مذاق پیدا کرتے

ہیں۔ اقبال کو بھی اپنی ابتدائے عمر میں مولوی سید میر حسن صاحب مدظلہ طبعیت میں علم ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوفے کی۔ سونے پر سہاگا ہو گیا۔ ابھی اسکول ہی میں پڑھتے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے لگا۔ پنجاب میں اردو کا رواج اس وقت درہولیا تھا کہ ہر شہر میں زبان دانی اور شعر و شاعری کا چرچا لمبے و بزمیں موجود تھا۔ سیالکوٹ میں بھی شیخ محمد اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اُس کے لیے اقبال نے کبھی بھی غزل لکھنی شروع کر دی۔ شعرائے اردو میں اُن دنوں نواب مزاحاں صاحب دماغ و دلوں کا بہت شہرہ تھا اور نطنم نامی کن کے استاد ہونے سے اُن کی شہرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ لول جو اُن کے پاس جاتے تھے خط و کتابت کے ذریعے دُور ہی سے اُن سے شاعری کی نسبت پیدا کرتے تھے۔ غزلیں ڈال میں اُن کے پاس جاتی تھیں اور وہ اصلاح کے بعد واپس بھیجتے تھے۔ پچھلے زمانے میں جب ڈال کا یہ نطنم نام نہ تھا، کسی شاعر کو اتنے شاعر کیسے میسر آسکتے تھے۔ اس سہولت کی وجہ سے یہ حال تھا کہ سیکڑوں آدمی اُن سے غائبانہ تلمذ رکھتے تھے اور انہیں اس کام کے لیے ایک عہدہ اور محکمہ رکھنا پڑتا تھا۔ شیخ محمد اقبال نے بھی انہیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لیے بھیجیں۔ اس طرح اقبال کو اردو زبان و ادبی کے لیے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوئی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ سے فن غزل میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔ گو اس ابتدائی غزل کوئی میں وہ باتیں تو موجود نہ تھیں جن سے بعد ازاں کلام اقبال نے شہرت پائی، مگر جناب دماغ پہچان گئے کہ پنجاب کے ایک دُور افتادہ ضلع کا یہ طالب علم کوئی معمولی غزل گو نہیں۔ انہوں نے جسد کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے اور یہ سلسلہ تلمذ کا بہت دیر قائم

نہیں رہا۔ البتہ اس کی یاد و دنوں طرف رہ گئی۔ داغ کا نام اردو شاعری میں ایسا پایہ کھتا
 ہے کہ اقبال کے دل میں داغ سے اس مختصر اور غائبانہ تعلق کی بھی مدت ہے اور اقبال نے
 داغ کی زندگی ہی میں قبول عام کا وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ داغ مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے
 کہ اقبال بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی انھوں نے اصلاح کی۔ مجھے خود
 دکن میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خود ایسے فخریہ کلمات ان کی زبان سے سنے۔
 سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجے تک تعلیم تھی۔ بی اے کے لیے شیخ محمد اقبال
 کو لاہور آنا پڑا۔ انھیں علم فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا اور انھیں لاہور کے اساتذہ میں ایک
 نہایت شفیق استاد ملا جس نے فلسفہ کے ساتھ ان کی مناسبت دیکھ کر انھیں خاص
 توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ صاحب جو اب سرٹاس آرنلڈ ہوتے ہیں اور
 انگلستان میں مقیم ہیں، غیر معمولی قابلیت کے شخص ہیں۔ ٹوٹ تھری ان کی بہت اچھی
 ہے اور وہ علمی جستجو اور تلاش کے طریق جدید سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے چاہا
 کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرز عمل سے حصہ دیں اور وہ اس ارادے میں بہت کچھ
 کامیاب ہوئے۔ پہلے انھوں نے علی کڑھ کالج کی پروفیسری کے زمانے میں اپنے دوست
 مولانا شبلی مرحوم کے مذاق علمی کے نچخت کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی اب انھیں
 یہاں ایک اور جہر تابل نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی۔
 اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی وہ آخر شش شاگرد کو
 استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا، اور آج تک
 قائم ہے۔ آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور میرا شاگرد علمی دنیا میں میرے
 لیے بھی باعث شہرت افزائی ہوا اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد سید میر حسن

نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں واقع کے خائبانہ تعارف نے بڑھایا تھا، اُس کے آخری
مرحلے آرتھ کی شفیقانہ رہبری سے طے ہوتے۔

اقبال کو اپنی علمی مساعزل طے کرنے میں اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء سے
سابقہ پڑا۔ ان لوگوں میں کیسیرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیکرٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی
قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر نکلسن تو پہلے شکر کے خاص طور پر مستحق ہیں کیونکہ انھوں نے
اقبال کی مشہور فارسی نظم ”اسرار خودی“ کا انگریزی ترجمہ کر کے اور اُس پر دیباچہ اور حواشی
لکھ کر یورپ اور امریکہ کو اقبال سے روشناس کیا۔ اسی طرح ہندوستان کی علمی دنیا
میں جتنے نامور اُس زمانے میں موجود تھے مثلاً مولانا شبلی مرحوم، مولانا حالی مرحوم، اکبر مرحوم،
سب سے اقبال کی ملاقات اور خط و کتابت رہی اور ان کے اثرات اقبال کے کلام پر اور اقبال
کا اثر ان کی طبائع پر پڑتا رہا۔ مولانا شبلی نے بہت سے خطوط میں اور حضرت اکبر نے
نہ صرف خطوں میں بلکہ بہت سے اشعار میں اقبال کے کمال کا اعتراف کیا ہے اور اقبال
نے اپنی نظم میں ان بالکالوں کی جا بجا تعریف کی ہے۔

ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آٹھ دس
کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے غالباً دو تین سال پہلے میں نے انھیں پہلی مرتبہ لاہور
کے ایک مشاعرے میں دیکھا۔ اس نرم میں ان کو ان کے چند ہم جماعت کھینچ کر لے
گئے اور انھوں نے کہ سن کر ایک غزل بھی پڑھوائی۔ اس وقت تک لاہور میں لول
اقبال سے واقف نہ تھے۔ چھوٹی سخی سزل تھی۔ سادہ سے الفاظ۔ زمین بھی شکل نہ تھی۔
مگر کلام میں شوخی اور بے ساختہ پن موجود تھا۔ بہت پسند کی گئی۔ اس کے بعد
دو تین مرتبہ پھر اسی مشاعرے میں انھوں نے غزلیں پڑھیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک

جو نہاد شاعر میدان میں آیا ہے۔ مگر یہ شہرت پہلے پہلے لاہور کے کالجوں کے طلبہ اور بعض ایسے
 لوگوں تک محدود رہی جو تعلیمی مشاغل سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی
 جس میں مشاہیر شریک ہونے لگے اور نظم و نثر کے مضامین کی اس میں ہفت روزہ نئی۔ شیخ
 محمد اقبال نے اس کے ایک جلسے میں اپنی وہ نظم جس میں کوہ ہمالہ سے خطاب ہے پڑھ کر
 سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں۔ اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی
 چاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاق زمانہ اور ضرورت وقت کے موافق ہونے کے سبب
 بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے، مگر
 شیخ صاحب یہ عذر کر کے کہ ابھی نظم ثانی کی ضرورت ہے، اسے اپنے ساتھ لے گئے اور
 وہ اُس وقت چھپنے نہ پائی۔ اس بات کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ میں نے ادب اردو
 کی ترقی کے لیے رسالہ مخزن جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں شیخ محمد اقبال
 سے میری دوستانہ ملاقات پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ لیا کہ اس رسالے کے
 حصہ نظم کے لیے وہ نئے رنگ کی نظمیں مجھے دیا کریں گے۔ پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ
 میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کوئی نظم مانگی۔ انھوں نے کہا ابھی کوئی
 نظم تیار نہیں۔ میں نے کہا ہمالہ والی نظم دے دیجیے اور دوسرے مہینے کے لیے کوئی
 اور لکھیے۔ انھوں نے اس نظم کے دینے میں پس و پیش کی لیونکہ انھیں یہ خیال تھا
 کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں مگر میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مقبول ہوئی، اس لیے میں نے
 زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور مخزن کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں جو اپریل ۱۹۰۵ء
 میں نکلا، شائع کر دی۔ یہاں سے گویا اقبال کی اردو شاعری کا پہلا طور پر آغاز ہوا اور
 ۱۹۰۵ء تک جب وہ ولایت گئے، یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں وہ عموماً

'مخزن' کے ہر سہرے لیے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے تھے اور جوں جوں لوگوں کو ان کی
 شاعری کا حال معلوم ہوتا گیا، جا بجا مختلف رسالوں اور اخباروں سے فرمائشیں آنے لگیں اور
 انجمنیں اور مجالس درخواستیں کرنے لگیں کہ ان کے سالانہ جلسوں میں لوگوں کو وہ اپنے کلام
 سے محفوظ کریں۔ شیخ صاحب اس وقت طالب علمی سے فارغ ہو کر کورنٹ کالج میں پروفیسر
 ہو گئے تھے اور دن رات علمی صحبتوں اور مشاغل میں بسر کرتے تھے طبیعت زبوں پر تھی، شعر
 کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار شعر
 ہو جاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے پوسل کاغذ لے کر
 لکھتے جاتے اور وہ اپنی دھن میں کہتے جاتے۔ میں نے اس زمانے میں انھیں کبھی کاغذ قلم
 لے کر فکر سخن کرتے نہیں دیکھا۔ موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ بہتا معلوم
 ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیت رقت کی عموماً ان پر طاری ہوتی تھی۔ اپنے اشعار سریلی
 آواز میں ترتیم سے پڑھتے تھے، خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔ یہ
 عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا ہے کہ جتنے شعر اس طرح زبان سے نکلیں، الروہ
 ایک سلسل نظم کے ہوں تو سب کے سب دوسرے وقت اور دوسرے دن اسی ترتیب سے
 حافظے میں محفوظ ہوتے ہیں جس ترتیب سے وہ کہے گئے تھے، اور درمیان میں خود وہ انھیں
 قلمبند بھی نہیں کرتے۔ مجھے بہت سے شعرا کی ہم نشینی کا موقع ملا ہے اور بعض کو میں نے
 شعر کہتے بھی دیکھا اور سنا ہے، طریقہ رنگ بسی اور میں نہیں دیکھا۔ قہار کی ایک اور خصوصیت
 یہ ہے کہ بایں ہر موزوں طبیعت وہ حسب فرمائش شعر کہنے سے قاصر ہے جب طبیعت خود مائل نظم
 ہو تو جتنے شعر چاہے کہ وہ طریقہ کہ ہر وقت اور ہر موقع پر حسب فرمائش وہ کچھ لکھ سکے، یہ قریب
 قریب ناممکن ہے۔ اسی لیے جب ان کا نام نکلا اور فرمائشوں کی بھرمار ہوئی تو انھیں اکثر

فرمانشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی طرح انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اسی جلسے کے لیے لکھی جاتی تھی اور جس کی فہرست وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے۔

اول اول جو نظمیں جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں تحت اللفظ پڑھی جاتی تھیں اور اس طرز میں بھی ایک نظم تھا۔ طر بعض دستوں نے ایک مرتبہ جلسہ عام میں شیخ محمد اقبال سے بلاصر کہا کہ وہ نظم ترجمہ سے پڑھیں۔ ان کی آواز قدرتا بلند اور خوش آئند ہے۔ طرز ترجمہ سے بھی جلسہ واقف ہیں۔ ایسا سماں بندھا کہ سکوت کا عالم چھایا اور لوگ جھومنے لگے۔ اس نے دو نتیجے بنوتے۔ ایک تو یہ کہ ان کے لیے تحت اللفظ پڑھنا مشکل ہو گیا جب بھی پڑھیں لوگ اصرار کرتے ہیں کہ لے سے پڑھا جائے اور دوسرا یہ کہ پہلے تو خواص ہی ان کے کلام کے قدر ان تھے اور اُنس کو سمجھ سکتے تھے اس شش کے سبب عام بھی کھینچ آئے۔ لاہور میں جلسہ حمایت اسلام میں جب اقبال کی نظم پڑھی جاتی ہے تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہوتے ہیں اور جب تک نظم پڑھی جائے لوگ دم بخود بیٹھے رہتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ دور نما ہے جو انھوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انھیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملا اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں تھوڑی ہے مگر ان میں ایک حسن رنگ وہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے۔ اُنس نے مانے میں دو بڑے تغیران کے خیالات ہیں آئے۔ ان تین سالوں میں سے دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور

اکثر ملاقات کے موقع ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ
 مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم کھالیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت
 شاعری میں صرف ہوتا ہے اُسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے
 کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ ان کے کلام میں
 وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری در ماندہ قوم اور ملک کے نصیب ملک کے امراض کا
 علاج ہو سکے اس لیے ایسی مفید خدا و طاقت کو بیکار کرنا درست نہ ہو گا۔ شیخ صاحب
 کچھ قائل ہوئے کچھ نہ ہوئے اور یہ قرار پایا کہ آئندہ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔
 اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادہ ترک شعر کو بدل دیں اور اگر وہ شیخ صاحب
 سے اتفاق کریں تو ترک شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی کہ
 آئندہ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لیے شاعری کو
 چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے لیے بھی مفید ہے اور
 ان کے ملک و قوم کے لیے بھی مفید ہے۔ ایک تغیر جو پہلے شاعر کی طبیعت میں آتا تھا اس
 کا تو یوں حسرت نہ ہوا مگر وہ سراسر تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک
 پہنچا یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنالیا
 فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں کتنی اسباب سے پیدا ہوئی ہوگی
 اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنی کتاب حالات تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو
 کتب بینی کی جو اس کو بھی ضرور اس تغیر شوق میں دخل ہو گا۔ اس کے علاوہ جوں جوں
 ان کا مطالعہ حکیم فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور دوستی خیالات کے اظہار کو بھی چاہا
 تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے میں اردو کا سہارا یہ بہت کم ہے اور فارسی میں

کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے
 ڈھلنے آسان نہیں، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔ مگر بظاہر جس چھوٹے
 سے واقعے سے ان کی فارسی کوئی کی ابتدا ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک ترسہ ایک دست
 کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سننے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ
 فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک اور
 شعر کبھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے
 ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر بستر پر لیٹے ہوئے باقی وقت وہ
 شاید فارسی شعر لکھتے رہے اور صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو وہ تازہ غزلیں فارسی میں
 تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی
 کی قوت کا حال معلوم ہوا جس کا پہلے انھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔ اس کے
 بعد ولایت سے واپس آنے پر کونسی بھی اردو کی نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رخ فارسی کی
 طرف ہو گیا۔ یہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہے جو ۱۹۰۷ء کے بعد سے شروع ہوا اور جو
 اب تک چل رہا ہے۔ اس عرصے میں اردو نظمیں بھی بہت سی ہوئیں اور اچھی اچھی جن کی
 مصوم مچ گئی۔ مگر اصل کام جس کی طرف وہ متوجہ ہو گئے، وہ ان کی فارسی مشنوی اسرار خودی
 تھی۔ اس کا خیال دیر تک ان کے دماغ میں رہا اور رفتہ رفتہ دماغ سے صفحہ قسطا سب
 اُترنے لگا، اور آخر ایک مستقل کتاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جس سے اقبال کا نام
 ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہو گیا۔

فارسی میں اقبال کے قلم سے تین کتابیں اس وقت تک نکلی ہیں: اسرار خودی،
 'رموز بے خودی' اور پیام مشرق۔ ایک سے ایک بہتر پہلی کتاب سے دوسری میں زبان

زیادہ سادہ اور عام فہم ہوتی ہے اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس ہے۔ جو لوگ اقبال کے اردو کلام کے دلدادہ ہیں وہ فارسی نظمیں کو دیکھ کر مایوس ہوتے ہوں گے مگر انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا میں جہاں فارسی کلمہ و بیش متداول ہے اقبال کا کلام اس ذریعے سے پہنچ گیا اور اس میں ایسے خیالات تھے جن کی ایسی وسیع اشاعت ضروری تھی اور اسی وسیلے سے یورپ اور امریکہ والوں کو ہمارے ایسے قابل تصنف کا حال معلوم ہوا۔ پیغام شرق میں ہمارے مصنف نے یورپ کے ایک نہایت بلند پایہ شاعر کوٹے کے سلام مغرب کا جواب لکھا ہے اور اس میں نہایت حکیمانہ خیالات کا اظہار بہت خوب صورتی سے کیا گیا ہے۔ اس کے اشعار میں بعض بڑے بڑے عقیدے حل ہوئے ہیں جو پہلے آسان طریق سے بیان نہیں ہوئے تھے۔ مدت سے بعض رسائل اور اخبارات میں ڈاکٹر محمد اقبال کو ترجمان حقیقت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے خاص خاص اشعار سے ثابت ہے کہ وہ اس لقب سے ملقب ہونے کے مستحق ہیں اور جس کسی نے یہ لقب ان کے لیے پہلے وضع کیا ہے اس نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ہوا ہے کہ نظمیں اردو میں دورِ سوم میں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے سے بھی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تفسیریں کی گئی ہیں۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشہب قلم جو فارسی کے میدان میں کامزن ہے اس کی بال کسی قدر تکلف کے ساتھ اردو کی طرف موڑی جا رہی ہے۔

اقبال کا اردو کلام جو وقتاً فوقتاً ۱۹۱۷ء سے لے کر آج تک سالوں اور اخباروں

میں شائع ہوا اور انجمنوں میں پڑھا گیا، اُس کے مجبوعے کی اشاعت کے بہت لوگ
 خواہاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے احباب بارہا تقاضا کرتے تھے کہ اُردو کلام کا مجموعہ شائع
 کیا جائے مگر کئی وجوہات سے آج تک مجموعہ اُردو شائع نہیں ہو سکا تھا۔ خدا کا شکر
 ہے کہ آخر اب شائقین کلام اُردو کی یہ دیرینہ آرزو برآئی اور اقبال کی اُردو نظمیں کا
 مجموعہ شائع ہوتا ہے جو دو سو بانوے صفحات پر مشتمل ہے اور تین حصوں پر تقسیم ہے۔
 حصہ اول میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں، حصہ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کی
 اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ء سے لے کر آج تک کا اُردو کلام ہے۔ یہ دعویٰ سے کہا جا
 سکتا ہے کہ اُردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب شاعر کی موجود نہیں ہے جس میں خیالات
 کی پسراوانی ہو اور اس قدر مطالب معانی یکجا ہوں۔ اور کیوں نہ ہو ایک صدی کے
 چہارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے۔ بعض
 نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرع ایسا ہے کہ اُس پر ایک مستقل مضمون
 لکھا جاسکتا ہے۔ یہ مختصر مضمون جو بطور دیباچہ لکھا گیا ہے اس میں مختلف نظموں کی
 تنقید یا مختلف اوقات کی نظموں کے باہم مقابلے کی گنجائش نہیں، اس کے لیے اگر
 ہو سکا تو میں کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ سر دست میں صاحبان ذوق کو مبارک باد دیتا
 ہوں کہ اُردو کلیات اقبال اُن کے سامنے رسالوں اور کلدستوں کے اوراق پریشاں
 سے نکل کر ایک مجموعہ دل پذیر کی شکل میں جلوہ گر ہے اور اُمید ہے کہ جو لوگ مدت
 سے اس کلام کو یکجا دیکھنے کے شائق تھے، وہ اس مجبوعے کو شوق کی نگاہوں سے
 دیکھیں گے اور دل سے اس کی قدر کریں گے۔

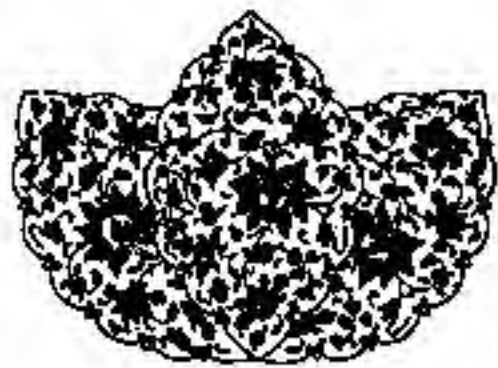
آخر میں اُردو شاعری کی طرف سے میں یہ درخواست قابل مصنف سے کرتا ہوں کہ

وہ اپنے دل و دماغ سے اُردو کو وہ جتنہ دیں جس کی وہ مستحق اور محتاج ہے۔ خود انھوں
 نے غالب کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اُردو کی حالت کا
 صحیح نقشہ کھینچا ہے۔

کیسوتے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے

شمع یہ سودا آئی دلسوزی پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر پڑھ کر ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے
 نکلوا یا تھا، اُس سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ عرصے کے لیے کیسوتے اُردو کے
 سنوارنے کی طرف متوجہ رہیں اور ہمیں موقع دیں کہ ہم اسی جہت سے اُردو کو جو اس
 قدر دیر کے بعد چھپا ہے، ایک دوسرے قیامت اُردو کا پیش خیمہ سمجھیں۔



الف

قدت المحبہ ستم ہے۔

انہ کو راز جو بنایا۔ راز اگر گمان سے چھایا۔
رے ناخوش آگیا۔ کھنڈ سر محمد زان کا
جوت اعز و انتہا ہے
آئینہ کو جگر لکھتا ہے

جے رسم خرام بیج دریا۔ دریا کوئے مگر حاد بہا
بلبل کو ہوا رطوبت۔ شانوں پہ لکھا لالہ
نار مشعل سرب قدیر۔ زندان ملک ملک باز بھر
خوشنود کا بد سحر۔ لکھو اللہ نام بر سر
نزع بیادوں پہ عید۔ بند کس شوق کا سر
دین و دنیا کی ستم نے سوزش کے خون پر
کتابچہ پر فدا رہا ہے
کتابچہ پر فدا رہا ہے

۲۸

بانگ درا

۳۲

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۲۹

بانگ درا

۳۳

یارب دل هم که زنده ماند - بوقب کورگه جور و کور و
 چرخه ادنی نادرک برده که چاک - چو ذوق تماش و چو ذوق تماش
 حرم تماش کوچه و دیار پناه - دیکار و کج پیله اوروں کو و کلا
 یکا پوزا و کور و کور و کور - هر شکر و کور و کور و کور
 ار دره غلط و غلط و غلط - در دماغ و کور و کور و کور
 برادر و دردم و کور و کور - هر غلط و کور و کور و کور
~~تکلیف و کور و کور و کور - هر غلط و کور و کور و کور~~
 هر غلط و کور و کور و کور - تانز و کور و کور و کور
 رقت و کور و کور و کور - جف و کور و کور و کور
 در کور و کور و کور - نیو و کور و کور و کور
 چار و کور و کور و کور - اوز و کور و کور و کور
~~نقد و کور و کور و کور - اوز و کور و کور و کور~~
 نقد و کور و کور و کور - اوز و کور و کور و کور

۵۰
 بانگ درا
 ۳۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمالہ

اے ہمالہ! اے فصیل کشور ہندوستان چومتا ہے تیری پیشانی کو خجک کر آسمان
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دینے دوزی کے نسل تو جوں ہے کر دیش شام و سحر کے درمیاں

ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لیے
تو تجلی ہے سر اچشم بینا کے لیے

اتحان دیدہ ظاہر میں کوہستان ہے تو پاسباں انیا ہے تو دیوار ہندستان ہے تو
مطلع اول فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو سوتے خلوت کا وہ دل دہش نساں ہے تو

برف نے باندھی ہے ست فضیلت تیرے

خندہ ن ہے جو کلاہ سر عالم تاب پر

تیری عمرِ فرست کی اک آن ہے عہدِ کُن
واویوں میں ہیں تیری کالی لٹائیں خیمِ کُن
چوٹیاں تیری شریا سے ہیں سرگرم سخن
تو زمیں پر اور پہنائے فلک تیرا وطن

چشمہ دامن ترا آئینہ سیال ہے

دامن موج ہوا جس کے لیے وصال ہے

ابر کے ہاتھوں میں ہوا پر ہوا کے واسطے
تازیانہ دے دیا برق سرگسار نے
اے ہمالہ کوئی بازی کا ہے تو بھی جسے
دستِ قدرت بنایا ہے عناصر کے لیے

ہائے کیا فرطِ طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر

فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

جنبشِ موجِ نسیمِ سج کھوارہ بنی
جھومتی ہے نشہ ہستی میں ہر گل کی کلی
یونِ بانِ برک سے گویا ہے اس کی خامشی
دستِ گلچیں کی جھٹکیں نے نہیں کبھی کبھی

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا

گنجِ خلوت خانہ قدرت ہے کاشانہ مرا

آتی ہے منہ راز کوہ سے گاتی ہوئی
کوثرِ نسیم کی موجوں کو شکاری ہوئی

آئینہ ساشا بہ قدرت کو دکھلاتی ہوئی
سب سے گاہِ پستی گاہِ مکرراتی ہوئی

پھیڑتی جا اس عراقِ دل نشیں کے سار کو
اے مسافرِ دل سمجھتا ہے ترمی آواز کو

یہی شب کھولتی ہے آکے جب بُلفِ سا وہیں دل کھینچتی ہے ہر ایشاؤں کی صدا
وہ خموشیِ شام کی جس پر تکلم ہو خدا وہ درختوں پر کندہ کاسماں چھپایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق لہسا پر

خوشنما لگتا ہے عینِ ازہ ترے خار پر

اے ہمالہ! داستانِ اُس وقت کی کوئی سنا مسکنِ آبلے انساں جب بنا وہن ترا
کچھ بتا اُس سیدھی ساوی زندگی کا سہرا داغ جس پر غارِ رنگِ تکلف کا نہ تھا

ہاں لکھا دے اے قصہ پھر وہ صبحِ شام تو

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

گلِ زندیں

تو شام سے خراشِ عقدہ شکل نہیں اے گلِ رنگیں ترے پہلو میں شاید دل نہیں
زیب محفل ہے شریکِ شورشِ محفل نہیں یہ فراغتِ بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں

اس چین میں میں سراپا سوز و ساز آرزو
اور سیری زندگی بے لہذا آرزو

تو لینا شاخ سے تہجد کو مرا آہیں نہیں یہ نظر غیر از نگاہ چشم صہوت میں نہیں
آہ! یہ دست بھانجولے گل زمینیں نہیں کس طرح تہجد کو یہ بھجاؤں کہ میں گلچین نہیں
کام مجھ کو دیدہ حکمت کے الجھٹیروں سے کیا
دیدہ بے بس سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

سوز بانوں پر بھی خاموشی تہجے منطوب ہے راز وہ کیا ہے تہجے میں جو مستوب ہے
میری صورت تو بھی اک برگ ریاض طوب ہے میں چین سے دور ہوں تو بھی چین سے ٹوب ہے
مطمئن ہے تو پریشاں مثل بورتا ہوں میں
زخمی ششیر ذوق جستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مری سامانِ حیات نہ ہو یہ جگر سوزی چراغِ خانہِ حاکست نہ ہو
ناتوانی ہی مری سرِ مایہ قوت نہ ہو رشکِ جامِ بزمِ مرا آئینہ حیرت نہ ہو
یہ تلاشِ متصل شمعِ جہاں فروز ہے
توسن اور اک انسان کو خرامِ امن ہے

عہد طفلی

تھے دیارِ نو زمینِ آسماں میرے لیے وسعتِ آغوشِ مادرِ اک جہاں میرے لیے
تھی ہر اک جنبشِ نشانِ لطفِ جاں میرے لیے صرف بے مطلب تھی خود سیریِ جاں میرے لیے
دورِ طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے

شورشِ نجیرِ درمیں لطفِ آتا تھا مجھے

تکلتے رہنا ہائے اوہ پیرِ تلکِ سوتلے وہ پھٹے بادل میں بے آوازِ پاؤں کا سفر
پوچھنا رہ کے اُس کے کوہِ جھرا کی خبر اور وہ حیرتِ دروغِ مصلحتِ آئینِ زیر

آنکھ وقفِ دید تھی لبِ مائلِ نفار تھا

دل نہ تھا میرا، سراپاِ ذوقِ ہفتا تھا

مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا جہ پر مرغِ تخیل کی رسائی تاکجا
تھا سراپاِ روحِ ثورِ بزمِ سخنِ پیکرِ ترا زینِ بھنسل بھی رہا بھنسل سے پنہاں بھی ہا

دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظوم ہے

بن کے سوز زندگی ہر شے میں جوستو ہے

محفل ہستی تری بر لب سے ہے سرمایہ دار جس طرح ندی کے نغموں سے کھوت کو ہمار

تیرے فرد و بخشیل سے ہے قدرت کی بہا تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبز و وا

زندگی مضمر ہے تیری شوخی تحریر میں

تاب کو یانی جے بخش ہے لب تصویر میں

نطق کو سونا زہین تیرے لب عجب از پر محو حیرت ہے ثریا فست پر از پر

شاہ مضمون تصدیق ہے تیرے انداز پر خند زن ہے غنچہ دلی گل شیراز پر

آہ! تو اٹھری ہوئی دلی میں آہیہ ہے

گلشن و میرتیں یہ لہو نواہیہ ہے

لطف کو یانی میں یہ ہری ہری مکن نہیں چوختیل کا نہ جت مک فکر کامل ہمیش

ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سر میں آہ! لے لے رہ آموز نگاہ مست رہیں

• دیر : جرمنی کا مشہور شاعر گوٹے اس جگہ مرفون ہے

گیوے اُردو ابھی منت پذیرِ شائے

شمع یہ سودائی و سوزی پروا ہے

اے جہان آباد اے گوارہِ عسلمِ ہنر ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بامِ در

فترے فترے میں ترخے اہلِ شمس و قمر یوں تو پوشیدہ ہیں خالِ کس میں لاکھوں

دفنِ تجھ میں کوئی فخرِ زکاویا بھی ہے؟

تجھ میں پس کوئی موتی آبِ ایسا بھی ہے؟

ابر کو ہسار

ہے بلند می سے فلکِ بوس شمعِ میرا ابر کو ہسار ہوں گلِ پاش ہے امنِ میرا

کبھی صحرا بھی گلزار ہے سکُنِ میرا شہرِ ویرانہ مرا بحرِ مرا، بنِ میرا

کسی آدمی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو

سبزہ کو ہے منجھے گل کا بچھونا مجھ کو

مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے افسانِ ہونا ناقہ شادِ حُسن کا حُدی خواجہ ہونا

عنم دوائے دلِ افسردہ بہت ہو نا رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا

بن کے کیسوخ ہستی پہ بھرتا ہوں

شانہ موجبہ صرصر سے سنو جاتا ہوں

دور سے دین آہ کو ترستا ہوں کسی بستی سے جو خاموش گن جاتا ہوں

سیر کرتا ہوں جس دم لب بچھاتا ہوں بالیاں نہر کو لڑا ب کی پہناتا ہوں

سبزہ مزع نوخیز کی آہ میں

زاق بھڑن بڑوہ خورشید میں

چشمہ کوہ کو دی شورش قلزم میں نے اور پرندوں کو کیس محترم میں نے

سر پہ پرنے کے کھڑے ہو کے کہا قلم میں نے غنچہ گل کو دیا ذوق تبسم میں نے

فیض سے میرے نمونے ہیں بستانوں کے

جھوپٹے ہیں کسار میں ہست انوں کے



ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
لیکن مری کشیا کی نہ جالی کبھی قسمت
غیروں سے شیطیے تو کوئی بات نہیں ہے
اوجو کے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
اس نے اس سے ہوتا ہے کز روز تمہارا
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھتا
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھینچ کے نہ رہنا
وہ سامنے سیر بھی ہے جو منظور ہو آنا
حضرت! بسی نادان کو دیکھ گایہ صو کا

اس حال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے

جو آپ کی سیر بھی یہ چڑھا پھر نہیں اُترا

مکڑے نے کہا واہ! فریبی مجھے سمجھے
منظور تمہاری مجھے خاطر تھی ورنہ
اڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
تم سا کوئی نادان زمانے میں ہو گا
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
ٹھہرو جو کے گھر میں تو ہے اس میں برا کیا

اس گھر میں کتنی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
 باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی کُئی شیا
 لٹکے ہوئے دروازوں پر بار بار ایک پس پردہ
 دیواروں کو آئینوں کے ہیں نے سجایا
 مہمانوں کے آرام کو خاص رہیں بھپو نے
 ہر شخص کو سماں یہ میسر نہیں ہوتا
 مکھی نے کہا خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن
 میں آپ کے گھر آؤں یہ آپ نہ رکھنا

ان نرم بھپوؤں سے خدا مجھ کو بچاتے

سو جاتے کوئی ان پر تو پھر اٹھ نہیں سکتا

کمرے نے کہا دل میں سنی بات جو اُس کی
 پھانسیوں کے س طرح یہ کم بخت ہے دانا
 سو کا غم شام سے نکلتے ہیں جہاں میں
 دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بنا
 یہ سوچ کے مکھی سے کہا اُس نے بڑی بیبا
 اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبہ
 ہوتی ہے اُسے آپ کی صوٹ سے محبت
 جو جس نے بھی ایک نظر آپ کو دیکھا
 آنکھیں ہیں کہ ہرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
 سر آپ کا اللہ نے کلنی سے سجایا
 خیرن یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی
 مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پس بھی
 انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں نہیں
 بولی کہ نہیں آپ کے مجھ کو کوئی لٹکا
 سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا

یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے پاس آتی تو مڑے نے اچھل کر اسے پکڑا

بھوکا تھا لٹی رنے اب ہاتھ جو آتی

آرام سے کھر بیٹھ کے مکھی کو اڑایا

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از امیرسن)

بچوں کے لیے

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا ال گلہری سے تجھے ہوشم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے

وہ اسی چیز ہے اس غرے زلیا لہنا یہ عقل اور یہ سمجھ یہ شعور کیا لہنا

خدا کی شان ہے ہر چیز چیز بن بیٹھیں جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں

تری بساط ہے کیا میری شان کے لے لے زمیں ہے پست مری آن بان کے لے لے

جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہا

بھلا پہاڑ کہاں جانور غریب کہا

کہا یسن کے گلہری نے منہ سنبھال دیا یہ کچپی باتیں میں دل سے انھیں نکال دیا

جو مین بڑی نہتیں سیری طرح تو کیا پڑا
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدائی قدر سے
کوئی بڑا کوئی چھوٹا یہ اُس کی حکمت سے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اُس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں اتجھ میں
بڑی بڑائی ہے خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
چھپا لیا ہے ذرا تو ڈر لکھ مجھ کو

نہیں ہے چیز قیمتی کوئی زمانے میں
کوئی بڑا نہیں قدرت کے کاخانے میں

ایک کاتے اور بلکری

(مانخو)

بچوں کے لیے

اک چرگالہ ہری بھری تھی کہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں
کیا سماں اُس بہار کا ہویاں
ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں
تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پیل کے سایہ دار درخت

۶۲
باقی رہا
۲۶

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
 کسی ندی کے پاس اک بکری
 جب ٹھہر کر ادھر ادھر دیکھا
 پہلے جھاک کر اسے سلام کیا
 کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں
 کٹ رہی ہے بُری بھلی اپنی
 جان پر آبنی ہے کیا کیسے
 دیکھتی ہوں خدا کی شان میں
 زور چلتا نہیں عنبر یوں کا
 آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
 دودھ کم دوں تو بڑھاتا ہے
 ہستہ کشندوں سے غلام کرتا ہے
 اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
 بدلے نیکی کے یہ بُرائی ہے

طائروں کی صدا میں آتی تھیں
 چرتے چرتے کہیں سے آنکلی
 پاس اک گائے کو کھڑے پایا
 پھر سلیقے سے یوں کلام کیا
 گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں
 ہے مصیبت میں زندگی اپنی
 اپنی قسمت بُری ہے کیا کیسے
 رو رہی ہوں بُروں کی جان میں
 پیش آیا بلکھانسیوں کا
 اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے
 ہوں جو ڈوبی تو بیچ لھاتا ہے
 کہن منبریوں سے رام کرتا ہے
 دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
 میرے اللہ! تری دہاتی ہے

سُن کے بکری یہ عاجز اسارا
 بات سچتی ہے بے مزا لگتی
 یہ سپر آلہ، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
 اسی خوشیاں ہمیں نصیب
 یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
 اس کے دم سے ہے اپنی آبادی
 سوطرچ کا بنوں میں ہے کھٹکا
 ہم یہ احسان ہے بڑا اس کا
 قدر آرام کی اگر سمجھو
 گائے سُن کر یہ بات شرمائی
 دل میں پرکھا بھلا بُرا اُس نے
 بولی، ایسا کد نہیں اچھا
 میں کہوں گی مگر خدا لگتی
 یہ ہری کھاس اور یہ سایا
 یہ کہاں بے زبان غریباں
 نطف سارے اسی کے دم سے ہیں
 قید ہم کو بھلی کہ از آدمی
 واں کی گزران سے بچاتے خدا
 ہم کو زیب نہیں کلا اس کا
 آدمی کا کبھی کد نہ کرو
 آدمی کے گلے سے پھٹائی
 اور کچھ سوچ کر کہا اُس نے

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
 دل کو لگتی ہے بات بکری کی



بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تنست میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدا یا میری
دُور دنیا کا مرے دُم سے اندھیرا ہو جائے

ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے
ہو مرے دُم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب
ہو مرا کام عنریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں کے ضعیفوں سے محبت کرنا

مرے اللہ! بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

ہمدردی
(مانخو از ولیم کوپر)
بچوں کے لیے

ٹھنی یہ کسی شخص کی تنہا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آتی
پہنچوں کس طرح اشیان تک
سُن کر ٹببیل کی آہ و زاری
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل
ٹببیل تھا کوئی ادا اس بیٹیا
اڑنے چکنے میں دن گزارا
ہر چیز پہ چھپا لیا اندھیرا
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
کیسٹرا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
میں راہ میں روشنی کروں گا
چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ماں کا خواب

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

میں سوئی جاں شب تو دیکھا یہ خواب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
لڑتا تھا ڈر سے مرا بال بال
جو کچھ حسد پاکے آگے بڑھی
زمر دسی پوشاک پہنے ہوئے
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے روئے
اسی سوچ میں تھی کہ میرا پر
وہ پیچھے تھا اور میں نہ چلتا نہ تھا
کہا میں نے نہ چپان نہ میری جان!
جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
قدم کا تھا دھشت سے اٹھنا محال
تو دیکھ قطار ایک لڑکوں کی تھی
دیے سب ہاتھوں میں جلتے ہوئے
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں
مجھے اُس جماعت میں آیا نظر
دیا اُس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا
مجھے چھوڑ کر آگے تم کہاں؟
پروقتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہا

۶۷
بانگ درا
۵۱

نہ پروا ہم ساری ذرا تم نے کی گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی!
 جو بچے نے دکھ سامرا بیچ و تاب دیا اُس نے منہ پھیر کر یوں جواب
 رلاتی ہے تجھ کو جُدا تی مری نہیں اس میں کچھ بھی جُدا تی مری
 یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چُپ رہا دیا پھر دکھ کر یہ کہنے لگا
 سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے؟

ترے آنسوؤں نے بُجھایا اسے!

پرندے کی فریاد بچوں کے لیے

اتنا ہے یاد مجھ کو گزرا سوا زمانا وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چھپانا
 آزادیاں کہاں وہ اب اپنے کھونسے کی اپنی خوشی سے اُٹا اپنی خوشی سے جانا
 لگتی ہے چوٹِ دل پر اتنا ہے یاد جس دم شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا سُکرانا
 وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی موت اباد جس کے دم سے تھا میرا اُشیانا

اتنی نہیں آئیں اُس کی مرے قفس میں

ہوتی مری ہاتی اے کاش میرے بس میں!

کیا نصیب چوں میں کھر کو ترس رہا ہوں ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں چڑا ہوں
 اتنی بہار کلیاں بھولوں کی سنس رہی ہیں میں اس اندھیرے کھر میں قسمت کو رہا ہوں
 اس قید کا الہی اڈکھڑا کے سناؤں

ڈرے یہیں قفس میں میں غم سے مر نہ جاؤں

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے دل غم کو کھار ہائے غم دل کو کھار ہا ہے
 گانا ہے سمجھ کر خوش چوں نہ سننے والے دُکھے ہوئے دلوں کی فنیادیو یہ صدا ہے
 آزاد مجھ کو کر دے اوقید کرنے والے!

میں بے زبان چوں قیدی تو چھوڑ کر دے

خفتگانِ حال سے استفسار

مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقابِ روتے شام شانہ ہستی یہ ہے بکھرا ہوا کیسوتے شام
 یہ سیہ پوشی کی تیاری کسی کے غم میں ہے محفلِ قدرت مگر خورشید کے ماتم میں ہے
 کر رہا ہے آسمان جاؤ لبِ گرفتار پر ساحرِ شب کی نظر ہے دیدِ بیدار پر
 غوطہ زن دریائے حساموشی میں موج ہوا ہاں مگر اک دور سے آتی ہے آوازِ دردا

دل کہ ہے بے تابی الفت میں دنیا سے نفو
کھینچ لایا ہے مجھے ہنگامہ عالم سے دور

منظرِ حراماں نصیب کی تماشائی ہوں میں

ہم شینِ جفتگانِ کنجِ تنہائی ہوں میں

تھم درابے تابی دل بیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے

اے غفلت کی سرستو! کہاں رہتے ہو تم؟
کچھ کہو اس دس کی آخر جہاں رہتے ہو تم؟

وہ بھی حیرت خانہ امر و نہر ہے کوئی؟
اور پیکارِ عینِ تماشائے ہے کوئی؟

اومی! ان بھی حصاِ غم میں ہے محسوس کیا؟
اُس لایت میں بھی ہے انسان کا دل مجبور کیا؟

واں بھی جہل مرتا ہے سوزِ شمع پر پرانہ کیا؟
اُس چین میں بھی گلِ غم کی ہے افسانہ کیا؟

یاں تو اک مصرع میں پسلوئے نکل جاتا ہے دل
شعر کی لہری سے کیا ان بھی پھل جاتا ہے دل؟

رشتہ و پیوندی کے جان کا آزار ہیں
اُس گستاں میں بھی کیا ایسے نیکلے خار ہیں؟

اس جہاں میں اک معیشت اور سو اُفتاد ہے
روح کیا اُس دس میں اس فکر سے آزاد ہے؟

کیا وہاں بجلی بھی ہو وہاں بھی ہے خرمن بھی ہے؟
قلندے والے بھی ہیں اندیشہ ریزن بھی ہے؟

تنگے چنتے ہیں وہاں بھی آشریاں کے واسطے؟
خشتِ گل کی فکر ہوتی ہے کمال کے واسطے؟

واں بھی انسان اپنی صلیت سے بیگانہ ہیں کیا؟
امیازِ ملت و آئین کے دیوانے ہیں کیا؟

بانگِ درا
۵۲

واں بھی کیا منیر بائبل پر چرچا نہیں؟

اس جہاں کی طرح اس بھی بڑا دل ہوتا نہیں؟

باغ ہے فردوس یا اک نسلِ آرام ہے؟
کیا جہنم مصیبتِ نری کی اک ترکیب ہے؟
کیا عوضِ رفتا کے اُس ریس میں پرواز ہے؟
اضطرابِ دل کا سماں یاں کی ہست بود ہے؟
دیدے تے سکین پات ہے دل مجبور بھی؟
جستجو میں ہے ہاں بھی رُوح کو آرام کیا؟
اوہ! وہ کشور بھی تاریکی سے کیا مہمور ہے؟
یا رنج بے پردہ حسنِ ازل کا نام ہے؟
آگ کے شعلوں میں نہاں قصیدہ دہ ہے؟
موت کہتے ہیں جسے ازل میں کیا راز ہے؟
علمِ انساں اُس لایت میں بھی کیا محدود ہے؟
"لکن ترانی" کہہ رہے ہیں وہاں کے طوط بھی؟
واں بھی انساں ہے قسطنطنیہ وقِ استفہام کیا؟
یا محبت کی تحبلی سے سراپا نور ہے؟

تم بتا دو راز جو اس کنبہِ لڑاں میں ہے

موت اک چھتا ہوا کا نسا دل انساں میں ہے

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمعِ پیار کیوں
یہ جان بے قرار ہے تجھ پریشاں کیوں

سیلاب وار رکھتی ہے تیری ادا سے
 کرتا ہے یہ طواف تری جلوہ گاہ کا
 آداب عشق تو نے سکھائے ہیں کیا سے؟
 از آرموت میں اسے آرام جاں ہے کیا؟
 پھونکا ہوا ہے کیا تری برق نگاہ کا؟
 غم خانہ جہاں میں جو تیری ضیاء ہو
 شعلے میں تیرے زندگی جاوداں ہے کیا؟
 اس نفستہ دل کا نخل تنہا ہر آنہ ہو
 کرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
 نتھے سے دل میں لذت سوز و کداز ہے
 کچھ اس میں جو شرع عاشقِ حُسن قدیم ہے
 چھوٹا سا طور تو، یہ ذرا سا حکیم ہے

پروانہ اور ذوق تماشا سے روشنی
 کیڑا ذرا سا اور تماشا سے روشنی

عقل و دل

عقل نے ایک دن یہ لے لیا
 ہوں زمیں پر، گزر فلک پہ مرا
 بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
 دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
 مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
 کامِ دنیا میں رہ رہی ہے مرا
 ہوں مفترِ کتاپِ پستی کی
 منظرِ شانِ کبریا ہوں میں

بوند اک خون کی ہے تُو لیکن
 دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے
 راز ہستی کو تُو سمجھتی ہے
 ہے تجھے واسطہ مظاہر سے
 غیرت لعل بے بہا ہوں میں
 پر مجھے بھی تو دیکھ لیا ہوں میں
 اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
 اور باطن سے آشنا ہوں میں
 تو حند اجو حند انما ہوں میں
 اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
 حُسن کی بزم کا دیا ہوں میں
 طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں
 تو زمان و مکاں سے رشتہ بیا
 علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے
 علم کی اتہا ہے بے تابی
 شمع تو محفلِ صداقت کی
 کس بندی پہ ہے ہمت ام مرا
 عرشِ تبیل کا ہوں میں

صدائے درد

جل ہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
 سر میں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
 ہاں بوسے اے محیطِ آب گنگا تو مجھے
 وصل کیسیاں تو اک قُربِ فراق انگیز ہے

بدلے یک رنگی کے یا آشنائی ہے غضب ایک چری سکن دانوں میں خدائی ہے غضب
جس کچھ لوگوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں اُس سپین میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ سیقی پر مٹا جاتا ہوں میں

اختلاطِ حوبہ ساحل سے گھبراتا ہوں میں

دانہ خرمین بس ہے شمعِ معجزیاں ہونہ خرمین ہی تو اس دانے کی سستی کھیل
خُسن ہو کیا خودِ ماجب کوئی مائل ہی ہو شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی ہو
ذوقِ گویائی حسِ شوشی سے بے لگا کیوں نہیں میرے آئینے سے یہ جو ہر نکلتا کیوں نہیں

کب بیاں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے

چھوٹا ٹالا جب چمچِ آتشِ سکاری نے

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

اے آفتابِ رُوح و روانِ جہاں ہے تُو شیرازہ بندِ فستہ کونِ مہکاں ہے تُو
باعث ہے تُو وجودِ عدم کی نمود کا ہے سبز تیرے دم سے چمنِ بہت بُود کا

قائمِ غمخسروں کا تماشہ تجھی سے ہے
 ہر شے کو تیری جلوہ گری سے شبات ہے
 وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
 اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے
 ہے محفلِ وجود کا سماں طہراز تو
 تیرا کمال ہستی ہر جاندار میں
 ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
 نے ابتدا کوئی نہ کوئی نہ تہا تری
 ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
 تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے
 دل ہے خرویدے روح رواں ہے شعور ہے
 چشم خرو کو اپنی تجبلی سے نور دے
 یزدانِ ساکن ان نشیب و فراز تو
 تیری نمود سدا کو ہمار میں
 زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو
 از اوقید اقل و آخر ضیاء تری

شمع

بزمِ جہاں میں میں بھیجیں شمعِ دردمند
 دی عشق نے حرارتِ سوز و زوروں سے تجھے
 فریادِ درگاہِ صفتِ دانہ سپند
 اور گلِ فروشِ اشکِ شفق کوں کیا مجھے
 ہوشِ بزمِ شمس کہ شمعِ مزار تو
 ہر حالِ اشکِ غم سے ہی پیکار تو
 یک بین تری نطفِ صفتِ عاشقانِ راز
 میری نگاہِ مایہ آشوبِ امتیاز

کعبے میں سبکے میں کیساں تری ضیا میں استیاز ویر جسم میں چھپا ہوا

ہے شان آہ کی ترے دوسیاہ میں

پوشید کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں؟

جلتی ہے تو کہ برق تجلی سے نور ہے بے در و تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں بینا ہے اور سوز و رُوں پر نظر نہیں

میں جوش اضطراب کے سیما بے ار بھی آگاہ اضطرابِ دل بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا

احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بے قرار خوابید اس شرم میں ہیں آتش کدے ہزار

یہ استیازِ رفعت و پستی اسی سے گل میں مہک شراب میں تھی اسی سے

بستان و بیل و گل و بو ہے یہ آگہی

اصل کشاکشِ سن و تو ہے یہ آگہی

صبح ازل جوشِ جوانی وستانِ عشق آوازِ کن ہوتی تپشِ آموں جانِ عشق

یہ حکم تھا کہ گلشنِ کن کی بہار دیکھ ایک آنکھ لے کے خوابِ بستانِ ہزار دیکھ

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ جود کی
وہ دن گئے کہ قید سے نہیں آشنائے تھا
شامِ فسراق صبح تھی میری نو کی
زیب درختِ طور مرا آشیانہ تھا
قیدی ہیں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
غربت کے غم لہے کو وطن جانتا ہوں میں
یادِ وطن فسردگی بے سبب بنی
شوقِ نطن کہیں کہیں فوجِ طلب بنی

اے شمع! انتہائے فریبِ خیال دیکھ
مضموں فراق کا ہوں ثریا نشان میں
مسجدِ ساکنانِ فلک کا مال دیکھ
اہنگِ طبعِ ہنسم کو ن مکانِ جوں میں
باندھ مجھے جو اُس نے تو چاہی میری نو
گوہرِ کوشتِ خاک میں رہنا پسند ہے
چشمِ غلطِ فکر کا یہ سارا قصور ہے
یہ سلسلہ زمانِ مکان کا پسند ہے
منزل کا اشتیاق ہے کم کردہ اہ ہوں
صیادِ آبِ حلفتِ ترومِ تم بھی آپ
میں سن چوں کہ عشقِ سراپا لہ از ہوں
تحریر کر دیا سرِ یوانِ ہست بود
بندش اگرچہ ہے مضموں طلب ہے
عالمِ ظہورِ جلوتِ ذوقِ شعور ہے
طوقِ کفوتِ حسنِ تماشا پسند ہے
اے شمع! میں سیرِ فریبِ نگاہ ہوں
باجمِ سرم بھی طائرِ باجمِ سرم بھی آپ
کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیا ز ہوں

ہاں آشنائے لب جو نہ راز کس کہیں
پھر چھپڑ نہ جلتے قصہ دار و رسن کہیں

ایک آرزو

دنیا کی محلوں سے اکتا گیا ہوں یارب!
شورش سے بھگتا ہوں دل ٹھونڈتا ہے میرا
مرا ہوں خاشی پڑیا آرزو ہے میری
ازاد فکر سے ہوں عزلت میں گن گزاروں
لذت سرزد کی چو پٹریوں کے چھپو میں
گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
جو ہاتھ کا سر حانا سبز سے کا ہو بھونکا
مانوس اس قدر ہو صو سے میری بیل
صف باندھے نون جانب بوٹے سر سے ہوں
ہو دل فریب ایسا کسار کا نطفہ راہ
کیا نطفہ انجمن کا جب دل ہی سمجھ گیا ہو
ایسا سکوت جس پر تیر بھی بند ہو
دہن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھنوپڑا
دنیا کے عنس کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو
چشمے کی شورشوں میں باجا سانج رہا ہو
ساعتِ ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نہا ہو
شرائے جس سے جلوت خلوت میں وہاں
نتھے دل میں اس کے کھٹکانہ کچھ مرا ہو
ندمی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

آنکھیں میں میں کی سو یا نہوا سو سبزہ
 پانی کو چھو رہی جھجک جھجک کے گل کی
 مہندی لگائے سو ج جب شام کی دھن کو
 راتوں کو چنے والے چائیں تھکے جسم
 بجلی چمک کے اُن کو کٹیا مری دکھائے
 پچھلے پہر کی کوتل وہ صبح کی موتوں
 کانوں پہ ہونہ میرے دیر جو رسم کا احسا
 پھولوں کو اسے جسم شبنم وضو کرنے
 اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
 پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا
 جیسے سین کوئی آئینہ دیکھتا رہا
 سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قسب رہا
 آئینہ اُن کی میرا ٹوٹا ہوا دیا رہا
 جب آسمان پہ ہر سو بادل گھبرا رہا
 میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا رہا
 روزن ہی جھنوپٹری کا مجھ کو سحر نہا رہا
 رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا رہا
 تاروں کے قافلے کو میری صدا اورا رہا

ہر درمند دل کو رونا مرا دل لادے
 بے ہوش جو پڑے نہیں شاید انھیں جگا دے



افتاب صبح

شورشِ مخانہِ انساں سے جلاتر ہے تو زینتِ بزمِ فلکِ جو جس کے وہ غم ہے تو
ہو ذرِ کوشِ عروسِ صبح وہ کوہر ہے تو جس سپیائے افقِ نازاں ہو وہ یور ہے تو

صفحہ ایام سے دُناعِ مداوِ شبِ مٹا

آسماں سے نقشِ ماطل کی طرح کوکبِ مٹا

حُسنِ تیرا جب ابا مِ فلک سے جلوہ گر آنکھ سے اُٹتا ہے یک دم غم اب کی مے کا اُٹ

نور سے سمور ہو جاتا ہے دامنِ نظر کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیاءِ تیری مگر

دُھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہیے

چشمِ ماطن جس سے کھل جاتے وہ جلو اچاہیے

شوقِ آزادی کے دنیا میں نہ بکھلے حوصلے زندگی بھر قیدِ زنجیرِ عشق میں ہے

زیرِ وبالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے آرزو ہے کچھ اسی چشمِ تماشا کی مجھے

آنکھ میری اور کے غم میں سرشکِ باد ہو

امتیازِ ملت و آئیں سے ملِ آزاد ہو

بانگِ درا
۶۲

بستہ رنگِ خصوصیت نہ ہو میری بہا
نوعِ انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں
ویدہ باطن پیر از نظم قدرت ہو عیاں
ہوشناسائے فلک شمعِ تخیل کا دھواں

عقدہ ضدِ ادا کی کاوش نہ تڑپاتے مجھے

حُسنِ عشقِ انجمنِ زہرے میں نظر آتے مجھے

صدِ مہ آجاتے ہوا سے گل کی پتی کو اگر
اشکِ بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جاتے اثر
دل میں سوئے محبت کا وہ چھوٹا شہر
نور سے جس کے رطلے از حقیقت کی خبر

شاہِ قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو

سر میں خیرِ ہمہ روی انساں کوئی سوانہ ہو

تو اگر زحمت کش ہنگامِ عالم نہیں
فیضیت کا نشان اے عطرِ انجم نہیں
اپنے حُسنِ عالم آرا سے جو تو محرم نہیں
ہم سرِ یکِ فترۂ خاکِ درِ آدم نہیں

نورِ سجودِ ملکِ گرم تماشا ہی رہا

اور تونستہ پیرِ صبحِ منور ہی رہا

آرزوِ نورِ حقیقت کی ہمارے دل میں ہے
سیلی ذوقِ طلب کا گھر اسی محل میں ہے
کس قدر زنت کشو عقدہِ مشکل میں ہے
لطفِ صمدِ حاصلِ تارِ مسمیٰ بے حاصل میں ہے

درو استقامتے اقف ترا پہلو نہیں
جستجوئے از قدرت کاشناسا تو نہیں

دردِ عشق

اے دردِ عشق! ہے گہرا بے آرتو نامحرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار تو!
 پنہاں تہ نقاب ترمی جلوہ گاہ ہے ظاہر پرست محسن نو کی نگاہ ہے
 آگئی نئی ہو اچسپ منہست بود میں اے دردِ عشق! اب نہیں لذت نمود میں
 ہاں، خود نہاتوں کی تجھے جستجو نہ ہو منت پذیر نالہ بے بل کا تونہ ہو!
 خالی شرابِ عشق سے لالے کا جام ہو پانی کی بوند کر یہ شبِ بنم کا نام ہو
 پنہاں درون سینہ کہیں راز ہو ترا اشک جگر کہ از نہ غمت از ہو ترا
 گویا زبانِ شاعرِ زنجیں بیاں ہو آواز نے میں شکوہ فُرت نہاں نہ ہو

یہ دوز نکلتے چیں بے کہیں چھپ کے بیٹھ رہ

جس دل میں تو کہیں بے مہیں چھپ کے بیٹھ رہ

خافل ہے تجھ سے حیرتِ علمِ آفریدہ دیکھ! جو یا نہیں ترمی نگہ نارسیدہ دیکھ

رہنے دے جستجو میں خیال بند کو حیرت میں چھوڑ دینے چلتے پسند کو
 جس کی ہر بات تو ہو یہ ایسا چمن نہیں قابل تری نمود کے یہ انجمن نہیں
 یہ انجمن ہے کشتہ نظارہ محباز مقصد تری نگاہ کا خلوت سرائے از

ہر دل مے خیال کی کستی سے چور ہے
 کچھ اور اس جھل کے کھیموں کا طور ہے

گل پر مردہ

کس زبان سے گل پر مردہ تجھ کو گل کہوں کس طرح تجھ کو مستائے دل بیل کہوں
 تھی کبھی موج صبا کھوارہ چمن باں ترا نام تھا صحن گلستاں میں گل خداں ترا
 تیرے احسان کا نسیم صبح کو تیرا تھا
 باغ تیرے دم سے گویا طبع عطف تھا

تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدہ گریاں مرا ہے نہاں تیری اُداسی میں دل گریاں مرا
 میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو
 ہر چوئے از نیستانِ جو حکایت می کنم بشنوائے گل از جہد اتہا شکایت می کنم

سید کی لوح تربت

اے کہ تیرا مرغ جان تا نفس میں ہے
اے کہ تیری روح کا طائر نفس میں ہے
اس حین کے نغمہ پیراؤں کی آزادی تو کچھ
شہرِ حوا جڑا ہوا تھا اس کی آبادی تو کچھ
فکر رہتی تھی مجھے جس کی وہ نسل ہے یہی
صبر و استقلال کی کھیتی کا حاصل ہے یہی

نگ تبت ہے مرا کو وہ تفت تیرا کچھ

چشمِ باطن سے فرا اس لوح کی تحریر کچھ

مدِ عاتیر اگر دُنبیا میں تیرے تسلیم میں
ترکِ دُنبیا قوم کو اپنی نہ سکھانا کہیں
وانہ کرنا فرستہ بندگی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامہِ محشر ہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تیری تحریر سے
دیکھ لو کوئی دل نہ دکھ جاتے تری تحریر سے

محفلِ نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ

زنگِ پر جواب نہ آئیں اُن فسانوں کو نہ چھیڑ

تو اگر کوئی بدتر ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری دستِ اربابِ سیاست کا عصا
عرضِ مطلب کے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

بندہ مومن کا دل بیم و یاس سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

ہوا کر ہاتھوں میں تیرے خانہ معجز قسم شیشہ دل ہوا کرتیرا مثالِ جامِ بسم
پاک رکھ اپنی زبان تلہیہِ رحمانی ہے تو ہونہ جانے بکھینتا تیری صدا بے آبرو
سونے والوں کو جگائے شعر کے اعجاز سے
خرمنِ باطل جلائے شعلہ آواز سے

ماہِ نو

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقابِ نیل ایک ٹکڑا تیرا پھرتا ہے رُوئے آبِ نیل
طشتِ لڑوؤں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب نشرِ قدرت کے لیا کھولی ہے فصہِ آفتاب
چرخ نے بالی خیرالی ہے عروسِ شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے غیم کی
قافہ تیرا واں بے منتِ بانگِ درا گوشِ انساں سن نہیں سکتا تری آوازِ پرا
گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو ہے وطن تیرا کہ صحرائیں کس کو جاتا ہے تو

ساتھ اے سیارہ ثابت نما لے چل مجھے خارِ حسرت کی خلش رکھتی ہے ایسے کل مجھے

نور کا طالب چوں گھبرا تا ہوں اس بستی میں میں

طفلیک سیلاب پا ہوں مکتبِ بستی میں میں

انسان اور بریم قدرت

صبحِ خورشیدِ خشاں کو جو دیکھا میں نے بریمِ معمورہ بستی سے یہ پوچھا میں نے

پرتو مہر کے دم سے ہے اجالہ تیرا سیمِ سیال ہے پانی تے دریاؤں کا

مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے

گل و گلزار تے حسد کی تصویریں ہیں یہ بھی سورہٴ دانش کی تفسیریں ہیں

سرخ پوشاک ہے پھولوں کی دختوں کی ہری تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری

ہے ترخیمہ کفوں کی طبعاتی جہاز بدلیاں لال سی آتی ہیں اُفق پر چٹانہ

کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی مے گلزارِ خمِ شام میں تو نے ڈالی

رتبہ تیرا ہے بڑا نشان بڑی تہیہ سیری پردہٴ نور میں ستور ہے ہر شے تیری

صبحِ اک گیت سراپا ہے تری سطوت کا زیرِ خورشیدِ نشان تک بھی نہیں ظلمت کا

میں بھی آباد ہوں اس نور کی بستی میں مگر جل کیا پھر مری تعسیر کا اختر کنوئل؟

نور سے نور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں

کیوں سیہ روز سیہ بخت سیہ کار ہوں میں؟

میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی باہم کروں سے ویسا صحن میں سے آئی

ہے تے نور سے ابستہ مری بود و بود باغباں ہے تری ہستی ہے گلزار چو

انجمن حسن کی ہے تری تصویر ہوں میں عشق کا تو ہے صحیفہ تری تفسیر ہوں میں

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے بار جو مجھ سے اٹھا وہ اٹھا یا تو نے

نور خورشید کی محتاج ہے ہستی میری اور بے منت خورشید چمک ہے تیری

ہو نہ خورشید تو ویراں چو گلستاں میرا منزل عیش کی جا نام ہو زنداں میرا

اے اے از عیاں کے نہ سمجھنے والے حلفت در ام تمست میں الجھنے والے

ہے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابند مجاز نازیب تھا تجھے تو ہے مگر گرم نیاز

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار ہے

نہ سیہ روز ہے پھر نہ سیہ کار ہے



پیامِ صبح

(ماخوذ از لانگ فیلو)

اُجالا جب تجھ اِ رخصتِ جبینِ شب کی افشاں کا
 نسیمِ زندہ کی سپِ ملامنی صبحِ خنداں کا
 جگمگایا بیلِ رنگیں نوا کو آشیانی میں
 کناکے کھیت کے شانہ پلایا اُس نے دھتیاں کا
 طہیمِ طہمتِ شبِ سورہ والٹور سے توڑا
 اندھیرے میں اڑایا تاجِ زرِ شمعِ شبستاں کا
 پڑھا خواہیہ گدینِ فریرِ افسونِ بیداری
 برہن کو دیا سپِ مِ خورشیدِ خشاں کا
 ہونئی بامِ صرم پر اُکے یوں گویا موتوں سے
 نہیں کھٹکا ترے ٹل میں نمودِ مہرِ تاباں کا
 پیکاری اس طرح دیا کھٹشنِ کھٹسے ہو کر
 چٹک اغنچِ گُلِ اُتو موتوں سے کھٹساں کا
 دیا یہ حکم صحر میں چلو اے قافلے والو
 چلنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہ بیاباں کا
 سوئے کو رِ غریباں جب لہتی زندوں کی سستی
 تو یوں بولی لطفِ ارہ دیکھ کر شہرِ خموشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں بھر بھی آؤں گی
 سلا دوں گی جہاں خواہے تم کو جگنو کی



۸۸
 بانگِ درا
 ۷۲

عشق اور موت

(ماخوذ از مثنوی سن)

سُہانی نمودِ جہاں کی گھڑی تھی تبسمِ فشاں زندگی کی کلی تھی
کہیں سر کو تاجِ زرِ بل رہا تھا عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
بسیہ پیرِ جن شام کو دے رہے تھے ستاروں کو تعلیمِ تابندگی تھی
کہیں شاخِ ہستی کو گلتے تھے پتے کہیں زندگی کی کلی پھوٹی تھی
فرشتے بسکھاتے تھے شبنم کو رونا ہنسی گل کو پہلے پہل آرہی تھی
عطا دروہوتا تھا شاعر کے دل کو خودی تشنہ کام سے بے خودی تھی
اُٹھی اول اول گھٹا کالی کالی کوئی حورِ چوٹی کو کھولے گھڑی تھی

زمین کو تھا دعویٰ کہ میں آسمان ہوں

سکھان کہہ رہا تھا کہ میں لامکان ہوں

غرض اس قدرِ نطفہ تھاپیارا کہ نطفہ لگی ہو سدا پانٹارا
ملک آزماتے تھے پرواز اپنی جبینوں سے نورِ ازل آشکارا

فرشتہ تھا اک عشق تھا نام جس کا
 فرشتہ کہ پتا تھا بے تابوں کا
 لیے سیر فروس کو جا رہا تھا
 یہ پوچھا ترا نام کیا، کام کیا ہے
 ہوا سن کے گویا قضا کا فرشتہ
 اڑاتی ہوں میں رخت ہستی کے پرزے
 مری آنکھ میں جاوے نیستی ہے
 مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
 شر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں
 شکلی ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو
 سنی عشق نے گفتگو جب قضا کی
 گرمی اس متبسم کی بجلی اسل پر
 کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا
 ملک کا ملک اور پارے کا پارا
 قضا سے بلا راہ میں وہ قضا را
 نہیں آنکھ کو دید تیری گوارا
 اجل ہوں مرا کام ہے آشکارا
 بچھاتی ہوں میں زندگی کا شرارا
 پیام فنا ہے اسی کا اشارا
 وہ آتش ہے میں سامنے اس کے پارا
 وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تارا
 وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا
 ہنسی اس کے لب پر ہوئی آشکارا
 اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا

بے ت کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ
 قضا تھی شکار قضا ہو گئی وہ

زہد اور رندی

اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی
شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منشی کا
کہتے تھے کہ پہاں ہے تصوف میں شریعت
لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی
کہتے تھے بیاں آپ کلمات کا اپنی
مدت سے ہا کہتے تھے ہمسائے میں میرے
حضرت کے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
پابندی احکام شریعت میں ہے کیسا؟
سناتا ہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا
ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی فرسا
سمجھتا ہے کہ ہے رال عبادات میں خل
کچھ عار اسے حسن فروشوں سے نہیں ہے

تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی
کہتے تھے اوبان کا اعلیٰ و ادانی
جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں سانی
تھی تہ میں کہیں دور خیال ہر دانی
منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑھانی
تھی رند سے زاہد کی ملاقات پرانی
اقبال کہ ہے شمری شمشاد معانی
گو شعر میں ہے رشک کلیم ہدانی
ہے ایسا عقیدہ اثر فلسفہ دانی
تفصیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی
مقصود ہے مذہب کی مگر خاک اڑانی
عادت یہ ہمارے شعرا کی ہے پرانی

گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت
 لیکن یہ سنا اپنے مریدوں کے ہے میں نے
 مجموعہ اصداد ہے اقبال نہیں ہے
 رندی سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف
 اس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کھلتی
 القصد بہت طول دیا وعظ کو اپنے
 اس شہر میں جو بات ہو اڑ جاتی ہے سب
 اک دن جو سرد راہ ملے حضرت زاہد
 فرمایا شکایت وہ محبت کے سبب تھی
 میں نے یہ کہا کوئی کلمہ مجھ کو نہیں ہے
 خم ہے تسلیم مرا آپ کے آگے
 گرا آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
 میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
 مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبال کو دیکھوں

اس منزل کے اب تک نہ کھلے ہم یہ معانی
 بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی
 دل و فکر حکمت ہے طبیعت خفقتانی
 پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی
 ہو گا یہ کسی اور ہی اسلام کا بانی
 تا دیر رہی آپ کی یہ نغز بیانی
 میں نے بھی سنی اپنے اجا کی زبانی
 پھر چھپر گئی باتوں میں وہی بات پرانی
 تھا فرض مراد شریعت کی دلکھانی
 یہ آپ کا حق تھا زور و قرب مکانی
 پیری ہے تو وضع کے سبب میری جوانی
 پیدا نہیں کچھ اس سے قصور ہر دانی
 گہرا ہے مرے بھر خیالات کا پانی
 کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانہ

اقبال بھی قہرِ سال سے گاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تسخّر نہیں اللہ نہیں ہے

شاعر

قوم کو یا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ صنعت کے پیا ہیں دستِ پائے قوم
محفلِ نظمِ حکومت چہ قریب ہے قوم
شاعرِ زندیں نوا ہے ویدہٴ سینائے قوم

بتلاتے درو کوئی عضو ہو توئی ہے انکھ

کس قدر ہمدِ دسارے جسم کی ہوتی ہے انکھ

دل

قصہٴ دار و رسن بازی طعنِ لائے دل
یارب اس سانغرِ لبریزی کے کیا ہوگی
ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بلی یارب
حسن کا گنج گراں مایہ تجھے مل جاتا
الہجائے ارنی سُنجی افسانہٴ دل
جادو ملکِ بخت ہے خطِ پیانہٴ دل
جل گئی مزرعِ ہستی تو اُگا دانہٴ دل
تو نے سنہرا دانہ لھو اکبھی ویرانہٴ دل
عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الہی امر کا شائد دل

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سوا اپنا
 دل کسی اور کا دیوانہ ، میں دیوانہ دل
 تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو
 رشکِ صمدِ سجدہ ہے اک لغزشِ مستانہ دل
 خال کے ڈھیر کو اسیر بنا دیتی ہے
 وہ اثر رکھتی ہے خاکِ سترِ پُرِ آنہ دل
 عشق کے دم میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
 برق لگتی ہے تو یہ نخل ہر ہوتا ہے

موج دریا

مضطرب کھتا ہے میرا دل بے تاب مجھے
 عینِ پستی ہے تڑپِ صورتِ سیاب مجھے
 موج ہے نام مرا، بھر ہے پیاب مجھے
 ہونہ زنجیر کبھی سلتا کرواب مجھے

اب میں شل ہوا جاتا ہے تو سن میرا

خارِ ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا

میں اچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
 جوش میں سر کو شگفتی ہوں کبھی ساحل سے
 ہوں وہ رہر کہ محبت ہے مجھے منزل سے
 کیوں تڑپتی ہوں یہ ٹوچھے کوئی میرے دل سے

زحمتِ تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں

وسعتِ بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں میں

منخصت اے بزمِ جہاں!

(ماخوذ از ایرسن)

منخصت اے بزمِ جہاں! سُوتے وطن جاتا ہوں
 آہ! اس آبادی کے میں گھبراہٹوں میں
 بکد میں افسردہ دل ہوں درخوہِ نسل نہیں
 تو سرے قابل نہیں ہے میں ترے قابل نہیں
 قید ہے دربارِ سلطانِ شہستانِ نیر
 تو ٹکر نکلتے گا زنجیرِ طلائی کا اسیر
 گو بڑی لذت تیری ہنسکا مر آرائی میں ہے
 اجنبیت سی مگر تیری شناسائی میں ہے
 مد توں تیرے خجے و آراؤں سے ہم صحبت ہا
 مد توں بیٹھا ترے ہنسکا مرِ عشرت میں
 مد توں ٹھونڈا کیا نطسارہ گلِ خفا میں
 مد توں روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں
 چشمِ حیران ٹھونڈتی اب اور نظارے کو ہے
 آہ! وہ یوسف نہ ہا تمہ آیتِ بے بازار میں
 آرزو سال کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے
 چھوڑ کر مانند بوترِ اسپن جاتا ہوں میں

منخصت اے بزمِ جہاں! سُوتے وطن جاتا ہوں میں

منخصت اے بزمِ جہاں! سُوتے وطن جاتا ہوں میں

گھر بنایا ہے سکونتِ دہن کھسار میں
 آہ! یہ لذت کہاں موسیقیِ گفتار میں

ہم شہینِ گس شہلا، رستِ گل ہوں میں ہے چمن میرا وطن، ہمسایہِ مہبل ہوں میں
شام کو آوازِ چشموں کی سلاتی ہے مجھے صبحِ فرشِ سبزے کو گل جگاتی ہے مجھے

ہم ہستی میں ہے سب کو محفلِ آرائی پسند

ہے دلِ شاعر کو بس کُنجِ تنہائی پسند

ہے جنوں مجھ کو کہ گھبراتا ہوں آنا دہی میں ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس غم کو وہ کی دہی میں؟

شوقِ کس کا سبزہ آروں میں پھرتا ہے مجھے اور چشموں کے کناروں پر سلاتا ہے مجھے؟

طعنہ زن ہے تو کہ شیدا کُنجِ عزلت کا ہوں میں دیکھ اے غافل! پیامی ہر دم قدرت کا ہوں میں

ہم وطنِ ششاد کا قمری کامیں ہم از ہوں اس چمن کی خامشی میں گوشِ برآواز ہوں

کچھ جو سنتا ہوں تو آوروں کو سنائے کئے لیے دیکھتا ہوں کچھ تو آوروں کو دکھانے کئے لیے

عاشقِ عزلت ہے دلِ نازان میں اپنے گھر میں خند زن ہوں سندِ آراؤں سکندریہ میں

لیٹنا زرخیز رکھتا ہے چارو کا اثر شام کے تاریے چب پڑتی ہو وہ کہ نظر

علم کے حیرت کدے میں کجاں اس کی نو

گل کی تپتی میٹھنہ آتا ہے از ہست بو



طفل شیرخوار

میں نے چاہا تو تجھ سے چھین لے تو چلا آیا ہے تو مہربان ہوں میں مجھے نامہربان سمجھا ہے تو

پھر بڑا روتے گا اے نوار و استغیم غم چھ نہ جائے دیکھنا ابار کیا ہے نول تسلیم

آہ! کیوں دیکھنے والی شے سے تجھ کو پیسا ہے

کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

گیند تیرے سیری کہاں چینی کی بلی ہے کدھر؟ وہ ذرا سا جانور ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر

تیرا آئینہ تھا آزاد و غبار آرزو آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شہر آرزو

ہاتھ کی جنبش میں سر وید میں پوشیدہ ہے تیری صہوت آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے

زندگانی ہے تری آزاد و قید استیاء

تیری آنکھوں پر پویدا ہے مگر قدرت کا راز

جب کسی شے پر بڑا کر مجھ سے چلا آیا ہے تو کیا مٹا سکا ہے رومی کاغذ سے من جاتا ہے تو

آہ! اس عاوت میں ہم آہنگ ہیں میں بھی تھا تو تلوں آشنا، میں بھی تلوں آشنا

عارضی لذت کا شیدا تھی ہوں چلا تا ہوں یہ جلد آجاتا ہے غصہ جلد من جاتا ہوں میں

میری آنکھوں کو ابھالیتا ہے حسنِ ظاہری کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری
تیری صورت گاہ گریبان کا خنداں میں بھی ہوا
دیکھنے کو نوجوان ہوں طفلِ نادان میں بھی ہوا

تصویر درد

نہیں منت کش تاشِ نیندِ استاں مری
یہ دستورِ بانِ بندی ہے کیسا تیری محفل میں
خوشیِ نفست کو ہے بے بانی ہے بانِ مری
اٹھائے کچھ رقیق لالے نے کچھ زرخیز کچھ گل نے
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے بانِ مری
اڑا لی قمریوں کے جلوہ گیسوئے ہمنہ سبوں نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے دوستاں مری
نیک شمعِ آسویں کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا چوڑی حشر بھری ہے دوستاں مری
الہی پھر کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیاتِ جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں مری
مرادِ مانہیں و نہ ہے یہاں فکرتاں کا
وہ گل ہوں غمناں گل کی ہے بو یا خزاں مری

”دیں حسرتِ سرا عمرِ ستِ افسونِ جبرائیلِ م

ز فیضِ دلِ سپیدِ نہا خرویشِ بے نفسِ دارم“

ریاضِ ہرینِ نا آشنائے بزمِ عشرت ہو
 نوشی روتی ہے جس کو ہمیں محرومِ مسرت ہو
 مری بڑی ہوئی تفتید کو روتی ہے گویائی
 پریشانوں میں شستِ خال لیکن کچھ نہیں کھلتا
 یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصدِ قدرت کا
 خزانہ ہوں چھپایا مجھ کو شستِ خالِ صحرانے
 نظر میری نہیں ممنون سیرِ عرصہ ہستی
 نہ صہبا ہوں ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانے
 میں اس خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہو
 میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ اپنی ولایت ہو

مجھے از دوعالمِ دل کا آئینہ دکھاتا ہے
 وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانیوں میں
 اثر یہ بھی ہے کہ میرے جنونِ فتنہ سامان کا
 رُلاتا ہے نظارہ اے ہندوستان! مجھ کو
 دیارِ فنا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
 نشانِ گلِ تلک تک بھی نہ چھو اس باغِ گلچیں
 کہ بامِ عرش کے طائر ہیں کیسے ہم بانوں میں
 مرا آئینہ دل ہے قصاکے رازوانوں میں
 کہ عبرتِ خیر ہے ہر افسانہ سببانوں میں
 لکھا کلامِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
 ترمی قسمت سے نرم آریاں ہیں باغبانوں میں

چھپا کر استیں نہیں بکلیاں رکھی ہیں گروں نے
 سُن اے غافل صدا میری یہ سی چیز جس کو
 وطن کی فکر کرنا وہاں مصیبت آنے والی ہے
 ذرا دیکھ اس کو کچھ پورہا ہے ہونے والے
 یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فرماو سید اگر
 نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
 عنادِ باغ کے غافل نہ بٹھیں آشیانوں میں
 وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
 تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
 دھڑکیا ہے بھلا احمد کُن کی دستانوں میں
 زمین پر تو ہوا و تیری صدا ہو آسمانوں میں
 تمھاری استان تک پہنچتی ہو کئی استانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے

جو ہے اہل میں کام زن محبوبِ فطرت ہے

ہو یا آج اپنے جسم نہاں کر کے چھوڑوں گا
 جلد نام ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوز نہاں سے
 لہو رو کے محفل کو گھٹاں کر کے چھوڑوں گا
 تری تاریک اتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
 چمن میں مٹتِ خال اپنی پشایں کر کے چھوڑوں گا
 چرخِ شکل ہے تو اس شکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا
 کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
 تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
 ہو یا آج اپنے جسم نہاں کر کے چھوڑوں گا
 جلد نام ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوز نہاں سے
 لہو رو کے محفل کو گھٹاں کر کے چھوڑوں گا
 تری تاریک اتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
 چمن میں مٹتِ خال اپنی پشایں کر کے چھوڑوں گا
 چرخِ شکل ہے تو اس شکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا
 کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
 تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

جو ہے پروں میں سناں چشم بنیادیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفت کی لذت کے ذل کو آتش تونے
گزار می عمر پستی میں مثال نقش بر آتھ تونے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آتش تونے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی آواز پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی آواز تونے
تعبیب چھوڑنا دانا دھیر کے آئینہ خانہ میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تونے
سر اپنا لے بیاد و سوز زندگی ہو جا
سپند آسا لہرہ میں ماند کھتی ہے صدا تونے
صفائے دل کو کیا آتش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر ماندھی ہے او ناداں جنا تونے
زمین کیا آسماں بھی تیری کج بینی پر دتا ہے
غضب ہے سطر قرار کو چلیں پا کر دیا تونے
زباں سے لکھ لیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا حنا تونے
کنوئیں میں تونے یوسف کو دیکھا بھی تو کیا بھیا
ارے غافل! جو مطلق تھا حقیت کدو دیا تونے

ہوس مالے منبر ہے تجھے رنجین بیانی کی
نصیحت بھی تیری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی

دلکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نرم کو
جو ٹرپا ہے پرانے کوڑاواتا ہے شبنم کو

نرا نظارہ سی ہے بوالہوس مقصد نہیں کلا
 اگر دیکھا بھی اُس نے سائے عالم کو تو کیا بھیا
 شجر ہے فرقہ آرائی، تھکتے ہیں سراسر کا
 نہ اٹھا جذبہ خوشی کے الکل گل تک بھی
 بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
 نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
 یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
 یہ رفعت کی تہ ہے کہ لے اُڑتی ہے شبنم کو
 یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
 پھر کرتے نہیں مجروح الفت فکر دریاں میں

محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے

ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

دوا پر دُکھ کی ہے مجب سرج تیغ اُردو رہنا
 شراب کے خودی سے تافک پوز ہے میری
 علاج زخم ہے آزاد احسان فورہنا
 شکست رنگ سے کھاتے ہیں بن کے نورہنا
 تھے کیا دیدہ لکریاں وطن کی نو خوانی میں
 بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر اشیاں اپنا
 جو توبہ سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
 یہ استغنائے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو
 غلامی ہے اسیر استیاز ماو تو رہنا
 تجھے بھی چلیے شل جابا بھورہنا
 اگر منظور ہے دنیا میں اور یگانہ خورہنا
 نہ رہ اپنوں سے بے پروا، اسی میں خیر ہے تیری

شرابِ پُوح پڑے محبتِ نوعِ انساں کی سکھایا اس نے مجھ کو مستِ جام و سبور ہنا

محبت ہی پائی ہے شفا بیمار قوموں نے

کیلے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

بیابانِ محبت وشتِ غربت بھی وطن بھی ہے یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبت ہی منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی جس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرضِ ایسا چھپا جس میں علاج گردشِ صرخ کُن بھی ہے

جلانا دل کل ہے گویا سہرا پانور ہو جانا یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے

وہی اک حُسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی، کوہن بھی ہے

اجازت ہے تمیزِ ملت و امتیں نے قوموں کو سے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے

سکوتِ آموزِ طولِ استانِ درو ہے ورنہ زباں بھی ہے سہارے منہ میں اورتابِ سخن بھی ہے

”نیکروید کہ تہِ رشتہ معنی رہا کروم

حکایتِ بووبے پایاں بخاموشی اوا کروم“



۱۰۳
بانگِ درا
۸۷

نالہ فراق

(آرنلڈ کی یاد میں)

جاسا مغرب میں آفرائے نکاتیں کہیں آہ! بشرق کی پسند آتی نہ اس کو سہ نہیں
آگیا آج اس صداقت کا مے دل کو یقین غلط شب کے ضیائے روزِ فرقت کم نہیں

”مازا عوش و عیش و اشغیل حیرت چیدہ است

ہیچو شمع کُشتہ چرخِ شمع نگاہِ بیدہ است“

گُشتہ غزلت ہوں آبادی میں گھبراتا ہوں میں شہرے سو داکِ شدت میں کل جاتا ہوں میں
یادِ ایامِ سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں بہرِ تسکین تیری جانب بڑھتا آتا ہوں میں

آکھ گومانوس ہے تیرے درو دیوار سے

جنبت ہے مگر پیدامریٰ فقاہ سے

وزہ میرے دل کا غوشید آتشا ہونے کو تھا آئینہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا
نخلِ میری آرزوؤں کا ہر اہونے کو تھا آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

ابرِ رحمت و امن از گلزارِ سن برچید و رفت

اندکے غنچہ پلے آرزو بارید و رفت

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذرۂ سیناے علم تھی تری موجِ نفسِ باوِ نشاطِ افزائے علم
اب کہاں وہ شوقِ رہِ پیمائیِ صحرائے علم تیرے دم سے تھا سارے سر میں بھی سوائے علم
”شورِ سیلی کو کہ باز آرایشِ سودا کند

خالِ محسنوںِ اغبارِ خاطرِ صحرائے کاند

کھول دے گا دشتِ حشتِ عقدہ تقدیر کو توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو
دیکھتا ہے دیدہ حیراں تری تصویر کو کیا تسلی ہو مگر دیدہ نصیر کو
”تابِ گویائی نہیں رکھتا دہنِ تصویر کا

خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخنِ تصویر کا

چاند

میرے ویرانے سے کوسوں دور ہے تیرا وطن ہے مگر دریائے دل تیری کشش سے مجھ جن
قصہ کس محفل کا ہے آتا ہے کس محفل سے؟ زور و روشاید ہوا رنجِ رہِ منزل سے تو
افرنیش میں سراپا نور تو ٹھکتا ہوں میں اس سحر و زمی پسین تیرا ہم قسمت ہوں میں
آہ! میں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دیدے تو سراپا سوزِ داغِ منتِ خورشید سے

ایک حلقے پر اکوت نام ترمی فتا ہے
 زندگی کی وہ میں گزراں ہے تو حیران میں
 میں منزل میں تیرا تو بھی منزل میں ہے
 تو طلب خوب ہے تو میرا بھی یہی دستور ہے
 انجمن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں
 مہر کا پرتو ترے حق میں ہے پیغام اجل
 پھر بھی اے باہر بسین میں رہوں تو اور ہے
 گرجہ میں ظلمت سراپا ہوں سراپا نور تو
 میری گردش بھی شال گردش بچ کا ہے
 تو فروزاں محفل سستی میں ہے سواناں میں
 تیری محفل میں جی خاموشی ہے کیسے دل میں ہے
 چاندنی ہے نور تیرا عشق میرا نور ہے
 بزم میں اپنی اگر لیتا ہے تو تنہا ہوں میں
 محو کر دیتا ہے مجھ کو جلوہ حسن ازل
 درد جس پہلو میں اٹھتا ہو وہ پہلو اور ہے
 سیکڑوں منزل ہے ذوق اگلی سے تو تو

جو میری سستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
 یہ چمک ہے جس میں جس گتری محروم ہے

بلالؓ

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدس کا
 چش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
 نہونی اسی سے ترے غم کہے کی آبادی
 ترمی غلامی کے صدقے ہزار آزادی

وہ آستان چھٹا تجھے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مرنے ستم کے لیے

جنا جو عشق میں جاتی ہے دھبنا ہی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورتِ سلمانِ ادا شناس تری شراب پیسے بڑھتی تھی اور پیاس تری

تجھے نظارے کا شلِ کلیم سودا بھتا اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید ٹھنک دے کہ پیسے دے نیا ساید

گرمی وہ برق تری جانِ ناشکیبا پر کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰ پر

تپش ز شعلہ گرفتند بڑل تو روند

چہ برقِ جلوہ بخاشاکِ حاصل تو روند

ادائے دیدہ اپنا تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اواں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نکلے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ شربِ مقام تھا اس کا

خوشا وہ دور کہ دیدارِ عام تھا اس کا

سرگزشت دوم

مٹنے کوئی مری غربت کی استاں مجھ سے
 لگی نہ میری طبیعت ریاضِ حُت میں
 رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
 ملا مزاجِ تغیر پسند کچھ ایسا
 نکالا کبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
 کبھی میں ذوقِ نظم میں طور پر پہنچا
 کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
 کبھی میں غارِ حیرت میں چھپا رہا برسوں
 سنایا ہند میں اکبر و دربارانی
 دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
 بنایا دُروں کی ترکیب سے کبھی عالم
 لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو
 بھلایا قصۂ پیمانِ اولیں میں نے
 پیاشو رکا جب جامِ آشیں میں نے
 دکھایا اوجِ خیالِ فلکِ شیں میں نے
 کیا تہِ راز نہ زیرِ فلکِ کس میں نے
 کبھی بتوں کو بنایا حرمِ شیں میں نے
 چھپایا نورِ ازل زیرِ استیں میں نے
 کیا فلک کو سفرِ چھوڑ کر زمیں میں نے
 دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے
 پسند کی کبھی یوناں کی سرزمیں میں نے
 بسایا خطۂ جاپانِ ملکِ چیں میں نے
 خلافِ معنی تسلیم ایل دیں میں نے
 جہاں میں چھڑکے پیکارِ عقل دیں میں نے

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
 ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
 کشش کا راز ہویدا لیا زمانے پر
 کیا اسیر شعاعوں کو برق مضطر کو
 گمراہ نہ ملی آہ! راز ہستی کی
 کیا حسد سے جہاں کو تہ نگیں میں نے
 انھی سال میں آئیں گزار دیں میں نے
 سکھایا سدا گدوش زمین میں نے
 لگا کے آتش عقل و ورہیں میں نے
 بنا دو غمتیہ جنت یہ سرزمین میں نے
 کیا حسد سے جہاں کو تہ نگیں میں نے

ہوتی جو چشمِ مظاہر پرست و آخر
 تو پایا خانہ دل میں اُسے مکیں میں نے

ترانہ ہندی

سارے جہاں سے اچھا پسندوستان ہمارا
 غربت میں تیں اگر ہم رہتا ہے وطن میں
 پریت وہ سبے اونچا پسندوستان ہمارا
 گووی میں کھلتی ہیں اس کی ہزاروں نیل
 اے آپ ونگا اوہ دن ہیں یاد تجھ کو؟
 ہم غلبیدیں ہیں اس کی یہ ہستیاں ہمارا
 سمجھو وہ ہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
 وہ سنتری ہمارا، وہ پاسبان ہمارا
 گلشنِ بہار کے دم سے شک جہاں ہمارا
 اتر اترے کنا سے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں رکھتا آپس میں بیکرکھنا
 ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
 یونان مصر و ماسب مٹ گئے جہاں کے
 اب تک مگر ہے باقی نام و نشان ہمارا
 کچھ بات ہے کہ ہستی مٹی نہیں ہماری
 صدیوں ہا ہے دشمن و دروہاں ہمارا

اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
 معلوم کیے کسی کو دروہاں ہمارا

جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانہ چمن میں
 یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
 آیا ہے آسمان سے اڑ کر کوئی ستارہ
 یا جان پڑ گئی ہے ہستاب کی کرن میں
 یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
 غربت میں آ کے چمکا گناہ تھا وطن میں
 تلمکہ کوئی گرا ہے ہستاب کی قبا کا
 ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں
 حُسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
 لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں
 چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
 نکلا کبھی کہن سے آیا کبھی کہن میں

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا

وہ روشنی کا طالب یہ روشنی سراپا

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
 پروانے کو تپش دی، جگنو کو روشنی دی
 رنگیں نو ابنا یا معرفت اپنے زبان کو
 گل کو زبان دے کر تسلیم خامشی دی
 نظارہ حسن کی خوبی زوال میں تھی
 چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی ندی دی
 رنگیں کیا سحر کو بانگی دھن کی صورت
 پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی
 سایہ دیا شخص کو، پرواز دی ہو کو
 پانی کو دی روانی، موجوں کو بے کلی دی

یہ استیاز لیکن اک بات ہے ہماری

جگنو کا دن ہی ہے جو رات ہے ہماری

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھپک ہے
 انساں میں وہ سخن ہے غنچے میں چپک ہے
 یہ چاند آسمان کا شاعر کا دل ہے لویا
 واں چاندنی ہے جو کچھ بیاں درد کی لک ہے
 انداز گفتگو نے دھوکے دیے ہیں رنہ
 نغمہ ہے نئے طبل، بو بھول کی چھک ہے
 کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
 جگنو میں جو چپک ہے وہ پھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں سنگاموں کا محل ہو

ہر شے میں جبکہ پنہاں شادی ازل ہو



صبح کا ستارہ

لطفِ ہمایلی شمس و قمر کو چھوڑوں
 اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں
 میرے حق میں تو نہیں ناروں کی بستی اچھی
 اس بندگیِ زمین و آلوں کی بستی اچھی
 آسمان کیا، عدم آباد وطن میرا
 صبح کا دامنِ صہد چاکِ کفن ہے میرا
 میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
 ساقی موت کے ہاتھوں سے صبحی پینا
 نہ یہ خدمت نہ یہ عزت نہ یہ رفعت اچھی
 اس ٹھہری بھر کے چلنے سے تو ظلمت اچھی

میری قدرت میں جو ہوتا تو نہ خست برناتا

قصرِ دریا میں حکمت اپنا گلوں پر نبتا

واں بھی موجوں کی کشائش سے جوں لھیراتا
 چھو کر بج کر کہیں زیبِ گلوں ہو جاتا
 ہے چمکنے میں مزاحِ حسن کا زیور بن کر
 زینتِ تاجِ سرِ بانو سے قصیر بن کر
 ایک پتھر کے جوتلڑے کا نصیباً جاہ
 خاتمِ دستِ سیماں کا نگین بن کر
 ایسی چیزوں کا ملکہ ہر میں کا شکست
 ہے لہر ہائے گراں مایہ کا انجام شکست
 زندگی وہ ہے کہ جو ہونہ شناسائے اجل
 کیا وہ جیسا ہے کہ جو جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ نخبِ سامِ الرزینتِ عالمِ ہول

کیوں نہ لڑ جاؤں کسی بھولِ شبنمِ ہول

کسی پیشانی کے افشاںِ ستاروں میں
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں

اشکِ بن کر مژگاہِ شکِ جاؤں میں
کیوں نہ اُنسو کی آنکھوں کے ٹپکِ جاؤں میں

جس کا شوہرِ رواں ہو کے زہرِ میں ستور
سوائے میدانِ عتِ اُبتِ وطن سے مجبور

یاسِ اُمید کا نطفہ جو دکھلاتی ہو
جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کو شوہر کی ضربِ تابِ شکیبائی سے
اور نگاہوں کو حیا طاقِ گویائی سے

زر و نصرت کی گھڑی عارضِ ظلموں پر جاتے
کششِ حسنِ عینِ حیرتِ افروز ہو جاتے

لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں
غیرِ دینِ پرہیز سے چھلک ہی جاؤں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں

عشق کا سوزِ زمانے کو دکھاتا جاؤں

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتیؔ نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدتِ گائیٹ گایا

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا جس نے حجازیوں سے شتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے یہ سران کر دیا تھا سائے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا

مشرقی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا ترکوں کا جس نے ان سرور سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جوتارے فارس کے آسمان سے پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کمکشاں سے

وہ کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکان سے میرے رب کی آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پرست جہاں کھینا نوح نبی کا اگر ٹھہرا جہاں سفینا

رفت ہے جس زمیں کی نامِ فلک کا زینا جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

سیا سوال

سچ کہہ دوں اے برہمن اگر تو برا نہ مانے تیرے صنم کہوں کجبت ہو گئے پرانے

اپنوں سے بے سیر رکھنا تو نے بتوں سے کیا
جنگِ جدل سکھایا واعظ کو بھی خدانے
تنگ آکے میں نے آخرِ دیر جسم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوٹے ترے فسانے

پتھر کی نور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

ابغیر سیت کے پڑے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ شوق کی مٹا دیں
سوئی پڑی ہوئی ہے مدد سے دل کی بستی
آہ اک نیا سوال اس دس میں بنا دیں
دنیا کے تیر تھوں سے اونچا ہو اپنا تیر
دامانِ آسمان سے اس کا کفس ملا دیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سائے پُجاریوں کو مے پیت کی ملا دیں

شکستِ بھی شانتی بھی جھکتوں کے گیت ہیں

دھرتی کے باسیوں کی نکستی پریت ہیں

دِاع

عظمتِ غالب ہے اک مذت سے پیوند زمیں
مہدی مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکین
توڑ ڈالی ہوئے غربت میں سینے آہ
چشمِ محفل میں اب تک کیفِ صبا ہے آہ

آج لیکن ہمنوا بسا را چمن باتم میں ہے شمع روشن کچھ لہی بزم سخن باتم میں ہے
بہل دلی نے باندھا اس چمن میں شیا ہم نوا ہیں عجب دل مانع ہستی کے جہاں

چل بسا دغ آہ بہت اس کی زیوش ہے

آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

اب کہاں وہ بانگین وہ شوخی طریریاں آگ تھی کا نور پسری میں جوانی کی نہاں
تھی زبان دغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے لیلی معنی ہاں بے پردہ یاں محسوس میں ہے
اب بسا کے کون چھپے کا سکوت گل کارا کون سمجھے کا چمن میں نالہ بہل کارا

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پروازیں

اسکھٹے سحر کی نشین پر رہی پرواز میں

اور دکھلائیں گے مضمون کی بہین باریکیاں اپنے فکر نکستہ آرا کی فلک پیمائیاں
تلخی دوراں کے نقشے کھینچ کر لہرائیں گے یا تختیل کی نئی دنیا ہمیں دکھلائیں گے
اس چمن میں جس کے پیدا بہل شیراز بھی سیکڑوں ساحر بھی جس کے صاحبِ عجاز بھی
اٹھیں گے آرزو ہزاروں شعر کے بُت خانے سے مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے
بلکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت ہوں گی لے لے اب جانی اتیری تعبیریں بہت

ہو ہو کھینچے گالی سکن عشق کی تصویر کو نہ

اٹھ کیا ماکوں گسٹن مارے گا دل پر تیر کو نہ

اشک کے دانے زمین شعر میں بوتا ہوں میں تو بھی رولے خاک کی داغ کو روتا ہوں میں

اے جہان آباد اے سرمایہ بزم سخن! ہو گیا پھر آج پامال خستہ ان تیرا چمن

وہ گل نجس ترا خستہ مثال ہو ہوا او جہاں کی داغ سے کاش نہ اڑو ہوا

تھی نہ شاید کچھ شش ایسی وطن کی خاک میں وہ مسرہ کامل ہو اپنا سن کن کی خاک میں

اٹھ گئے ساقی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا

یادگار بزم دہلی ایک حسالی رہ گیا

ارزو کو خون رزواقی ہے بیداد اصل مارتا ہے تیر تاریکی میں صیاد اصل

کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لیکن رہاں ہے خستہ ان کا رنگ بھی جبر قیام طہستان

ایک ہی قانون عالم گھر کے ہیں سب باڑ

بوتے گل کا باغ گئے گلچیں کا دنیا سے سفر

ابر

اٹھی پھر آج وہ پورے کالی کالی گھٹا سیاہ پوش ہو پھر پٹا سر بن کا

نہاں ہوا جو رخ مہرِ سبزِ دامنِ ابر
 گرج کا شور نہیں ہے خموش ہے یہ گھٹا
 چمن میں حکمِ شاطِ مدام لاتی ہے
 جو پھول مہر کی لہری سے سو چلے تھے اٹھے
 ہوا کے زور سے ابھرا، بڑھا، اڑا بادل
 اٹھی وہ اوجھٹا لہو اب بس ٹپا بادل

عجیب خیال ہے لہار کے نہالوں کا

یہیں قیام ہو وادی میں پھرنے والوں کا

ایک پرندہ اور جنگلو

سرِ شام ایک مرغِ نغمہ پیرا
 چمکتی چیزاں دیکھی زمیں پر
 کہا جنگلو نے او مرغِ نوا ریزا
 تجھے جس نے چمک گل کو مہک دی
 لباسِ نو میں ستور ہوں میں
 کسی ٹہنی پہ بیٹھا گارہ تھا
 اڑا طائر اُسے جنگلو سمجھ کر
 نہ کہ بکس یہ منقارِ ہوس تیز
 اُسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
 پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں

چمک تیری بہشتِ گوشِ اُتر ہے چمک میری بھی فردوسِ نظر ہے
 پڑوں کو میرے قدرے ضیاء دی تجھے اُس نے صدائے دلِ بادی
 ترمی منفِ کار کو گانا سکھایا مجھے گلزار کی شعل بنایا
 چمک بخشی مجھے آوازِ تجھ کو دیا ہے سوزِ مجھ کو، سازِ تجھ کو
 مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز جہاں میں ساز کا ہے ہم شمسِ سوز
 قیامِ بزمِ مستی ہے انھی سے ظہورِ اوج و پستی ہے انھی سے

ہم آہنگی کے محلِ جہاں کی
 اسی کے بہارِ اس بوستان کی

بچہ اور شمع

کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلِ کب پروانہ خوا شمع کے شعلوں کو گھڑیوں کی تیار ہوا ہے تو
 یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے جُھنڈی ہے کیا روشنی کے کیا بغلِ میری ہے تیرا مدعا؟

اس نظارے سے ترانہ تھا سا دلِ حیران ہے

یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر چپان ہے

شمع اک شعلہ ہے لیکن تُو سراپا نو ہے
 آہ! اس محفل میں یہ عُمریاں ہے تُو مستور ہے
 دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عُمریاں کیا
 شجہ کو خال تیرے کے فانوس میں نہاں کیا
 نور تیرا چھپ گیا زیرِ نقابِ الہی
 ہے غبارِ دیدہ بنیا حجابِ الہی

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراہوشی ہے یہ

خوابِ غفلت ہے ہر سرتی سبے ہوشی ہے یہ

محفلِ قدرت کے اک دریائے بے پایانِ حسن
 آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں طوفانِ حسن
 حُسن کو ہستاں کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
 مہر کی ضوِ سترونی شب کی سیہ پوشی میں ہے
 آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے
 شام کی طلعتِ شفق کی گل فروشی میں ہے
 عظمتِ درین کے ٹٹے چمکے آثار میں
 طفلانِ ناشناکی کوششِ لغت میں
 ساکنانِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
 ننھے ننھے طائروں کی اشیاں سازی میں ہے
 چشمہٴ لہسار میں دریا کی آزادی میں حسن
 شہرِ صحرا میں ویرانے میں آبادی میں حسن
 روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوا
 ورنہ اس صحرا میں کون نالاں ہے مثلِ جبرس!

حُسن کے اس عالمِ جلوے میں بھی تَبے تاب ہے

زندگی اس کی مثالِ مایہی ہے آب ہے

کنارِ راوی

سکوتِ شام میں محوِ سرو ہے راوی
 نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیتِ مے دل کی
 پیامِ جد سے کاریہ زیرِ وہم ہوا مجھ کو
 جہاں تمام سوا جو سرم ہوا مجھ کو
 سرِ لہارۂ آبِ رواں کھڑا ہوں میں
 خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں
 شرابِ سُرخ سے رنگیں ہوا ہے ہنِ شام
 لیے ہے پیرِ فلکِ مستِ عرشہ دار میں جام
 عدمِ کوفتِ افلکِ روزِ یسزِ گامِ پدا
 شفق نہیں ہے یہ سوچ کے مچول ہیں لویا
 کھڑے ہیں دورِ عظمتِ فرائے تنہائی
 منارِ خوابِ گدِ شہسوارِ چغتائی
 فسانہٴ ستمِ انقلاب ہے یہ محل
 مقامِ لیا ہے سروِ خموش ہے لویا
 رواں ہے سینہٴ دریا پہ اک سفید تیز
 سبکدوشی میں ہے سیشلِ نگاہِ شستی
 جہازِ زندگیِ اومی رواں ہے یونہی
 ابد کے بھر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی

شکستے کی کبھی آشنا نہیں ہوتا

نظم سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

الحاجۃ مسافر

(بہ درگاہ حضرت محبوب الہیؑ دہلی)

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری فیض عام ہے تیرا
تکے عشق کے تیری شش بہیں قائم
نظام سحر کی صوست نظام ہے تیرا
تری لحد کی یار تے زندگی دل کی
سیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں نگاہ محبوبی
بڑی ہے شان بڑا استرام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زار توام
وگر گشت و چینیم گل بہار توام

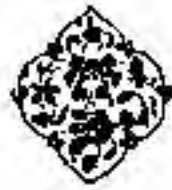
چمن کو چھوٹے نکلا ہوں شل نہت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحرانوں
کیا خدا نے مجھ تلج باغباں مجھ کو
فلان شہیں صفت مہر سوں زمانے میں
تری عیا سے عطا ہوا ہواں مجھ کو
مقام ہم سفر سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے نزل مقصود کاواں مجھ کو

۱۲۲
بانگ درا
۱۰۶

مری بانِ تسلیم سے کسی کا دل نہ دکھے
 کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسمان مجھ کو
 دلوں کو چال کر سے شل شانہ جس کا اثر
 ترمی جناب کے ایسی مٹے غناں مجھ کو
 بنایا تھا جسے چن چن کے خارِ خس میں نے
 چمن میں پھر نظر آئے وہ اشیاں مجھ کو
 پھر آ رکھوں تدم اور وہ چہرے ہیں
 کیا جنھوں نے محبت کا راز دیاں مجھ کو
 وہ شمع بارگہ حنا ندانِ مرتضوی
 ہے کا مثلِ حرم جس کا آستان مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی گلی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ حنا وندِ آسمانِ بزیں
 کمرے پھر اس کی یار سے شادماں مجھ کو
 وہ میرا یوسفِ ثانی وہ شمعِ محسنِ عشق
 جلا کے جس کی محبت نے دفترِ سن تو
 ریاضِ ہر میں مانسہ گل ہے خنداں
 چوائے عیش میں پالا کیسا جواں مجھ کو
 کہ ہے عزیز تر از جانِ وہ جانِ جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے گل کی پھول ہو جائے
 یہ آج سے منسہ قبول ہو جائے



عزلیات



گلزارِ بہت بود نہ بیکانہ وار دیکھ ہے دیکھنے کی پسند سے بار بار دیکھ
 ایسے تُو جہاں میں شالِ شرار دیکھ دم دے نہ جائے ہستی ناپائدار دیکھ
 مانا کہ تیری دیک کے قابل نہیں میں تو نہیں عاشق دیکھ مرا منتظر دیکھ
 کھولی ہنرِ قریب نے آنکھیں تری اگر
 ہرگز لزر میں نقشِ شکر نپائے یار دیکھ



نہ آتے نہیں اس میں تکرار کیا تھی مکر و عد کرتے ہوئے عار کیا تھی
 تمہارے پیامی نے سب را زکھولا خطا اس میں شبے کی سرکار کیا تھی
 بھری بزم میں اپنے عاشق کو مارا تری آنکھ سستی میں شہار کیا تھی!

تامل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد مگر یہ بت طے نہ انکار کیا تھی
کھینچے خود بخود جانب طور موسیٰ کشش تیری اے شوق دیدار کیا تھی!

کہیں ذکر رہتا ہے قبال تیرا
فسوں تھا کوئی تیری گُفتار کیا تھی



عجب اعظم کی دین داری ہے یارب! عداوت ہے اسے سارے جہاں سے
کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انسان کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے
وہیں سے رات کو ظلمت ملی ہے چمکتا ہے نے پانی ہے جہاں سے
ہم اپنی دروسندی کا فسانہ سُنا کرتے ہیں اپنے راز و اس سے

بڑی باریک ہیں اعظم کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازِ اذان سے



لاؤں وہ تنگے کہیں سے آشیانے کے لیے بجلیاں بیتاب ہوں حجب کو جلانے کے لیے
وائے ناکامی فلاںے تاک کر توڑا اُسے میں نے جس ڈال کو تاڑا آشیانے کے لیے

آنکھ مل جاتی ہے ہفتاد و دو تکتے تری
 ایک پیمانہ ترا سارے زمانے کے لیے
 دل میں کوئی اس طرح کی آرزو پیدا کروں
 لوٹ جائے آسمان میرے مٹانے کے لیے
 جمع کر خرمین تو پہلے دانہ دانہ چمن کے تو
 اسی نکلے کی کوئی بجلی جلانے کے لیے
 پاس تھانا کامی صیاد کا ہے ہم صغیر
 ورنہ میں اور اڑ کے آتا ایک دانے کے لیے

اس چمن میں مرغ دل گائے نہ ازاد می کالت
 آہ! گشتن نہیں ایسے ترانے کے لیے



کیا کہوں اپنے چمن میں جدا کیونکر ہوا
 اور اس حیرت و ارم ہوا کیونکر ہوا
 جانے حیرت پر اس کے زمانے کا ہوں میں
 مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیونکر ہوا
 کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر
 کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فیصلہ کیونکر ہوا
 ہے طلب بے مدعا ہونے کی بھی اک مدعا
 مرغ دل و اتم مست ہے ہا کیونکر ہوا
 دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے
 پھر یہ وعدہ حشر کا صبر کیونکر ہوا
 حسن کامل ہی ہو اس بے حجابی کا سبب
 وہ جو تھا پروں میں نہاں خود نما کیونکر ہوا
 موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے در فراق
 چارہ لرو دیوانہ ہے میں لا ووا کیونکر ہوا

تُو نے دیکھا ہے کبھی اے یہ عبرت گُل
ہو کے پیدا خال سے نگہیں قبا کیونکر ہوا
پریش اعمال سے مقصد تھا رسوائی مری
وزنہ ظاہر تھا سبھی کچھ کیا ہوا کیونکر ہوا

میرے شے کا تماشا دیکھنے کی چیز تھی
کیا بتاؤں اُن کا میرا سنا کیونکر ہوا



انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نزلے ہیں
علاج درد میں بھی دلی لذت پہ مرتا ہوں
پھلا پھولا رہے یارب چمن میری اُمیدوں کا
رُلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی
نہ پوچھو مجھ سے لذت خانانِ بادِ سننے کی
نہیں گناہی اچھی رسیقِ اہِ منزل سے
اُمید حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
ٹھہر جا لے شرزم بھی تو آخر ٹٹنے والے ہیں
یہ حضرت دیکھنے میں ہے سادے بھور بھالے ہیں

مے شعار اے اقبال کیوں پیار نہ ہوں مجھ کو
مے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درونگیر نالے ہیں



ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل واکرے کوئی
منصور کو نہو الہام کو یا پیام موت
اب کیا لسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی
میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
عذر آفرین جبرم مجھ سے حسن دوست
محشر میں عذر تازہ نہ پیدا کرے کوئی
چھپتی نہیں ہے یہ نگہ شوق ہم نشین
پھر اور کس طرح انھیں دیکھا کرے کوئی
اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر حکیم
طاقت ہو دید کی تو تھا صا کرے کوئی
نظارے کو یہ جنبشیں مرگاں بھی رہے
زُرس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائیں کیا مئے ہیں تمنائے شوق میں
دو چاروں جو سیری تمنا کرے کوئی



کہوں کیا آرزوئے بے دلی مجھ کو کہاں تک ہے
مے بازار کی رونق ہی سوائے زیاں تک ہے
دوے کش ہوں فروغ مے سے جو گلزار بن جاؤں
ہوئے گل فراق ساقی نامہ رہاں تک ہے

چمن افروز ہے صیاد میری خوشنوائی تک
 وُہشتِ خال ہوں فیضِ پریشانی سے صحر اہوں
 جرسِ سخنِ نالہ خوابید ہے میرے ہر گڑبے میں
 سکونِ دل سے سامانِ کشود کار پیدا کر
 چمنِ زارِ محبت میں خموشی موتِ نیلے بس
 جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی لطفِ تما بھی
 رہی بجلی کی بے تابی ہو میرے آشیانِ تما ہے
 نہ پوچھو میری وسعت کی نہیں آسمانِ تما ہے
 یہ خاموشی مری وقتِ حیلِ کارواں تما ہے
 کہ عقدہ خاطرِ لبر و آب کا اب واں تما ہے
 یہاں کی زندگی پابندیِ رسمِ فغان تما ہے
 ہمارے گھر کی آبادی قیامِ مہمان تما ہے

زمانے بھر میں سوا ہوں مگر اے لائے نادانی!
 سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے ازواں تما ہے



جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں مینوں میں
 حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایاں جب جاتی اپنی
 اگر کچھ آشنا ہوتا مذاقِ حبسِ سانی سے
 کبھی اپنا بھی نظارہ لیا ہے تو نے اے محبوب
 وہ نکلے میرے ظلمتِ خانہ دل کے مکینوں میں
 مکانِ نکلا تھامے خانہ دل کے مکینوں میں
 تو سنگِ آستانِ کعبہ جابجا تجسینوں میں
 کہ سیلی کی طرح تو خود بھی ہے محلِ شینوں میں
 گھر گھر بیاں مجداتی کی لڑتی ہیں مہسینوں میں
 مہینے وصل کے گھڑیوں کی صوت اڑتے تجا تے

مجھے روکے گا تو اے نا خدا کیا غرق ہونے سے

چھپا یا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے

جلا سکتی ہے شمع شہت کو موج نفس ان کی

متناور دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ترستی ہے نگاہ نازک جس کے نظائے کو

کسی ایسے شے سے ٹھونک اپنے خرمین دل کو

محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹے ٹوٹے والا

سر اپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن عاشق

پھٹل اٹھا کوئی تیری ادائے ناعف و نافر

نمایاں ہو کر لکھلا دے کبھی ان کو جمال اپنا

خمش اے دل ابھری محفل میں چلانا نہیں اچھا

۱۳۰

بانگ درا

۱۱۲

کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

وہی ناز افریں ہے جلوہ پیرانہ سینوں میں

الہی الیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

نہیں ملتا یہ کوہِ بادشاہوں کے خزانوں میں

یہ بیٹھا لیے بیٹھے ہیں اپنی استینوں میں

وہ رونق انجمن کی ہے انھی خلوت گزینوں میں

کہ خورشید قیامت بھی ہوئے غم شہ چینوں میں

یہ وہ ہے جسے رکھتے ہیں نازک اہلینوں میں

بھلائے دل حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

ترا رتبہ ہا بڑھ چڑھ کے سب ناز افرینوں میں

بہت مدت سے چرچے ہیں کے باریک بینوں میں

ادب پہلا قریب ہے محبت کے قرینوں میں

برا سمجھوں انھیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا

کہ میں بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں



ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں مری سادگی دیکھ لیا چاہتا ہوں
 ستم ہو کہ ہو وعدہ بے حجابی کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
 یہ جنت مبارک ہے زاہدوں کو کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
 ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ تہن وہی لمن ترانی سنا چاہتا ہوں
 کوئی دم کا مہماں ہوں لے ایل محفل چراغِ سخن ہوں بجھا چاہتا ہوں

بھری بزم میں از کی بات کہہ دی

بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں



گشاہ دست کرم جب بے نیاز کرے نیاز مند نہ کیوں عاجزی یہ نیاز کرے
 بٹھا کے عرش پر رکھا ہے تو نے اعظما خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احترام کرے
 مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی جو ہوشیاری ہستی میں امتیاز کرے
 مدام گوشِ بیل دہیہ ساز ہے ایسا جو ہوش گستاخ تو پیدا نہ کرے
 کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بڑتا ہے جو بے عمل یہ بھی حمت وہ بے نیاز کرے

سخن میں سوز، الہی کہاں سے آتا ہے یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی کداز کرے
تمیز لالہ و گل سے ہے نالہ ٹہل جہاں میں نہ کوئی چشم امتیاز کرے
غرور زہد نے سکھلا دیا ہے واعظ کو کہ بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے

پہوا ہو ایسی کہ ہندوستان سے لے اقبال
اڑاکے مجھ کو غبارِ حجاز کرے



سختیاں کرتا ہوں دل پر غم سے غافل ہوں میں ٹائے کیا اچھی لہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں
میں جہتی تک تھا کہ تیری جلوہ پسندی نہ تھی جو نہو حق سے مٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں
علم کے دریا سے نہ کھلے غوطہ زن کو ہر بدست وائے محرومی! خرف چہیں لبِ ساحل ہوں میں
ہے مری قلت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل جس کی غفلت کو ملکوت ہے ہیں غافل ہوں میں
بزمِ ہستی اپنی آرائش یہ تونازاں ہو تو تو اک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہوں میں

دھونڈتا پھر تار ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
آپ ہی کو یا سا فر آپ ہی منزل ہوں میں





مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرابھی چھوڑ دے
 واعظ اقبال ترکے ملتے ہیں مراد
 تقصید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
 مانند خامہ تیری باں پر ہے حرفِ غیر
 لطفِ کلام لیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق
 شبِ نیم کی طرح ٹھولوں پہ وہ اور چمن سے چل
 ہے عاشقی میں رسمِ لک سب کے بیٹھنا
 سوداگری نہیں یہ عبادتِ خدا کی ہے
 اچھا ہے دل کے ساتھ ہے پاسبانِ عقل
 جینا وہ کیا جو ہو نفسِ غم پر پردا
 شوخی سی ہے سوالِ مکر میں اے کلیم
 شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے
 نکلے کی پوس ہو تو سیلی بھی چھوڑ دے
 دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبی بھی چھوڑ دے
 رستہ بھی ڈھونڈنا خضر کا سودا بھی چھوڑ دے
 بیگانہ شے پہ نازشیں بے جا بھی چھوڑ دے
 بے سمل نہیں ہے تو تو ترپت بھی چھوڑ دے
 اس باغ میں قیام کا سوا بھی چھوڑ دے
 بت خانہ بھی حرم بھی کلیسا بھی چھوڑ دے
 اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
 لیکن کبھی کبھی اے تنہا بھی چھوڑ دے
 شہرت کی زندگی کا بھروسا بھی چھوڑ دے
 شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں

اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑے

(۱) ابو...
 (۲) سید...
 (۳) سید...
 (۴) سید...
 (۵) سید...
 (۶) سید...
 (۷) سید...
 (۸) سید...
 (۹) سید...
 (۱۰) سید...

۱۳۲
 باقیه در
 ۱۱۸

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۵
بانگ درا
۱۱۹

حاجه
دستبرد سواد برکات

۱۱
۱۱

آجا چتر ترا اردون کی ابرو - تو بول کنول همتا تر ی بول
ردنح را جوتره رسته مله ناب - ماقون به کرگی ریلع اورد
این تعلیم از سر بر نهاده بیک پر - چادر و خنجر به چلو و خنجر
ایکده در ملک خواران و ملوک - چادر و خنجر به چلو و خنجر

انفاجه جنگی
محمود شاه خوار و ملوک

میر محمد سلطان خوار و ملوک
میر محمد سلطان خوار و ملوک

تو دوزخ دانا به حکمت تار و خوار و ملوک - خوار و ملوک
دانا کرد و ملوک به خوار و ملوک - خوار و ملوک
آید خنجر و خوار و ملوک - خوار و ملوک
خوار و ملوک به خوار و ملوک - خوار و ملوک
خوار و ملوک به خوار و ملوک - خوار و ملوک
خوار و ملوک به خوار و ملوک - خوار و ملوک

۱۳۶
بانگ درا
۱۲۰

محبت

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی ناشام سے
 قرآنِ لباسِ نو میں بیکار نہ لگاتا تھا
 ابھی امکانِ عظمت خانے سے ابھری ہی تھی دنیا
 کمالِ نظمِ سستی کی ابھی تھی بہت دلیوا
 سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیسیا کرتا تھا
 لکھا تھا عرش کے پائے پہ الٰہِ کافیر نسخہ
 نگاہیں مال میں رستی تھیں لیکن کیا لڑکی
 بڑھا تبسّمِ خوانی کے بہانے عرش کی جانب
 پھر ایسا فکرِ بزلنے اُسے میدانِ امکان میں
 چمک تار سے مانگی چاند سے دُعا جگر مانگا
 تڑپ بجلی سے پائی حُور سے کپینگی پائی
 ذرا سی پھر بوبیت کے شانِ بنیازی لی
 ستارے آسمان کے بے خبر تھے لذتِ رم سے
 نہ تھا واقف ابھی کر و شمسِ اربعینِ ستم سے
 مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہلے عالم سے
 یوید اٹھی نیند کی تنہا چشمِ حاتم سے
 صفا تھی جس کی خالِ پابین بڑھ کر ساغرِ جم سے
 چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ رُوحِ آدم سے
 وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اہمِ اعظم سے
 تنائے دی آخر برآتی سعیِ پیسم سے
 چھپے کی لیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے
 اڑائی تیری تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے
 حرارت لی نفسِ سحرِ سحرِ ابنِ مریم سے
 ملک سے عاجزی افتاد لی تقدیرِ شبنم سے

پھر ان اجزا کو لھولا چشمہ حیا کے پانی میں
موتوں نے یہ پانی ہستی نوخیز پر چھڑکا
مرتب نے محبت نام پایا عرشِ عظم سے
گرہ لھولی ہنسنے اُس کے گویا کارِ عالم سے
ہوئی جنبشِ عیاں ذروں نے لطفِ خواب کو چھوٹا
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہدم سے

خرام ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پانی داغ پائے لالہ زاروں نے

حقیقتِ حُسن

خداے حُسن نے اک روز یہ سوال کیا
ملا جواب کہ تصویرِ حُسن ہے دنیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تُو نے لازوال کیا
شبِ و از عدم کا فسانہ ہے دنیا
وہی حسیں ہے حقیقتِ زوال ہے جس کی
فلکِ چمِ مہر ہے اخترِ سحر نے سُنی
فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو
کھل کا نتھا سا دل خون ہو گیا غنم سے
شبِ سیر کو آیا تھا سو گوار کیا
چمن سے واما ہوا موسمِ بہار کیا

۱۳۸

بانگِ درا

۱۲۲

س

عشق نے کرویا تجھے ذوقِ مہش سے آشنا
بزم کو مثلِ شمعِ بزمِ حاصلِ نو ساز و
شانِ کرم پر ہے مدارِ عشقِ کرہ نشاے کا
ویرِ حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز و
صوتِ شمعِ نور کی ملتی نہیں قبائے
جس کو خدا نہ دہر میں لریہ جہاں لداڑے
تائے میں وہ قمر میں وہ جہد وہ کھرمیں وہ
چشمِ نظارہ میں نہ ٹوٹے مرے امتیازے
عشق بندِ بال ہے رسمِ مہرِ نیاز سے
حسن ہے مستِ ناز اگر تو بھی حجابِ نازے

پیرِ مغانِ فرنگ کی مے کا نشا ہے اثر
اس میں وہ کیفِ غم نہیں مجھ کو تو خانہ ساز
تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزمِ نهن بدل لیتی
اب نہ خدا کے واسطے ان کو مے میاز و

سوامی ام سیرتھ

سہمِ بغلِ دریا سے ہے اے قطرِ برباب تو
پہلے کو ہر تھا بہن اب کو ہر نایاب تو
آہ لھولا کس اواسے تو نے رازِ رنگِ بو
میں ابھی تک ہوں سیرِ تسیارِ رنگِ بو

مٹ کے غوغا زندگی کا شور شر محشر بنا
 یہ شرارہ مجھ کے آتش خانہ آزر بنا
 نفی ہستی اک کرشمہ ہے دل آگاہ کا
 لائے دریا میں نہاں موتی ہے 'اللا اللہ' کا
 چشم نابینا سے مخفی معنی انجسام ہے
 تھم لتی جس دم تڑپ سیلاب سیم خام ہے
 توڑ دیتا ہے ہستی کو ابراہیم عشق
 پوش کا دار ہے لویا ستی سنیم عشق

طلبہ علی لڑکھ کا لکھ کے نام

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
 عشق کے درمیں کھڑے کلام اور ہے
 طاہر زبرد ام کے نام لے تو سن چکے ہو تم
 یہ بھی سنو کہ نالہ طائر بام اور ہے
 اتنی تھی کوہ سے صدارت حیات ہے سکوں
 کہتا تھا سورنا تو اں لطف خرام اور ہے
 جذبِ حرم سے ہے فروغِ انجمنِ حجاز کا
 اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے
 ہوتے عیشِ جاوداں ذوقِ طلبِ الرنیم
 گردشِ آدمی ہے اور گردشِ حرام اور ہے
 شمعِ سحر یہ کہ لیتی سوز ہے زندگی کا سن
 عنم لہ نمود میں شرطِ دوام اور ہے

بادہ ہے نیم راسل بھی شوق ہے ناسا بھی
 رہنے و چشم کے سر پہ تم خشتِ کلیسا بھی

۱۲۰

بانگِ درا

۱۲۲

خستِ صبح

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا علی نگاہ مگر فرصتِ نظر نہ ملی

ہوتی ہے زندہ دمِ آفتاب کے پرشے اماں مجھی کو تیرا مہینِ سحر نہ ملی

بساطِ لیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی

نفسِ جناب کا، تابندگیِ شراے کی

کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ حسینِ سحر! غمِ فنا ہے تجھے گنبدِ فلک کے اتر

ٹپکِ بے بندگیِ گردوں سے ہر شہِ بنم مرے یا ضحیٰ سخن کی فضا ہے جاں پُر

میں باغیاں ہوں محبتِ بہار ہے اس کی

بنامِ شالِ ابدِ پائدار ہے اس کی

حُسن و عشق

جس طرح ڈوبتی ہے شستیِ سیمینِ سحر نورِ عرشید کے طوفان میں منگنا سحر

جیسے ہو جاتا ہے کلمِ نورِ کلمے کے لراخیل چاندنی است میں متا کب ہم رنگِ کنول

۱۲۱
بافتا ہے ریا
۱۲۵

جس کوہ طور میں جیسے یہ بیضیاتِ کلیم
سوجہ نکست گلزار میں غنچے کی شمیم

ہے ترے سبیل محبت میں یونہی دل میرا

تو مجھ نسل ہے تو ہنگامہ محفلِ جوں میں
حُسن کی برق ہے تو عشق کا حاصلِ جوں میں
تو سحر ہے تو مرے اشک ہیں شبنم تیری
شامِ غربت ہوں اگر میں تو شفقِ تو میری
مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے
ترے تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے

حُسنِ کامل ہے ترا، عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باغِ سخن کے لیے تو باوہسا
میرے بے تابِ تخیل کو دیا تو نے فستار
جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نتے جو ہر سوئے پیدا مے اتنے میں
حُسن سے عشق کی فطرت کو ہے تھرکا کمال
تجھ سے سرسبز ہوئے میری امیدوں کے نہال

قندِ ہو گیا اسوۂ منزل میرا

... لی لو د میں بلی دلیہ ل

تجھ کو زویدہ نگاہی یہ سکھا دی کس نے
رمزِ آغازِ محبت کی بتادی کس نے
ہر اداسے تری پیدا ہے محبت کیسی
نیلی آنکھوں سے چلتی ہے کاوت کیسی

دیکھتی ہے کبھی ان کو کبھی شرماتی ہے
 آنکھ تیری صفت آنسو حیران ہے کیا
 مارتی ہے انھیں پونہ چوں کہ عجب ناز ہے یہ
 شوخ تو ہوں تو گودی سے اُتاریں گے تجھے
 کیا تجس ہے تجھے کس کی تنائی ہے
 خاص انسان کے کچھ حسن کا احساس نہیں
 شیشہ دہر میں ماندے ناب ہے عشق
 دل ہرزہ میں پوشیدہ کسک ہے اس کی
 کبھی اٹھتی ہے کبھی لیٹ کے سوجاتی ہے
 نور آگاہی سے روشن تیری پہچان ہے کیا
 چھوڑے غصہ ہے یا پیار کا انداز ہے یہ
 گر لیا ٹھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے
 آہ! کیا تو بھی اسی چیز کی سودائی ہے
 صورتِ دل ہے یہ ہر چیز کے باطن میں کھیں
 رُوح خورشید ہے خونِ گلِ مستاب ہے عشق
 نوریہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اس کی

کہیں سامانِ سترت کہیں سازِ غم ہے
 کہیں گھر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

کلی

جب کھاتی ہے سحرِ عارضِ رنگیں اپنا
 جلدِ آتشِ ام ہے یہ صبح کے مغلانے میں
 کھول دیتی ہے کلی سینہ زریں اپنا
 زندگی اس کی ہے خورشید کے پیمانے میں

سناں مہر کے دل چیر کے کھدیتی ہے
کس قدر سینہ شگافی کے منے لیتی ہے

مے خورشید کبھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب
بہرِ نظارہ تڑپتی ہے نگاہ بے تاب
تیرے جلوے کا شمع بن جو مے سینے میں
عکس آباد ہو گیا مے کتینے میں
زندگی ہو ترا نظارہ مے دل کے لیے
روشنی ہو تیری گوارہ مے دل کے لیے
دورہ دورہ ہو مرا پھر طرب اندوز حیات
ہو عیاں جو ہر اندیشہ میں پھر سوز حیات
اپنے خورشید کا نظارہ کروں دور سے میں
صفتِ غنچہ ہم آغوش ہوں نور سے میں

جانِ مضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں
دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عیاں کر دوں

چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ حیرے
تارے کہنے لگے تھرے
نظارے ہے وہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چوک چمکے
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا، چلنا، مدام چلنا

بے تاب ہے اس جہاں کی ہمشے کہتے ہیں جسے سکون نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کش سب تارے انسان شجرِ حشر سب

ہو گا کبھی ستم یہ منہ کر لیا

منزل کبھی آئے گی ظن کر لیا

کہنے لگا چاند، نیم شبینو اے مزرعِ شب کے خوش چینو!

جُنبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے یہاں کی

ہے دوڑتا شہبِ زمانہ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ

اس وہ میں مستام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے

چلنے والے نکل گئے ہیں جو ٹھہرے ذرا، نکل گئے ہیں

انجام ہے اس خرام کا حُسن آغا ہے عشق، نہتِ حُسن

وصال

جُستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بے محل مجھے
خوب قسمت سے آخر گل کیا وہ گل مجھے

خود تڑپاتا تھا، چمنِ الوں کو تڑپاتا تھا میں
تجھ کو جب رنگین نواپاتا تھا، شرماتا تھا میں

میرے پہلو میں دل مضطر نہ تھا سہا تھا
از تکاب جرم الفت کے لیے بے تاب تھا

نامرادی محفل گل میں مری مشہور تھی
صبح میری آہنہ در شب دیجور تھی

از نفس و سینه خویش ششہ نشتر و شتم

زیر خاموشی نہاں غوغاے محشر و شتم

اب تاثر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
اہل طُشَن پر گراں سیری غزل خوانی نہیں

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھلے مے
کھیلے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نلے مے

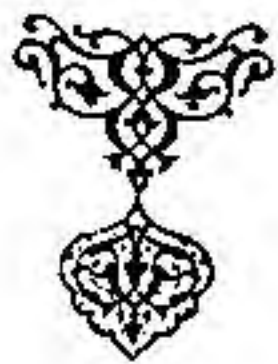
غارۃ الفت سے یہ خال سیہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکس ہمدم و یرینہ ہے

قید میں آیا تو حاصل مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے لٹ جانے سے میرے گھر کی آبادی ہوئی

ضو سے اس نور شید کی اختر مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبار راہ سے شرمندہ ہے

یک لطف نہ کروئی آداب فنا و سختی

اے خنک روزے کہ خاشاک مرا واسختی



سُلیٰ

جس کی نمود و بھی چشم ستارہ ہیں نے
خورشید میں، قمر میں، تاروں کی انجمن میں
صوفی نے جس کو دل کے ظلمت کدے میں پایا
شاعر نے جس کو دیھا قدرت کے بانگین میں
جس کی چمک ہے پیدا، جس کی مہک ہویدا
شبِ نیم کے موتیوں میں، ٹھوٹوں کے پیرہن میں
صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر
ہنگامہ جس کے دم سے کاشانہ چمن میں
ہر شے میں ہے نمایاں تو جمال اس کا
انکھوں میں ہے سُلیٰ تیری جمال اس کا



عاشق ہر جانی



ہے عجب مجموعہ اضداد اے قہسب ال تو
 تیرے ہنگاموں سے اے دیوانہ رنگیں نوا
 ہم شین تاروں کا ہے تُو رفعت پر اُسے
 عین شغلِ مے میں پیشانی ہے تیری بجز ریز
 مثلِ بونے گلِ لباسِ گنا کے عُمران ہے تو
 جانبِ منزلِ واں بے نقشِ پاماند موج
 حُسنِ انی ہے بحبلی تیری فطرت کے لیے
 تیری ہستی کا ہے آئینِ تصنیف پر مدّا
 ہے حسینوں میں فانا آشنائیرِ خطاب
 رونقِ ہنگامہ محفل بھی ہے تنہا بھی ہے
 زینتِ گلشن بھی ہے آتشِ صحرا بھی ہے
 اے زمیں فرسا، قدمِ تیرا فلکِ پیا بھی ہے
 کچھ ترے سلاک میں ناکِ شربِ دنیا بھی ہے
 ہے تو حکمتِ آفریں لیکن تجھے سوا بھی ہے
 اور پھر اُفتِ اوہلِ حاصلِ دیا بھی ہے
 پھر عجب ہے کہ تیرا عشق بے پروا بھی ہے
 تو کبھی ایک آستانے پر جہیں فرسا بھی ہے
 اے ملوکِ کیش! تو مشہور بھی سوا بھی ہے

لے کے آیا ہے جہاں میں عادتِ سیاب تو

تیری بجاتانی کے صدقے ہے عجب بجاتاب تو

۱۲۸

بانگِ درا

۱۳۲

عشق کی آشفتمندی نے کر دیا صحرا ہے
 ہر جان اڑوں اس کے پہلو، رنگ پہر پہلو کا
 دل نہیں شاعر کا، ہے کیفیتوں کی رستخیز
 آرزو ہر کیفیت میں اک نئے جلوے کی ہے
 گو حسین بازو ہے ہر لحظہ مقصود نظر
 بے نیازی سے ہے پیدا میری فطرت کا نیا
 موجب کہیں تماشائے شاد جستا
 ہر تقاضا عشق کی فطرت کا جو بس خموش
 جستجو کل کی لیے پھرتی ہے اجزا میں مجھے
 زندگی اُفت کی درونجا میوں سے ہے مری
 سچا الرپوچھے تو افلاسِ تنہا سیل ہے وفا
 فیضِ سانی شبِ نیم آسمان طرفِ دل دریا طلب
 مجھ کو پس انداز کرے اپنا کھتہ چسپاں کیا

مشتِ خال ایسی نہاں زیرِ قبا رکھتا ہوں میں
 سینے میں ہے ہر کوئی تر شاہوار رکھتا ہوں میں
 کیا خبر تجھ کو دُورِ دینِ سینہ کیا رکھتا ہوں میں
 مضطربِ جوں دل کُوں نا آشنا رکھتا ہوں میں
 حُسنِ مے مضبوطِ پیمانِ وفا رکھتا ہوں میں
 سوزِ سازِ جستجو مثلِ صبا رکھتا ہوں میں
 ہر نہدیں سکتا کہ دل برقِ آشنا رکھتا ہوں میں
 آہِ ابدہ کاملِ تحبلی مدعا رکھتا ہوں میں
 حُسنِ بے پایاں ہے درِ ولاد وار رکھتا ہوں میں
 عشق کو آزادِ دستورِ وفا رکھتا ہوں میں
 دل میں ہر دم اک نیا محشرِ پیا رکھتا ہوں میں
 تشنہِ اتم ہوں تشنہِ زیرِ پا رکھتا ہوں میں
 نقشِ جوں اپنے مصوئےِ ظلال رکھتا ہوں میں

محفلِ مستی میں حبِ ایسا تنابِ علو تھا جس
پتھرِ کس لے نہ تھا رکھتا ہوں

دربِ بابِ طلبِ پیوستہ می کو شیم

موجِ بحیرِ شکستِ خویش بر پوشیم

کوششِ ناتمام

فُرتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچ و خمِ صبح
چشمِ شفق ہے خوں فشاںِ اخترِ شام کے لیے
رہتی ہے قیسِ روز کو سیلیِ شام کی ہوس
اخترِ صبح مضطربِ تابِ و ام کے لیے
کہتا تھا قطبِ آسمانِ قافلہٗ نجوم سے
ہم رو میں ترس گیا لطفِ خرم کے لیے
سوتوں خمِ ندیوں کا شوقِ بحرِ کاندیوں کو عشق
موجبہٗ بحر کو پیشِ ماہِ تمام کے لیے
حُسنِ ازل کہ پروہ لالہ و گل میں ہے نہا
کہتے ہیں بے قرار ہے جلوۂ عام کے لیے

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ کام سے

زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے



نوائے غم

زندگانی ہے مری مثلِ بابِ غاموش
جس کی ہر رنگ کے غموں سے ہے لبرِ زائغوش
بربطِ کون مکان جس کی خموشی نیشا
جس کے ہر تار میں ہیں سیڑیوں غموں کے مزا
محشرستانِ نو کا ہے امیں جس کا سکوت
اور منت کشش منہ نہ میں جس کا سکوت

آہ! آہ! محبت کی بر آتی نہ کبھی

چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

گمراہی ہے نسیمِ چمنِ طور کبھی
سمتِ کروڑوں سے چوٹے نفسِ حور کبھی
چھیرا ہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات
جس سے ہوتی ہے ہمارا روح گرفتارِ حیات
نغمہ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے
اشک کے قاف سے کو بانگِ دہا اٹھتی ہے

جس طرح رفعتِ بہنم ہے مذاقِ رم سے

میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے



عشرتِ امروز

نہ مجھ سے کہہ کہ اہل ہے پیامِ عیش و سرور
 نہ کھینچ نکتہ کیفیتِ شرابِ طہور
 فراقِ حور میں جو غم سے پہلکار نہ تو
 پر می کو شیشہء الفنا میں اُتار نہ تو
 مجھے فرقتِ ساقی جمیل نہ کر
 بیانِ حور نہ کر، ذکرِ سبیل نہ کر
 مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلامِ نہیں
 شبابِ آہ! کہاں تک اُمیدوار ہے
 وہ حُسنِ لب کہ جو محتجِ چشمِ بیاہو
 وہ عیشِ عیش نہیں جس کا انتظار ہے
 نوؤ کے لیے منت پذیر نہ رہو

عجیب چیز ہے احساسِ زندگانی کا
 عقیدہء عشرتِ امروز ہے جوانی کا

انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے

انسان کو راز جو بنایا
 راز اس کی نگاہ سے چھپایا

۱۵۲

بانگِ درا

۱۳۶

بے تاب ہے ذوقِ آگہی کا کھلتا نہیں بھیدِ زندگی کا

حیرتِ آغاز و انتہا ہے

اسی نے گھر میں اور کیا ہے

ہے گرمِ حرامِ موجِ دریا دریا سوئے بھر جاوہِ پیمیا

بادل کو ہوا اڑا رہی ہے شانوں پہ اٹھلتے لا رہی ہے

تارے مستِ شرابِ تقدیر زندانِ فلک میں پا بہ زنجیر

خورشید، وہ عابدِ سحر خیز لانے والا پیامِ بر خیز

مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر پیتا ہے مے شفق کا ساغر

لذتِ گیسرِ وجود ہر شے سرستِ مے نمود ہر شے

کوئی نہیں غم گسارِ انساں

کیا تلخ ہے روزگارِ انساں

جلوۂ حُسن

جلوۂ حُسن کہ ہے جس سے تنابے تاب پالتا ہے جسے آغوشِ تختل میں شباب

ابدی بنتا ہے عیالم فانی جس سے
 جو سکھاتا ہے ہمیں سربہ لریباں ہونا
 ایک افسانہ نگہیں ہے جوانی جس سے
 منظر عیالم حاضر کے لریزاں ہونا
 دور ہو جاتی ہے ادرال کی خامی جس سے
 عقل لرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے

آہ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں
 خاتم دہر میں یارب نگہیں ہے کہ نہیں

ایک شام

(دریلے نیلر، ہائیڈل برل کے کنارے پر)

خاموش ہے چاندنی قمر کی
 شاخیں ہیں خاموش ہر شجر کی
 وادی کے نوافروش خاموش
 کُسار کے سبز پوش خاموش
 فطرت بے ہوش چوگئی ہے
 آنکھوں میں شب کے سولہی ہے
 کچھ ایسا سکوت کافسوں ہے
 نیکر کا حنہ ام بھی سکوں ہے
 تاروں کا خاموش کارواں ہے
 یہ قافلہ بے درواں ہے
 خاموش ہیں کچھ دوست و دریا
 قدرتے ہر مڑتے میں گویا

۱۵۲
 بانگ درا
 ۱۲۸

اے دل! تو بھی خموش ہو جا
 آغوش میں غم کو لے کے سو جا

تنہائی

تنہائی شب میں ہے حُزنی کیا انجم نہ تیں یہ سہم شیں کیا؟
 یہ فطرتِ آسمانِ خاموش خوابید زمینِ جہاںِ خاموش
 یہ چاند، یہ دشت و دریا لہسا فطرت سے تم نامِ ستار
 موتی خوش رنگ، پیارے پیارے یعنی تیرے اسدوں کے تارے

کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل!
 قدرت تری ہم نفس کے اے دل!

پیامِ عشق

سُن اے طلبِ کار و درویش! میں نازِ نبیوں، تو نیازِ مہو جا
 میں غمِ زنوی سوماتِ دل کا ہوں، تو سراپاِ ایازِ مہو جا

نہیں ہے وابستہ زیرِ گردوں کمالِ شانِ سکندری سے
 تمام سماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آتینہ ساز ہو جا
 غرض ہے پیکارِ زندگی کے کمال پاتے ہلالِ تیرا
 جہاں کا فرضِ قدیم ہے تو، اداِ مثالِ ساز ہو جا
 نہ ہو قناعت شعارِ چین اسی سے قائم ہے شانِ تیری
 و فوراً مل ہے اگرچہ سن میں تو اور دامنِ دراز ہو جا
 گئے وہ ایام، اب زمانہ نہیں ہے صحرانوردیوں کا
 جہاں میں مانندِ شمع سوزاں میانِ محفلِ گداز ہو جا
 وجودِ اندک کا مجبازی ہے، ہستی قوم ہے حقیقی
 فدا ہو ملت پہ یعنی آتشِ زنِ طلسمِ مجاز ہو جا
 یہ ہند کے فرستہ سازِ قبائلِ آزری کر رہے ہیں گویا
 بچا کے دامنِ بھتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا



فراق

تلاشِ گوشہ عزلت میں پھر رہا ہوں میں
 یہاں پہاڑ کے دامن میں آٹھپا ہوں میں
 شکستہ گیت میں چشموں کے دلیری ہے کمال
 وعلت طفکب گفتار آزما کی مثال
 ہے تختِ لعلِ شفق پر جدوسرِ خستہ شام
 بہشتِ دیدہ بیند ہے حسنِ منتِ شام
 سکوتِ شامِ جدائی ہوا بہانہ مجھے کسی کی یاد نے سکھلا دیا ترانہ مجھے
 کیفیت ہے مری جانِ شکیبہ کی
 مری مثال ہے طفلِ صغیر تنہا کی
 اندھیری رات میں کرتا ہے وہ سروِ آغاز
 صدا کو اپنی سمجھتا ہے غیب کی آواز
 یونہی میں دل کو پیامِ شکیبہ دیتا ہوں شبِ فراق کو گویا فریب دیتا ہوں

عبدالقادری کے نام

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ صاف اور پر
 ایک نہریا ہے مانند سپند اپنی بساط
 اہل محفل کو بھادیں اثرِ صیقلِ عشق
 جلوۂ یوسفِ گم گشتہ دلہا کران کو
 اس پس کو سبقِ آئینِ تم کو کا دے کر
 رختِ جاں بت کہہ چس سے اٹھالیں اپنا
 دیکھہ اشیرب میں ہو اناقتِ یسلی بیکار
 بادہ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ لدا
 گرم رکھتا تھا ہمیں سڑی مغرب میں جواغ
 شمع کی طرح جیسے بنم لہ عالم میں
 بزم میں شمع نہ نواتی سے اُجبالا کریں
 اسی پنگامے محفل سے وہ بالا کریں
 سنگِ امروزی کو آئینہ نہ نہ کریں
 تپشِ آلودہ تر از خونِ زلیخا کریں
 قطرۂ شبنم بے پایہ کو دریا کریں
 سب کو جو رخِ سدا می و سلیسی کریں
 قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کریں
 جدِ شیشہ و پیانہ و سینا کریں
 چیر کر سینہ اُسے وقفِ تماشا کریں
 خوبدیں و بدغیب کار کو بنیا کریں

”پہرچہ پر دل گذر و وقفِ زبانِ اردو شمع

جوستن نیست خیالے کہ نہاں اردو شمع“

۱۵۸

بانگِ درا

۱۲۲

صفت

(جزیرہ سسلی)

روئے اب دل لھول کر لے دے خونناہ بیا وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزا
تھایہاں سنگا مردان صحرائیں نوں کا بھی بحر بازی کا وہ تھا جن کے سفینوں کا بھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں بجلیوں کے شیشیا نے جن کی تلواروں میں تھے
اک جہان بازہ کا پینام تھا جن کا ظہور کھالئی عصر کٹن کو جن کی تیغ ہاں سب
مردہ عالم زندہ جن کی شویش کے ہوا آدمی آزاد زنجیر تو ہتم سے ہوا

غلغلوں کے جس لذت گیر اب تک کو شے

کیا وہ بکیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

آہ اے سسلی ہمسند کی ہے تجھ سے ابرو رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو
زیب سے خال سے خسار و ریا کو رہے تیری شمعوں سے تسلی بحر پیا کو رہے
پوشک بک چشم مسافر پر تر اظن نہ مدام موج رقصاں سے یہ حال کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گوارہ تھا
حُسنِ عالم سوزِ جس کا آتشِ نظر تھا

نالا کش شیراز کا بیل پوابعن داد پر داغ رویا خون کے آنسو جب ان باد پر
اسماں نے دُعا کی ناطہ جب برباد کی ابنِ بدوں کے دلِ ناشائستہ کی یاد کی
غمِ نصیبِ اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا
چُن لیا تفتِ دینے وہ دل کہ تھا محرم ترا

ہے ترے آثار میں پوشیدہ کس کی داستان تیرے حساس کی خموشی میں ہم اندازِ بیاں
درو اپنا مجھے کہے کدے میں بھی سراپا دروہوں جس کی تو منزل تھا میں اس کا رُپ کی کردہوں
زنگِ تصویرِ رہن میں بھر کے لٹھلا دے مجھے قصہِ ایامِ سلف کا کہہ کے تڑپ دے مجھے

میں ترا تحفہ سوتے ہندوستان لے جاؤں گا
خود یہاں و اماہوں اہوں کو وہاں رُلو اؤں گا



عزلیات

زندگی انسان کی الوم کے سوا کچھ بھی نہیں
 گل تبسم کہہ ہا ہست زندگانی کو مگر
 دم ہوا کی موج ہے دم کے سوا کچھ بھی نہیں
 شمع بولی، گر یہ عنسم کے سوا کچھ بھی نہیں
 راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
 کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں
 زاتراں کعب سے قبل یہ ٹوپے کوئی
 کیا حرم کا تحف نہ مزم کے سوا کچھ بھی نہیں

الہی عقل خجستہ پے کو ذرا سی یوانی سکھاوے
 ملا محبت کا سو مجھ کو تو بولے صبح ازل فرشتے
 اسے سووائے بخنیہ کاری مجھے سر پہن نہیں ہے
 مثال شمع مزار ہے تو ترمی کی انجن نہیں ہے

یہاں کہاں ہم نفس مستیزدیں ناستہ ہے لے لیا
 وہ چیز تو مانگتا ہے مجھے کس زیر پرچ کس نہیں ہے
 نرالا سارے جہاں کے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
 بنا ہے حصارِ ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے
 کہاں کا کہاں جانا فریب ہے امتیازِ عقوبتی
 نو دہائے میں ہے ہماری کہیں کا وطن نہیں ہے
 مدیرِ مخزن سے کوئی اقبال عجب میرا پیام لے دے
 جو کام کچھ کر ہی میں میں انھیں ابق سخن نہیں ہے



زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا نعتِ کوکا
 مری خموشی نہیں ہے گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا
 جو موج دریا لگی یہ کہنے نافر سے تاتم ہے شانِ میری
 گھر یہ بولا صد فتنہ بینی ہے مجھ کو سامانِ آبرو کا
 نہ ہو طبیعت ہی جن کی قاتل وہ تربیت سے نہیں بنتی
 ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سرکونہ رجو کا
 کوئی دل ایسا نطفہ نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہوتا
 الہی تیرا جہان کیا ہے، نگارِ حنا نہ ہے آرزو کا

۱۶۲

بانگِ درا

۱۲۶

کھسلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہو س سہرا
جسے سمجھتے تھے جسم خالی غبار تھا کوئے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے نہاں تو کیوں سراپا تلاش میں
ننگہ کو نظارے کی تمنا ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا

چمن میں گھسیں سے غنچہ کہتا تھا، اتنا بیدار کیوں ہے انسان
ترمی نگاہوں میں تیرے شمع ستارے ہونا مرے سب کو کا

ریاض ہستی کے فترے فترے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ ظل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیمیاں ہے رنگ و بو کا

تمام مضمون مرے پرانے، کلام میرا خطا سراپا
پنیر کوئی دھیت ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
ذرا سا ال دل دیا ہے وہ بھی فریبِ خوروہ ہے آرزو کا

کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوکِ نشتر سے تو جو چھیرے
یقین ہے مجھ کو لرے لرے گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

کیا ہے تفتد کا زمانہ مج زخمت سفر اٹھاتے
 ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یار ہے گفتگو کا
 جو لکھ رہے اقبال دور ہوں میں تو ہوں نہ محزون عزیز میرے
 مثال کو ہر وطن کی فرقت کمال ہے یہی آبرو کا



چمکتی تیریں بجلی میں آتش میں شرار میں
 بلند سی آسمانوں میں زمینوں میں تیری پستی
 شریعت کیوں نمایاں کیر سو ذوق تکلم کی
 جو ہے بیدار انساں میں لہری نیند سوتا ہے
 مجھے چھوٹکا ہے سوزِ قطرۂ اشکِ محبت نے
 نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزو مجھ کو
 سکونِ آتشِ نارِ ہنسائے سامانِ ہستی ہے
 تڑپ کس دل کی یارِ چھپکے ابھی ہے پارے میں

صدائے لہجہ انی سُن لے اقبال میں چپ ہوں
 تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے ملے میں

۱۶۲

بانگ درا

۱۲۸

یوں تو لے بزمِ جہاں بولکش تھے نگارے
 ال ذرا افسردگی تیرے تماشاؤں میں تھی
 پالنی اسوولی کو تے محبت میں وہ خال
 مد توں آوارہ جو حکمت کے صحراؤں میں تھی
 کس قدر اے مے تجھے رسمِ حجاب کی پسند
 پروہ انکور سے نکلی تو سیناؤں میں تھی
 حسن کی تاثیر پر غالب نہ آسکتا تھا علم
 اتنی نادانی جہاں سکے داناؤں میں تھی

میں نے اے اقبال یوں میں اُسے صوفیہ
 بات جو ہندوستان کے ماہِ سیماؤں میں تھی

مثال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں
 یہی نہ سازا دوا صبح و شام کرتے ہیں
 خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
 شجرِ حبر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں
 نیا جہاں کوئی اے شمع اڑھوٹے کی یہاں
 ستم کششِ پیشِ ناتم کرتے ہیں
 بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی
 کہ خوشنواؤں کو پایہ بندِ ام کرتے ہیں
 غرض نشا ہے شغلِ شراب سے جن کی
 حلال چیز کو یا حرام کرتے ہیں
 بھلا نہ بھگے کی تری ہم سے کیونکر اے وعظا
 کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں

الہی سے پیرانِ حق پوش میں کیا کہ الٰہی سے جانوں کو رام کرتے ہیں
 میں اُن کی محفلِ عشرت کے کانپ جاتا ہوں جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں
 ہرے ہو وطنِ مازنی کے سید انوا جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نماز بھی پڑھتے ہیں سزا اقبال
 ہمارے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں



ماہِ ماسیج ۱۹۰۷ء

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہو گا
 سکوت تھا پر وہ دارِ جس کا، وہ رازِ اب آشکار ہو گا
 گزر گیا اب وہ دورِ ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہانِ سخنِ نہ، ہر کوئی بانِ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آئیں گے
 برہنہ پائی وہی رہے گی، مگر نیا حرفِ رزار ہو گا

۱۲۶
 باغِ عریض
 ۱۵۰

سُنا دیا گوشِ منتظر کو جب زکِ غاشی نے آخر
جو عہدِ حسرتیوں سے باندھا لیا تھا، پھر اُستوار ہو گا

نکل کے صحرا جس نے رومالی سلطنت کو اُٹھ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

کیا مرا تندرہ جو ساقی نے بادِ خواروں کی انجمن میں
تو پیرِ حینانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زبرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے پنجہ سے آپ ہی خوشی کے لیے
جو شاخِ نازک پہ اُشیاں بنے گا، ناپائدار ہو گا

سفینہ برکِ گل بنائے گا قافلہ سُرِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی چوٹِ کشش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغِ اپن کھلی کھلی کو

یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے لعلِ جلوں میں شمار ہو گا

جو ایک تھالے نگاہ تُو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 یہی الکلیفیت ہے تیری تو پھر کے عہد بار ہوگا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے ازاد پایہ گل ہیں
 تو غنچے کھنکھنے لگے ہمارے چمن کا یہ راز وار ہوگا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں نبوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اُس کا بند بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
 یہ رسم بزم فنا ہے لے دل ابلت ہے جنبشِ نظر بھی
 رہے لی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہوگا
 میں غلٹ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے در ماندہ کاروں کو
 شررفشاں ہوگی آہ میری نفسِ مہاشعلہ بار ہوگا
 نہیں ہے غم سے راز نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اُل نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرار ہوگا
 نہ پوچھ قبیل کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اُس کی
 کہیں سرگزار بھیج ستم کشِ منتظر ہوگا

خدم سوم

(۱۹۰۸ء سے)



لا
عدد در حد

۴

(۲) سرزمین دلی ز مجبوران هم رسیده است - درین دریا هم پیرانند هزاران
 پاک در او رفته اند و پیرانند هم - غافلانند و پیرانند هم - پیرانند هم
 و پیرانند هم - پیرانند هم - پیرانند هم - پیرانند هم
 و پیرانند هم - پیرانند هم - پیرانند هم - پیرانند هم
 و پیرانند هم - پیرانند هم - پیرانند هم - پیرانند هم

(۳) جزایرت نام هم گویند و جزایرت نام هم - جزایرت نام هم - جزایرت نام هم
 و جزایرت نام هم - جزایرت نام هم - جزایرت نام هم - جزایرت نام هم
 و جزایرت نام هم - جزایرت نام هم - جزایرت نام هم - جزایرت نام هم
 و جزایرت نام هم - جزایرت نام هم - جزایرت نام هم - جزایرت نام هم
 و جزایرت نام هم - جزایرت نام هم - جزایرت نام هم - جزایرت نام هم

(۴) سرزمین خرم و سرزمین خرم - سرزمین خرم و سرزمین خرم - سرزمین خرم و سرزمین خرم
 و سرزمین خرم و سرزمین خرم - سرزمین خرم و سرزمین خرم - سرزمین خرم و سرزمین خرم
 و سرزمین خرم و سرزمین خرم - سرزمین خرم و سرزمین خرم - سرزمین خرم و سرزمین خرم
 و سرزمین خرم و سرزمین خرم - سرزمین خرم و سرزمین خرم - سرزمین خرم و سرزمین خرم
 و سرزمین خرم و سرزمین خرم - سرزمین خرم و سرزمین خرم - سرزمین خرم و سرزمین خرم

۱۴۰
بانگ درا
۱۵۲

بلا و اسلام

سُرمیں آئی کی سجودِ دل غم دیدہ ہے دُور سے میں آئو اسلاف کا خوابیدہ ہے
پاک اس اُجڑے کھستان کی نہ پوئو نکرزیا خافت و عظمتِ اسلام ہے یہ سُرمیں
سوئے ہیں اس خالِ خیرِ لایم کے تاجِدا نظمِ عالم کا راجن کی حکومت پر مدار

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گم محسوس کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

یہ زیارت کا ہر سہم جو بسانِ باد بھی اس کمر است کا مرقع و اسے پند باد بھی
یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ نا لالہ صحرایہ کہتے ہیں تہذیبِ باز
خالِ اس سبکی کی پوئو نکر نہ ہمدوشِ ارم جس نے دیکھے جانشینِ سیمِ پیکرِ قدم

جس کے غنچے تھے چمنِ سامانِ و گلشنِ سہمی
کانپتا تھا جن سے رومائے آن کا مدفن ہے یہی

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدہ مسلم کا نور
ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور
بُجھ کے برہم ملتِ ہند پریشاں کرتی
اور دیا تہذیبِ حاضر کا منہ زراں کرتی

قبرِ اس تہذیب کی یہ سرزمینِ پاک ہے

جس سے نالِ گلشنِ یورپ کی گلِ نم نال ہے

خطۂ قسطنطنیہ یعنی قصہ کا دیا
مہدی اُمت کی سطوت کا نشانِ پائدا
صوتِ خالِ حرمِ یہ سرزمین بھی پاک ہے
استانِ سدا کے شہِ لولاک ہے
نحستِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

اے سمانِ ملتِ اسلام کا دل ہے شیر

سیکڑوں صدیوں کی کشتِ نوح کا حاصل ہے شیر

وہ زمیں ہے تو گمراہے اب گمراہے صفی
دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سوا

خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نجیں
اپنی عظمت کی دلاوت کا تھی تیری زمیں

تجھ میں است اس شہنشاہِ عظمیٰ کو ملی
جس کے دھن میں امانِ قوامِ عالم کو ملی

نامِ لیوا جس کے شاہنشاہِ عالم کے ہوئے
جانشینِ قصیر کے وارثِ مسندِ جم کے ہوئے

ہے اگر قومیتِ اسلام پابندِ مقام
ہند ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہے نہ شام

۱۷۲
بانگِ درا
۵۶

اے شربِ دیسِ مسلم کا تو ماوا ہے تو نقطہ جاذبِ تاثیر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں

صبح ہے تو اس چمن میں گھرِ شبنم بھی ہیں

ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرہِ سختِ تجھ کو مالِ حسن کی کیا بل لیتی خبر تجھ کو؟
مبارع نور کے لٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو ہے کیا ہر اس فنا صورتِ شمر تجھ کو؟
زمین سے دُور یا آسمان نے کھر تجھ کو مثالِ ماہِ اڑھائی قبائے زرتجھ کو

غضب سے پھر تری تھی سی جان ڈرتی ہے!

تمام رات تری کانپتے لڑتی ہے

چمکنے والے مسانے عجیب یہی ہستی ہے جواج ایک کانپے دوسرے کی پستی ہے
اصل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادتِ مہر فنا کی پسند میں زندگی کی مستی ہے
وداعِ غمِ چہر میں ہے از آفرینشِ گل عدمِ عدم ہے کہ آئینہِ درستی ہے!
سکونِ محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے ملنے میں

دوستارے

اے جو قراں میں دوستارے کہنے لگا ایک دوسرے سے
یہ وصل مدام ہو تو کیا خوب انجام نہ مدام ہو تو کیا خوب
تھوڑا سا جو سر بن فلک ہو

ہم دونوں کی ایک ہی چمک ہو
لیکن یہ چھ سال کی قسمت پیغام منداق تھی سراپا
گردش تاروں کا ہے مستدر ہر ایک کی راہ ہے مقدر

ہے خواب ثباتِ آشنائی
آئین جہاں کا ہے بدائی

گورستانِ شاہی

آسمانِ بادل کا پنہ ختمِ دیرینہ ہے کچھ عہدِ سببِ حسین ماہ کا آئینہ ہے
چاندنی بھکی ہے اس نظارہِ خاموش میں صبحِ صبا تو سوہی ہے رات کی اغوش میں

۱۷۲

بائے در

۱۵۸

کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خاشی بربطِ قدت کی چھمی سی نوا ہے خاشی

باطنِ مہرِ زہ عالم سرا پا درو ہے

اور حشاموشی لبِ بستی پہ آہِ سُر ہے

آہِ جولاں کا عالمِ گھیر یعنی وہ حصار روشن پر اپنے اٹھاتے سیکڑوں صدیوں کا بابا
زندگی سے تھا کبھی سوا بے نسیان ہے نیم شوشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے سُگانِ لہن کی خال کا دلدادہ ہے

کوہ کے سرِ پشالِ پاسبانِ ستاد ہے

ابر کے رُزن سے وہ بالائے جامِ آسمان ناخِ عالم ہے نجمِ بزمِ بزمِ آسمان
خالِ بازویِ مستِ دنیا کا منہ پٹنہ ہے وہستانِ کامی انساں کی ہے ازبر ہے
پے ازل سے سیا فرسوتے منزلِ عارِ ہا آسمان سے نفتِ لابوں کا تماشا کھیتا
گو سکنِ مکن نہیں عالم میں خست کے لیے فاتحِ خوانی کو ٹھیس ہے مہر کے لیے

زنگِ آپِ ندی سے گلِ بداسن ہے زمیں

سیکڑوں غمِ گشتِ تہذیبوں کا دفن ہے زمیں

خوابِ گے شاہوں کی ہے مینزلِ حسرتِ فزا دیدہ عبرتِ اخراجِ اشکِ کللوں کراوا

۱۷۵
باقی ہے در
۱۵۹

ہے تو کورستان مریہ خال لڑوں پایہ ہے
اے بال برشتہ قسمت قوم کا سٹریہ ہے
مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر
جنشیں شگاہاں سے ہے چشم تماشا کو حد

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں

جو اثر سکتی نہیں اتنی تہ تحت میں

سوئے ہیں خاموشن آبادی کچھ گاموں کے دور
مضطرب لکھتی تھی جن کو آرزوئے جہاں
قبر کی عظمت میں ہے ان فہستابوں کی چھک
جن کے دروازوں پر رہتا تھا جبیں تر فدا
کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مال
جن کی تدبیر جہاں مانی سے ڈرتا تھا زوال
عجب فغویٰ و دنیا میں کہ شان قصیری
مل نہیں سکتی غنیم موت کی پوش لکھی

بادشاہوں کی بھی نشست عمر کا حاصل ہے گو

جادو عظمت کی گویا آخری منزل ہے گو

شورشِ زخم بکریا عوولی تفتیر کیا
درمندان جہاں کا مالہ شبگیر کیا
عرصہ پہیکار میں ہنگامہ شیر کیا
خون لولہ مانے و انعام شیر کیا

اب کوئی آواز سوسوں کو جگا سکتی نہیں

سینہ ویراں میں جانِ فرت آسکتی نہیں

روح ہشت خال میں جست کشیدہ ہے کوچہ گروئے ہو اجس دم نفس سراپہ ہے
زندگی انساں کی ہے ناست مرغ خوشنوا شاخ پر ٹھیکہ کوئی دم چھپایا اڑ گیا
اہ! لیا آئے ریاض ہر میں ہم لیا لے زندگی کی شاخ سے پھوٹے پھلے مر جھالے

موت ہر شاہ و لدائے خواب کی تعبیر ہے

اس تم لمر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

سلسلہ ہستی کا ہے انکسار پیدا کنار اور اس دریائے بے پایاں کی جو بس میں نہا
اے ہوسن خون کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار یہ شرارے کا تسم خیر آتش سوا
چاند جو صہوت گریہی کا ال اعجاز ہے پہنے سیما بی قبہ محو نہ ام ناز ہے
چرخ بے خمسم کی دہشت ناک وسعت میں مگر بیکسی سس کی کوئی دیکھنے فراوقت سحر

اں فرسا ابر کا ٹکڑا ہے جو ہست تاب تھا

آخری آنسو ٹپک جانے میں جو بس کی فنا

زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے اعتبار زلہاتے فہرستہ کی تصویر ہے ان کی ہوا
اس زیاں خانے میں کوئی ملت گروں وقار رہ نہیں سکتی ابد تک بار ووشن روزگار
اس قدر قوموں کی بربادی سے ہے خولہ جہاں دیکھتا ہے عہد سنائی سے ہے یہ منظر ہلال

ایک صہوت پر نہیں تھا کسی شے کو قرا
ذوقِ جدت سے ہے ترکیبِ پنج روزگار

ہے مہینِ ہر کی زینت ہمیشہ نامِ نو

ماورِ کستی رہی استنِ اقوامِ نو

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ لہر
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجو

مصرِ بابل ہٹ گئے باقی نشان تک بھی یہ
دفترِ ہستی میں ان کی داستان تک بھی نہیں

آدیا مہرِ ابرارِ کج اس کی شام نے
عظمتِ یونان و روم لوٹ لی ایام نے

آہِ مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا

اسماں سے آبرِ آذری اٹھا برسا گیا

ہے گلِ صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سوج کی کرنِ شبنم میں ہے الجھی ہوئی

سینہ سوریاشعاعوں کے لیے لہوار ہے
کس قدر پیارا لبِ جوہر کا لطف ہے

محوِ زینت سے صنوبرِ جو بہارِ آئینہ ہے
غنیِ گل کے لیے بادِ بہارِ آئینہ ہے

نعرہ زن رہی ہے کوئلِ باغ کے کاشانے میں
چشمِ انساں کے نہاں تپوں کے عزت خانے میں

اُور بیلِ مطبِ برنگیں نوائے ہرستاں
جس کے دم سے زندہ ہے گویا ہوائے ہرستاں

عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے
خاتمہ قدرت کی کیسی شوخ تحریر ہے

باغ میں خاموش جلسے طرستانِ لادوں کے ہیں واوی کُہسار میں نعرے شبانِ لادوں کے ہیں
زندگی سے یہ پرانا خالِ داسِ سمر ہے موت میں بھی زندگانی کی ترپے سمر ہے
چٹیاں بھولوں کی لرتی ہیں اس میں اس طرح دستِ طفلِ خُختے سے زنجیریں کھلونے جس طرح

اس نشاطِ آباد میں جو عیش بے انداز ہے

ایک غم یعنی غمِ موتِ ہمیشہ تازہ ہے

دل ہمارے یادِ عہدِ فرستے سے خالی نہیں اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں
اشکِ باری کے بہانے ہیں یہ اُجڑے بامِ در گریہِ پیسہ سے بیباک ہے ہمارا چشمِ در
دہر کو دیتے ہیں موتی ویدہ لریاں کے ہم آخری بادل میں ال لڑے ہوئے طوفانِ ہم
ہیں ابھی صندِ ہائِ اسن کی آغوش میں برق ابھی باقی ہے اس کھینچ خاموش میں
واوی گلِ خالص کو بنا سکتا ہے خوابِ سہمیہ دہقان کو جگا سکتا ہے

ہو چکا کہ قوم کی شانِ جدِ جلالی کا ظہور

ہے مگر باقی ابھی شانِ جدِ جلالی کا ظہور



نمود . صبح

ہو رہی ہے نیرِ امانِ اُشُق سے آشکا
 پانچکا فرصت درودِ فصلِ نجم سے سپر
 صبح یعنی خستہ دوشیزہ لیل و نہا
 کشتِ خاور میں ہے آفتابِ تیسرے کا
 آسماں نے آمدِ خورشید کی پاؤں خبر
 شعلہ خورشید کو یا حاصل اس کھیتی کا
 ہے وہاں نجمِ سحر جیسے عبادت خانے سے
 کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
 مطلعِ خورشید میں مضرب ہے ہر یوں مضمونِ صبح
 ہے تیرہ دامنِ بادِ خستہ لاطِ گیسوِ صبح
 صبح یعنی خستہ دوشیزہ لیل و نہا
 کشتِ خاور میں ہے آفتابِ تیسرے کا
 محلِ پروازِ شبِ باندہ حاسر دوشِ غبار
 بوتے تھے ہفتا گروں کے جوتاؤں کے شرار
 سب سے پیچھے چلے کوئی عابدِ شبِ زندہ
 کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغِ آبِ وار
 جیسے خلوت گاہِ دنیا میں شرابِ غم شگوا
 شورشنِ ناقوسِ آوازِ اذان سے ہمنکار

جلے کوئل کی اذان سے کھانا نہیں سہج

ہے ترقم ریزتِ انونِ سحر کا تار تار



۱۸۰
 بانگِ درا
 ۱۹۲۲

تضمین بر شعر انجمنی شاملو

ہمیشہ صوبت باو سحر آوارہ رستا ہوں
 دل بیتاب جا پہنچا دیار پیسہ بھر میں
 محبت میں سچ منزل سے بھی شتر جاوہ پیمانی
 میسر ہے جہاں دمان درو نہا شکیبائی
 ابھی ناشناختے لب تھا حرف آرزو میرا
 یہ مقدس صدا آتی جسم کے پئے والوں کو
 ترا قیس کیونکر ہو لیا سوز و دھنڈا
 کہ لیلیٰ میں تو میرا اب تک ہی انداز لیلیائی
 زمانے بھر میں سوا ہے تیری فطرت کی نازائی
 گنہگار سے باز معبود نوا ہاتھ کلیسانی
 دل شوید ہے لیکن سنم خانے کا سودائی
 پہونی ہے تربیت آغوش بیت اللہ میں تیری

”وفا انہو خستی ازما بکار و گیراں خم دی

ربو دی کوہرے ازما نثار و گیراں خم دی“



فلسفہ غم

(میاں فضل حسین صاحب پیر سٹریٹ لارہ لاہور کے نام)

گوسرا کیا کیفِ عشرت ہے شرابِ زندگی اشک بھی رکھتے ہیں میں سحابِ زندگی
موجِ غم پر رقص کرتا ہے جابِ زندگی ہے الم کا سُورہ بھی حُز و کتابِ زندگی

ایک بھی تپتی الرکم ہو تو وہ گل ہی نہیں

جو خزانِ نادیدہ ہو ٹپیل وہ ٹپیل ہی نہیں

ارتھ کے خون سے نکلیں ہر دل کی دستاں نغمۂ انسانیت کامل نہیں یہ اتر فغاں

دیدہ بنیا میں داغِ غم چراغِ سیمین ہے روح کو سامانِ نیست آہ کا آئین ہے

حادثاتِ غم سے ہے انسان کی فطرتِ کمال غار ہے آئینہ دل کے لیے لردِ ملا

غمِ جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب کے سازِ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب کے

طاہرِ دل کے لیے غمِ شہرِ پرواز ہے راز ہے انسان کا دل غمِ آشوبِ راز ہے

غم نہیں غم، روح کا ال نغمۂ خاموش ہے

جو سُرِ دہریہ بستی سے ہم غمِ خوش ہے

۱۸۲

بانگِ درا

۱۹۶

شام جس کی آشنائے نالہ یارب نہیں
 جلوہ پیر جس کی شب میں شگے کو نہیں
 جس کا جام دل شکستیم سے نہ آشنا
 جود مست شرابش عشرت ہی ما
 ہاتھ جس پس کا ہے محفوظ نوک خار سے
 عشق جس کا ہے خبر سے کسے آزار سے
 کلفتیم اگرچہ اس کو روز شب سے دو ہے
 زندگی کا راز اس کی آنکھ سے سہو ہے

اے کہ ظنم پر کا اور الے حاصل تجھے

کیونچہ آسان جو غم اندوہ کی منزل تجھے

ہے ابد کے نسخہ دیرینہ کی تہیہ عشق
 عقل انسانی ہے فانی زندہ جاوید عشق
 عشق کے خورشید شام اجل شربت ہے
 عشق سوز زندگی ہے تابہد پائندہ ہے
 رخصت محسوس کا مقصد ہوتا اگر
 جوش الفت بھی لعل عشق سے کر جاتا سفر
 عشق کو محسوس کے مرنے سے مر جاتا نہیں
 روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں

ہے بقاء عشق سے پیدا بقا محبوب کی

زندگانی ہے ہم آشنایا محبوب کی

آتی ہے تہیہ حبیب کو سے گاتی ہوئی
 آسمان کے طایروں کو نغمہ سکھاتی ہوئی
 آتہ روشن اس کا صوت رسا جو
 لڑکے ادوی کی چٹائی پر چڑھتا ہے چو

نہر جو تھی اس کے گہر پیسے پہن گئے
 یعنی اس افتاد سے پانی کے تارے بن گئے
 جوئے سیابان بھٹ کر پیش ہو گئی
 مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہو گئی
 ہجران قطروں کو لیکن وصل کی تعلیم
 دو قدم پھر نہیں جویشل تاریم
 ایک اہلیت میں ہے سروان زندگی
 لڑکے رقص سے سچویم نوع انساں بن گئی

پستی عالم میں ملنے کو جدا ہوتے ہیں ہم

عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
 یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں
 عقل بس دم و ہر کی آفات میں محصور ہو
 یا جوانی کی اندھیری ات میں ستور ہو
 دہن دل بن گیا ہو رزم کا غیور شر
 راہ کی خلعت سے ہو شکل سوئے منزل سفر
 خضر ہمت ہو گیا ہو آرزو سے گوشگیر
 فخر عجب جز ہو و خاموش آواز ضمیر
 واویستی میں کوئی ہم نہ تک بھی ہو
 جاوہ کھلانے کو جلنے کا شر تک بھی ہو

مرنے والوں کی جبین روشن ہے اس ظلمات میں

جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری ات میں



پُھول کا تحفہ عطا ہونے پر

وہ ست ناز گلشن میں جا سکتی ہے کلی کلی کی زباں سے دُعا نکلتی ہے

”الہی! پُھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے

کلی سے رشک گل آفتاب مجھ کو کرے“

تجھے وہ شاخ سے توڑیں از رہ نصیب تھے ترپتے رہ گئے گلزار میں رقیب تھے

اُٹھاکے صدرِ رفقتِ رصال تک پہنچا تری حیات کا جو ہر کمال تک پہنچا

مرا کنول کہ تصدق ہیں جس سج اہل نظر مے شباب کے گلشن کو ناز ہے جس پر

کبھی یہ پُھول ہم آغوشِ عشق نہ ہوا کسی کے دہنِ رنگیں سے آشنا نہ ہوا

شکستہ لڑنے سے کی کبھی ہار ہے

فسرہ رکھتے گلچیں کا ہنر ہے



ترانہ ملی

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
توحید کی مانند سینوں میں ہے ہمارے
دنیا کے بت لڑوں میں پہلا وہ لکھنؤ کا
تینوں کے کھلے میں ہم مل کر جواں ہوتے ہیں
مغرب کی ادویوں میں گونجی اذان ہماری
باطل سے دہنے والے اے آسمان نہیں ہم
اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہیں تجھ کو
اے موجِ جبل! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اے ارضِ پاک! تیری حرمت پہ کھٹکے ہم
سالارِ کارواں ہے میرے حجاز اپنا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہان ہمارا
آسمان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
خنجرِ ملال کا ہے قومی نشان ہمارا
تھمتانہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا
سوار کر چکا ہے ٹو اٹھنا ہمارا
تھاتیری ڈالیوں پر جب اشیاں ہمارا
اب تک ہے تیرا دیریا افسانہ خواں ہمارا
ہے خوں تری گلوں میں اب تک واں ہمارا
اس نام سے ہے باقی آراجم ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا

چوتھے باب وہ پیمائشِ کارواں ہمارا

۱۸۶

بانگِ درا

۱۶۰

وطنیت

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصوّر کے)

اس دور میں کے اور نئے عالم اور نئے جسم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا جسم اور
ساقی نے بنالی روشِ لطف و ستم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے حسنم اور

ان بازو ہندوؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیر میں اس کا ہے ہندو مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ ترشید تہذیب نفی ہے غارت گر کاشت نہ دین نبوی ہے
بازو ترا تو حید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا ویسے ہے تو مصطفوی ہے

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھائے

اصطفا فوی خال میں سُنّت کو ملا دے

ہو قیدِ ممتامی تو نتیجہ ہے تباہی رہ جسم میں آزاد وطن صورتِ ممتامی
ہے ترکِ وطن سُنّتِ محبوبِ لہی دے تو بھی نبوت کی صداقت ہے پوہام

گنہگار سیاست میں وطن اور پی کھچے

ارشاد نبوت میں وطن اور پی کھچے

اقوام جہاں میں ہے قابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کنزور کا گھر ہو جائے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق خدا بنتی ہے اس سے

قومیت اسلام کی جڑ لگتی ہے اس سے

ایک حاجی مینے کہہ رکھے ہیں

قافلہ لوٹا لیا صحرا میں اور منزل ہے دور
اس بیابان یعنی بھر خشک کا ساحل ہے دور
ہم سفر میرے شکار و شہ نہ رہن ہوئے
بچ گئے جو ہوئے بے دل سوئے بیت اللہ پھر
انس بخاری نوجوان نے کس خموشی سے جان دی
موت کے زہر اب میں پانی ہے اس نے زندگی
خنجر رہن اُسے گویا جلال عید تھا
ہاتے شرب دل میں لب پر نعرہ توحید تھا
خوف کہتا ہے کہ شرب کی طرف تنہا نہ چل
شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے بے باک نہ چل
بے یارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا لیا
عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤں گا لیا

خوفِ جان کھتا نہیں کچھ دشتِ پیائے حجاز
 ہجرتِ مدفونِ شرب میں یہی مخفی ہے از
 گو سلامت محلِ شامی کی ہمراہی میں ہے
 عشق کی لذت مگر خطروں کی جان کا ہی ہے
 اہ! یہ عیتِ زیاں اندیش کیا چالا ہے
 اور تاثر آدمی کا کس قدر بے باک ہے

قطعہ

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبیؐ پر رو رو کے لہہ رہا تھا
 کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بنائے ملت بٹا رہے ہیں
 یہ زائرِ انجمنِ مغرب ہزارِ مہاجر نہیں سماے
 ہمیں بھلا ان سے اسطہ کیا جو تجھ سے نسا آتا رہے ہیں
 غضب ہیں یہ مُرشدانِ خود ہیں خدا تری قوم کو بچائے
 بگاڑ کر تیرے مسدوموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں
 سُنئے گا قبال کون ان کو یہ نجس ہر بدل لئی ہے
 نئے زمانے میں آپؐ کو پرانی باتیں سنار ہے ہیں

شکوہ

کیوں یاکر بنوں سود فراموش ہوں فکر نہ کر انہ کروں محو غم و خوش ہوں
نارِ بیل کے سنوں اور ہمہ تن گوش ہوں ہم نوائیں بھی کی گئی کل ہوں خاموش ہوں
جرأتِ آمو زمری تپ سخن ہے مجھ کو

شکوہ اللہ سے خاتم بدہن ہے مجھ کو

ہے سب شیوہ تسلیم میں شہور ہیں ہم قصہ درو سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں فریاد سے سہور ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا بشکوہ اربابِ وفا بھی سن لے

خوارِ حم سے تھوڑا سا کلام بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تھی اسے قدیم پھول تھارے ہیں چہ نہ پریشان تھی شمیم
شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عظیم بوئے گل پھیتی کس طرح جو ہوتی نہ شمیم

140
بانگ درا
142

ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی

ورنہ امتِ تیرے محبت کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجیب تیرے جہاں کا منظر کہیں مسجود تھے چہرے کہیں مسجود شجر

خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر مانتا پھر کوئی اُن دیکھے حند اللو لوند

تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟

قوتِ بازوئے سلم نے کیا کام ترا

بس ہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی اہلِ چین میں ایران میں ساسانی بھی

اسی سوئے میں آباد تھے یونانی بھی اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے

بات جو بڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

تھے ہمیں ایکے سے کراؤں میں خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افیتہ کے پتے پتے صحراؤں میں

شانِ انکسوں میں نہ جیتی تھی جہاں داروں کی

کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے سرخ پھرتے تھے کیا دہریوں کی لت کے لیے؟

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی

مل نہ سکتے تھے الرجنک میں اڑ جاتے تھے پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اٹھ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہو ا کوئی تو بگڑ جاتے تھے تیغ کیا چیز ہے ہم تو پ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زیرِ خیمہ بھی یہ پیام سنایا ہم نے

توہی کہہ دے کہ اٹھاڑا درخیز کس نے شہرِ قصیر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توٹے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے کاٹ کر رکھ دیے گغار کے لشکر کس نے

کس نے ٹھنڈا لیا آتشِ کدہ ایران کو؟

کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی اور میرے لیے زحمت کشں بیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہاں لیر جہاں دار ہوئی کس کی تجیر سے دنیا تری بیدار ہوئی

کس کی سیت صنم سے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل لڑکے ہوا اللہ احد کہتے تھے

اگیا عین لڑائی میں اگر وقت نسا ز قبلہ دھوکے میں بوسہ جی قوم حجاز
ایک ہی صف میں لکڑے ہوئے محمود ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوئے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے
محفل کون و مکاں میں سحر شام بھی مے توحید کو لے کر صفت جام بھی
کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام بھی اور سلوک پہ تجھ کو کبھی ناکام بھی
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوٹے ہم نے
بحر طلمات میں ڈرا دیے لھوٹے ہم نے

صفحہ و ہر سے ہاسل کو مٹایا ہم نے نوع انسان غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بکسایا ہم نے تیرے قرآن کو سینوں سے گھسایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ طعنے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تو ولدِ انہیں!

اُمّتیں اور بھی ہیں ان میں گناہ بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں مست مے پندار بھی ہیں
ان میں کامل بھی ہیں خافل بھی ہیں شیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ تم سے نام سے بیزار بھی ہیں

رحمتیں ہیں مئی غیار کے کاشت انوں پر

برق لرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بت صہنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی ان کو کہ سب کے نگہبان گئے
منزل پر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے
اپنی بعلوں میں دباے سوئے آن گئے

خند زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

یہ شکایت نہیں ہیں ان کے خزانے مسمور
نہیں محسن میں جنصیات بھی کرنے کا شہور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو بطیں خور قصور
اور بیچارے مسلمان کو فقط وعدہ حور

اب وہ الطاف نہیں سمجھ رہے عنایات نہیں

بات یہ کی ہے کہ پہلی سہی رات نہیں

کیوں مسلمانوں میں ہے ولت دنیا بایا
تیری قدرت تو ہے جس کی نہ ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے حباب
رہو دشت ہو سیلی زوہ موج سرباب

طعنِ انجیار ہے رسوائی ہے ناوار ہی ہے

کیا ترے نام پر مرنے کا عوض خوار ہی ہے؟

بنی غیار کی اب چاہنے والی دنیا رہ لےتی اپنے لیے ایک خیالی دنیا

ہم تو رخصت ہوئے اوڑوں نے سنبھالی دنیا پھر نہ کہنا ہوئی توحیدِ حق کی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں نام ہے

کس میں ممکن ہے کہ ساقی نہ ہے جام ہے!

تیری محفل بھی لےتی چاہنے والے بھی لےتے شب کی آہیں بھی لہیں صبح کے نالے بھی لےتے

دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا بھی لےتے اکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی لےتے

اے عشاق گئے وعدہ مند لے کر

اب انھیں ٹھونڈ چرائی رخِ زیبائے کر

درِ سیلی بھی دہی پس کا پہلو بھی دہی نجد کے دشت و جبل میں ہم آہو بھی دہی

عشق کا دل بھی دہی پس کا جادو بھی دہی امتِ احمد مرسل بھی دہی تو بھی دہی

پھر یہ از روئی غیب کیا معنی

اپنے شیداؤں پر یہ چشمِ غضب کیا معنی

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟
بت لکری پیشہ کیا، بت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشتی سے سری چھوڑا؟
رسمِ سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا؟

اگل تجسیر کی سینوں میں بی کھتے ہیں

زندگی مثلِ بلال حبشی کرکھتے ہیں

عشق کی خیر و ہوسل سی اد ابھی نہ سی
جادو پیسا کی تسلیم ضرب ابھی نہ سی
مضطرب دل صفتِ قبلہ نہ ابھی نہ سی
اور پابندی آئین نہ ابھی نہ سی

کبھی ہم کئے کبھی غیروں سے شل سائی ہے

بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر جانی ہے

سرفراں یہ کیا دین کو کامل تو نے
اک لٹکے میں سزاؤں کے لیے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے
پھونک دی گرمی خسارے حاصل تو نے

آج کیوں سینے پر ہے شراب آباد نہیں

ہم وہی سوختہ سماں ہیں تجھے یاد نہیں؟

واوہی نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس دیوانہ نظارہ محفل نہ رہا

حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا
گھر یہ جڑا ہے کہ توروں محفل نہ رہا

اے خوش آن روز کہ آئی و بصد ناز آئی

بے حجابانہ نوحے محفلِ ناباز آئی

بادہ شش غیر پیش میں لبِ جُلیٹھے سُنتے ہیں حجابِ کفِ نعلین کو گُلیٹھے

دُور ہنگامہ گلزار سے یکسو بیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ٹھو بیٹھے

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خودِ افروزی دے

برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قومِ آوارہ عنان تاجِ پھر سُوئے حجاز لے اُڑا بسِ بے پروا کو مذاقِ پرواز

مضطربِ باغ کے سرِ غنچے میں سے ٹوٹے نیا ٹوڑا چھیر تو دے تیشہ مضر اب سے ہما ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

طُورِ مضطر ہے اُسی آل میں جلنے کے لیے

مشکدیں اُتستِ مرغوم کی آساں کر دے مَوْبے لایہ کو ہمدِ شمسِ سلیمان کر دے

جنسِ نایابِ محبت کو پھر ازراں کر دے ہند کے نورِ شینوں کو مسلمان کر دے

جوتے خوں می چلے از حسرتِ دیرینہ ما

میں تپد مالہ نہ بسترِ کدہ سینہ ما

نوتے گل لے گئی بیرونِ حسن از حسن کیا قیاس ہے کہ خود مچھول ہیں غمازِ حسن !
عہدِ گل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ حسن اڑ گئے ڈالوں سے زمزمہ پڑا زِ حسن

ایک سبیل ہے کہ ہے مجھ ترغیمِ تک

اس کے سینے میں ہے نغموں کا قلاطمِ تک

قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی نہیں پتیاں مچھول کی جھڑ جھڑ کے پتیاں بھی نہیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی نہیں ڈالیاں سپہرین برگِ عریاں بھی نہیں

قیدِ موسم سے طبیعتِ ہی آزاد اس کی

کاشِ گلشن میں سمجھت کوئی فریاد اس کی

لطفِ مرنے میں ہے باقی نہ مزا بیٹھے میں کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پیئے میں
کتنے بے تاب ہیں جو ہر مرے آئینے میں کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں

داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لائے ہی نہیں

چاک اس سبیل تنہا کی نوا سے دل ہوں جاگنے والے اسی بانگِ دُرائے دل ہوں

یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں پھر اسی باوۂ دیرینہ کے پیائے دل ہوں

عجمنی سے کہ تو کیا ہے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی سے کہ تو کیا ہے تو حجازی ہے مری

چاند

اے چاند جس نے فطرت کی آبرو ہے طوفِ حیم خالی تیرے قلمِ خم ہے
یہ داغ سا تجو کی گیسو میں ہے نمایاں عاشق ہے تو کسی کا یہ داغ آرزو ہے؟
میں مضطرب نہ رہیں بے بیتاب تو فلک پہ تجھ کو بھی بستجو ہے مجھ کو بھی بستجو ہے

انساں ہے شمع جس کی پھل وہی ہے تیری

جس کی طرف وہ ان سچے منزل ہی ہے تیری

تو ڈھونڈتا ہے جس کو تاروں کی خاموشی میں پوشیدہ ہے وہ شاید غوغائے زندگی میں
استادہ ہنرمیں ہے ہنرے میں مہربا ہے بے بل میں نغمہ زن ہے خاموش ہے کلی میں
آب میں تجھے دکھاؤں رخسار روشن اس کا نہروں کے آئنے میں شبنم کی آری میں

صحرا و دشت و دریاں کہسار میں وہی ہے

انساں کے دل میں تیرے رخسار میں وہی ہے

رات اور شاعر

(۱)
رات

کیوں میری چاندنی میں بھرتا ہے تو پریشاں
خاموش صورت گل ماندہ نور پریشاں
تاروں کے موتیوں کا شاید ہے جوہری تو
پھل ہے کوئی میرے ریتے نور کی تو
یا تو مری جس کا تارا لہرا رہا ہے
رفت کو چھوڑ کر جو پستی میں جا رہا ہے
خاموش ہو گیا ہے تار رہا ہے پستی
ہے میرے آئنے میں تصویر خواہ پستی
دریا کی تہ میں چشم لڑا ہے بولتی ہے
حال سے کاس کے موج بیتاب سو گئی ہے
بستی زمیں کی کیسی ہنگامہ فریں ہے
یوں سو گئی ہے جیسے آبادی نہیں ہے

شمع کا دل ہے لیکن نا آشنا سوں سے
از اور کہیپا تو کیونکر مے فسون سے؟

(۲)

شاعر

میں ترے چاند کی کھیتی میں نہیں بوتا ہوں
چھپ کے انسانوں سے مانندِ سحروتا ہوں

بانگ درا
۱۸۲

دن کی شورش میں نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں
 مجھ میں فریاد جو نہاں ہے سناؤں کس کو
 عزتِ شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں
 تیشِ شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو
 برقِ امین کے سینے پہ پڑی روتی ہے
 دیکھنے والی ہے جو آنکھ لہساں روتی ہے
 صفتِ شمع لحدِ مردہ ہے محفلِ میری
 آہائے اتا بڑی روتی ہے نزلِ میری
 عہدِ حاضر کی ہوا اس نہیں ہے اس کو
 اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو

ضبطِ پیغامِ محبت کے لہجہ سرائتا ہوں
 تیرے بندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

نغمہ

سُوج نے جاتے جاتے شامِ قیام کو
 پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
 طشتِ اُفتخ کے کر لائے کے پھول مارے
 قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اُتارے
 محلِ حنا مٹی کے لیلانے ظلمتِ آبی
 چمکے عروں شب کے موتی وہ پیارے پیارے
 وہ دور رہنے والے ہنگامہ جہاں سے
 کہتا ہے جن کو اس اپنی زباں میں تارے

مخوفانہ مژبی تھی اس بن ملک کی

عرش بریں سے آئی اوزال ملک کی

اے شے کے پاس انا اے آسمان کے تارو! تابندہ قوم ساری گڑوں شیں تمھاری

چھڑو سو دایا خیال انھیں سونے والے رہبر بے قافلوں کی تاجبیں تمھاری

ایسے قسمتوں کے تم کو یہ جانتے ہیں شاید سنیں صدائیں اہل زمین تمھاری

رخصت ہوئی خموشی تاروں بھری فضا سے

وسعت تھی آسمان کی مہر اس نواسے

حسن ازل ہے پیدا تاروں کی دلبری میں جس طرح عکس گل ہو شبنم کی آرسی میں

امین نو سے ڈرنا طس سز کٹھن یہ اڑنا منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

یہ کاروان ہستی ہے تپ سز گام ایسا قومیں لپکتی ہیں بس کی واوی میں

انکھوں سے ہیں ساری غائب سزاؤں خیم داخل ہیں وہ بھی لیکن اپنی برادری میں

اک عسمرین سمجھے اس کو زمین والے جو بات پالتے ہم تھوڑی سی زندگی میں

ہیں جذب یاہمی سے قائم نطف نام سارے

پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

سیرِ فلک

تھا نخیل جو ہم سہ میرا اسماں پر چو گزر میرا
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی جاننے والا پسرخ پر میرا
تارے حیرت دیکھتے تھے مجھے رازِ سرِ بستہ تھا سفر میرا

حلقہٴ صبح و شام سے نکلا

اس پرانے نظام سے نکلا

کیا سناؤں تمہیں ارم کیا ہے خاتمِ آرزوئے دیدہ و گوش
شاخِ طوبیٰ نے پسند ریز طیو بے حجب بانہ خور جلوہ فروش
ساقیانِ بیل جام بدست پیئے والوں میں شورِ نوشا نوش
دو جنت کے آنکھ نے بھیج ایک تار یک خانہ ہر دو سنوش
طالعِ قیس کیسے لیلیٰ اُس کی تار کیوں سے پیش بدوش
خُٹک ایسا کہ جس شکر کمرہٴ زمہ سر پر پور و پوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اُس کی حیرت انگیز تھا جوابِ سروش

یہ تمام خاک و پتھر ہے مارے نور سے تھی آغوش
شعلے جوتے ہیں ستار اس کے جن سے لڑاں ہیں مریخ و عطارد

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں

اپنے انکار ساتھ لاتے ہیں

نصیحت

میں نے اقبال سے ازراہ نصیحت کیا
تو بھی ہے شیوہ اربابِ بیا میں کامل
جھوٹ بھی مصلحت ایسے نذر آہوتا ہے
ختم تفتیر تری مدح سے فکر یہ ہے
درحکام بھی ہے تجھ کو صفتِ مہم محمود
اور لوگوں کی طرح تو بھی ٹھپا سکتا ہے
نظر آجاتا ہے مسجد میں بھی عید کے دن
دست پر دترے ملک کے اخبار بھی ہیں
حامل روزہ ہے تو اور نہ پاسبانِ زمانہ
دل میں بندن کی ہوئے لب پہ ترے کرجاؤ
تیرا انداز تسلیت بھی سراپا عجاؤ
فکر روشن ہے تو اوجہ بد آئینِ نبیائے
پالسی بھی تری چپیدہ از زلفِ ایام
پردہ خدمتِ دین میں ہوئے حاکمِ کار
اثرِ وعظ سے جوتی ہے طبیعت بھی لہجہ
چھٹیر نافرض ہے جن پر تری تشہیر کا سناؤ

۲۰۲۲

بانگ درا

۱۸۸

اس پر طرہ ہے کہ ٹو شمر بھی کہہ سکتا ہے
تیری مینائے سخن میں ہے شراب شیرا
جتنے اوصاف ہیں لٹکے وہ ہیں تجھ میں سبھی
تجھ کو لازم ہے کہ ہو اٹھ کے شرکت تک
غمِ سیاہ نہیں اور پر بال بھی ہیں
پھر سب کیا ہے نہیں تجھ کو دماغ پر

”عاقبت منزلِ ماوایِ خاموشان است
حالیٰ غلغله در کنبہٴ کمال اندا“

رام

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جاگ رہا ہند
سب سنی ہیں خطہٴ مغرب کے رام ہند
یہ ہند یوں کے فکرِ فلک رس کا ہے اثر
رفت میں آسماں سے بھی اونچا ہے رام ہند
اس دس میں جوتے ہیں ناراں ملکِ شرت
مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
ہے ام کے جو وہ ہندوستان کو نماز
ایلِ نطنہ سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
اعجازِ انس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شام ہند

تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فروم تھا
پالیزلی میں جوشِ محبت میں فروم تھا

موٹر

کیسی پتے کی بات جھگڑنے کل کہی
 موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش
 ہنگامہ آفسرین نہیں اس کا خرام نا
 مانند برق تیز ہشال ہوا خموش
 میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر یہ منحصر
 ہے پاشکسہ تھیو فریڈ سے جس
 مینا دام شور شقلشل سے پائگل
 شاعر کے فکر کو پر پڑا حتمشی
 لیکن مزاج جام حرام آشنا خموش
 سٹریہ وار گرمی آواز حتمشی!

انسان

منظر چمنستان کے زیبا ہوں کہ مازیبا
 محروم عمل زکس مجبور تماشا ہے
 رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو
 فطرت ہی سنوبر کی محروم تماشا ہے
 تسلیم کی خاک ہے جو چیز ہے دنیا میں
 انسان کی ہر قوت سرگرم تقاضا ہے
 اس فتنے کو رہتی ہے سعت کی ہونٹم
 یہ ذرہ نہیں شاید سمٹا ہو احسا ہے

چاہے تو بدل ڈالے سیت چمنستان کی

یہ پستی و انا ہے بیسنا ہے تو انا ہے

خطابہ جوانان اسلام

کبھی اے جوانِ مسلم! تدبیر بھی کیا تو نے
 تجھے اس قوم نے پالا ہے اغوشِ محبت میں
 تمدنِ انیسویں صدی کا تاقِ امنِ جاں داری
 سمانِ شرفِ فخری کا رہا شانِ امارت میں
 کدانی میں بھی اللہ والے تھے غمور اتنے
 غرض میں کیا انہوں تجھے کہ جھڑپیں کھاتے
 اگرچہ ہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں لکھ دو
 تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
 گنوا دہی نے جو اسلام کی سرِ پائی تھی
 حکومت کا تو کیا ورنہ اہلِ عارضی سے تھی
 مگر وہ علم کے موتی کتے اپنے آبا کی
 ”غنی روزیہ کثیر“ ان تماشائوں

وہ کیا کروں تھا تو جس کا ہے ال ٹوٹا ہوا تارا
 کچل ڈالا تھا جس کے پاؤں میں تاجِ سلاطین
 وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گھوڑا
 ”بات نہ نکال خالِ خطِ حاجت نے زیارا“
 کہ منعم کو لدا کے ڈرنے شش کا نہ تھا یاد
 جہانِ جہاں اور جہاں مان و جہاں آرا
 مگر تیرے تخیلِ فنیوں سے وہ نظارا
 کہ تو کلفتِ روہ کو از تو ثابت وہ سیارا
 ثریا سے میں بچ آسمان نے ہم کو دے مارا
 نہیں دنیا کے آئینِ ستم کے کوئی چار
 جو یسیرانِ یوہ میں تو دل ہوتا ہے سیارا
 کہ نورِ دیدِ اشرفِ روشن کند چشمِ زلیخارا

غزوة شوال

یا

ملالِ عید

غزوة شوال! اے نورنگاہِ روزہ دار
 تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے
 اگر تھے تیرے لیے مسلم سراپا انتظار
 شامِ تیری کیا ہے صبحِ عیش کی تہیہ ہے
 اے مہِ نو باہم کو تجھ سے اُلفتِ یرینہ ہے
 سرگزشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے
 دشمنوں کے خون سے نگینِ قیامت تھے ہم
 جس علم کے سائے میں تیغِ آزما ہوتے تھے ہم
 حُسنِ روزافروں سے تیرے آبر و ملت کی ہے
 تیری قسمت میں ہم غوثی اُسی ایت کی ہے
 ہے محبتِ خیز یہ پیرِ بہنِ سیمیں ترا
 آشنا پر ہے قومِ اپنی وفا آئیں ترا

اوجِ کدوؤں سے فرا دنیا کی بستی دکھ لے
 اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دکھ لے

۲۰۸

بانگِ درا

۱۹۲

قافلے دیکھ اور ان کی برقِ فتاری بھی دیکھ
 دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے لہر
 فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر
 دیکھ مسجد میں شکستِ رشتہ تبسّمِ شیخ
 کافروں کی مسلم آئینہ کا بھی لٹا رکھ
 بارشِ گناہِ اوش کا تماشائی بھی ہو
 ہاں تملقِ پیشی دیکھ ابرو والوں کی تو
 جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا
 ساڑھ عشرت کی صہامِ مغرب کے یوانوں میں
 چاک لڑی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا

رہر در ماندہ کی منزل سے سب زاری بھی دیکھ
 اے تھی ساغرِ ہمارے آج ناداری بھی دیکھ
 اپنی آزادی بھی دیکھ ان کی گرفتاری بھی دیکھ
 بُت لے مین بہمن کی پختہ نزاری بھی دیکھ
 اور اپنے مسلمانوں کی مسلم آزاری بھی دیکھ
 اُمتِ محرم کی آئینہ یواری بھی دیکھ
 اور جو بے ابروت تھے ان کی خوداری بھی دیکھ
 اُس حریف بے باں کی گرمِ نفتاری بھی دیکھ
 اور ایران میں ماتم کی تیاری بھی دیکھ
 ساوکی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

صوّتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ
 شورِ شہرِ امروز میں مجھ سرودِ دوش رہ



شمع اور شاعر

(فروری ۱۹۱۲ء)

شاعر

دوشس می نفتم بہ شمع منزل ویران خویش
کیوں تو از پر پروانہ دارو شانہ اے
وہ جہاں مثل چراغ لالہ صحرایم
نے نصیب محفل نے قسمت کا شانہ اے
تہ تے مانند تو من ہم نفس می سوختم
در طواف شعلہ ام بالے نہ زد پروانہ اے
می تپد صد جلوہ در جان اہل شہ و من
بر نمی خیزد ازین محفل دل دیوانہ اے

۲۱۰

بانگ درا

۱۹۱۲

از کجبا این آتش عالم سوزاند و حتی
که کباب بے مایه را سوزد کلیم اوستی

شمع

مجھ کو جو موجِ نفس دیتی ہے پیغامِ اجل
لب اسی موجِ نفس سے ہے نوا پیرا ترا
میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمحل مری فطرت میں سوز
تو سوزاں ہے کہ پروانوں کو چوسد و اترا
گر یہ سماں میں کہ سیسے دل میں ہے طوفانِ اشک
شبِ نیم فشاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چہ چا ترا
گل بہ دامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح
ہے ترے امروز سے نا آشنا فردا ترا
یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں کھلتا نہیں
شعلہ ہے پشیل چراغِ لالہ صحرایا ترا

سوچ تو دل میں، لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟
 انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہب اترا!
 اور ہے تیرا شمار آئینِ نلت اور ہے
 زشتِ رُوتی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا
 کعبہ پسو میں ہے اور سو اتنی بت خانہ ہے
 کس قدر شوریدہ سر ہے شوق بے پروا ترا
 قیس پیدا ہوں تری محفل میں! یہ ممکن نہیں
 تنگ ہے صحرِ اتر، محل ہے بے لیدا ترا
 اے در تائبند، اے پروردہ آغوشِ موج!
 لذتِ طوفان سے ہے نا آشنا دریا ترا
 اب نو اپیرا ہے کیا، گلشنِ ہوا برہم ترا
 بے محفل تیرا ترنم، نغمہ بے موسم ترا
 تھا جنھیں ذوقِ تماشا، وہ تو رخصت ہو گئے
 لے کے اب تُو وعدہ دیدارِ عام آیا تو کیا

انجمن سے وہ پُرانے شعلہ آسام اٹھ گئے
 ساقیاء محفل میں تُو آتش بجام آیا تو کیا
 آہ، جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چلی
 پھول کو بادِ باری کا پیام آیا تو کیا
 آخر شب دید کے قابل تھی سہل کی تڑپ
 صبح دم کوئی اگر بلائے بام آیا تو کیا
 مجھ کی وہ شعلہ جو مقصودِ ہر پروانہ تھا
 اب کوئی سوداگی سوزِ تمام آیا تو کیا
 پھول بے پروا ہیں، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
 کارواں بے جس ہے آوارِ درا ہو یا نہ ہو
 شمع محفل ہو کے توجب سوز سے خالی رہا
 تیرے پروانے بھی اس لذت سے سگانے رہے
 رشتہ الفت میں جب ان کو پرست تھا تو
 پھر پریشاں کیوں تری تبیح کے دانے رہے

شوق بے پروا کی، فکرِ فلکِ پیما کی
 تیری محفل میں نہ دیوانے نہ نرانی ہے
 وہ جگر سوزی نہیں وہ شعلہ شامی نہیں
 فائدہ پھر کیا جو گردشِ شعری پرانی ہے
 خیر، تو باقی سی لیکن پلائے گاکے
 اب نہ دے کشش ہے باقی نہ میخانے ہے
 رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی سینا سے
 کل تک گردش میں جس باقی کے پیمانے ہے
 آج ہیں خاموشی و ہشتِ جنوں پوچھنا
 رقص میں سیلی رہی، سیلی کے دیوانے ہے
 وائے ناکامی! مستراحِ کارواں جاتا رہا
 کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا
 جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے بھی
 شہرِ ان کے مٹ گئے آبادیاں بن چکی ہیں

سطوتِ توحید قائم جن سازوں سے ہوئی
 وہ سازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں
 دہر میں عیش و ام آئیں کی پابندی سے
 موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں
 خود تجلی کو مستاجن کے نظاروں کی تھی
 وہ نگاہیں نا اُمید نورِ امین ہو گئیں
 اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
 دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشین ہو گئیں
 وسعتِ گردوں میں تھی ان کی تڑپِ نظارہ سونہ
 بجلیاں آسودہ دامنِ حنہ من ہو گئیں
 دیدہ خوبار ہو منت کش گلزار کیوں
 اشکِ پیہم سے نگاہیں گل بہ دامن ہو گئیں
 شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
 ظلمتِ شب میں نظر آئی کرنِ اُمید کی

مژدہ لے پیمانہ بردارِ خمستانِ حجاز
 بعدِ مدت کے ترے ندوں کو پھر آیا ہے ہوش
 نعتِ خود داری بہلے باوۂ غبار تھی
 پھر دکاتِ سیری ہے لبریزِ صدائے ناؤ نوش
 ٹوٹنے کو ہے طلسمِ ماہِ سیما یں پسند
 پھر سلیمی کی نطنزدیتی ہے پیغامِ خسروش
 پھر یہ غوغا ہے کہ لاساقی شراب خانہ ساز
 دل کے سنگام سے مغرب کے کر ڈالے خموش
 نغمہ پیرا ہو کہ یہ سنگامِ خاموشی میں
 ہے بحر کا آسمانِ خورشید سے مینا بدوش
 درِ عنبر و کیر بسوز و دلیراں راہِ رسم بسوز
 گنفتِ روشن حدیثے کرتوانی دارِ گوش
 کہہ گئے ہیں شاعریِ مجزوست از پیغمبری
 ہاں سنا دے محفلِ ملت کو پینامِ سروش

آنکھ کو بیدار کر دے وعدہ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا

بحرِ مہمت صحرا میں تو، گلشن میں مثلِ جوہر ہوا

اپنی اصلیت یہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی

چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بُو ہوا

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات

یہ کبھی گوہرِ کبھی شبنم، کبھی آنسو ہوا

پھر کہیں سے اس کو پیدا کر، بڑی دولت ہے یہ

زندگی کیسی جو دل بے گمانہ پہلو ہوا

ابرو باقی ترمی ملت کی جمعیت سے تھی

جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا تو ہوا

فردِ قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور سیرِ دریا کچھ نہیں

۲۱۷
ماٹھے در
۲۰۱

پروہ دل میں محبت کو ابھی ستور رکھ
 یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر
 خمیہ زن ہو وادی سینا میں مانسہ کلیم
 شعلہ تھتیق کو غارت گر کا شانہ کر
 شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
 صرف تعمیرِ حیرتِ خاکستر پروانہ کر
 تو اگر خود دار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو
 عین دریا میں حبابِ آسائلوں پیمانہ کر
 کیفیتِ باقی پُرانے کوہِ صحرا میں نہیں
 ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
 خال میں تجھ کو مُعتد کرنے ملا یا ہے اگر
 تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ اندہ کر
 ہاں، اسی شہنشاہِ کُن پر پھر بنائے اشیاء
 اہلِ کُشن کو شہیدِ نغمہ ستانہ کر

اس چمن میں سپر و بلبل ہو یا تمسکِ نخل
 یا سراپا نالہ بن جا یا نواپداندہ کر
 کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رَمِ شبنم ہے تُو
 لب کشا ہو جا، سرودِ بریطِ عالم ہے تُو
 آشنا اپنی حقیقت سے ہو لے دھتارِ ذرا
 دانہ تو، لھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تُو
 اہ، کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
 راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تُو
 کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفان سے کیا
 ناختہ تو، بحرِ توشہ تھی بھی تو، ساحل بھی تُو
 دیکھ اگر کوچہ چاکِ گریباں میں کبھی
 قیس تو، لیلیٰ بھی تو، صحرا بھی تو، محفل بھی تُو
 وائے نادانی کہ تُو محنتِ ساقی ہو گیا
 مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تُو

شعلہ بن کر ٹھونکنے کا شاک غیر اللہ کو
 خوفِ باطل کیا کہ ہے عارتِ کرباں بھی تو
 بے خبر! تو جو ہر آئینہ ایام سے
 تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے
 اپنی اصلیت سے ہوا گاہ اے غافل کہ تو
 قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
 کیوں گرفتِ طلسمِ ہیچ مت داری ہے تو
 دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
 سینہ ہے تیرا ہیں اس کے پیام ناز کا
 جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے نہاں بھی ہے
 ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفتک
 تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
 اب ملک شاہ ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت
 اے تغافل پیشہ! تجھ کو یاد وہ پہیاں بھی ہے؟

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر لیا
ورنہ کاشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے
دل کی کیفیت ہے پیدا پر وہ تفسیر میں
کسوت بینا میں سے مستور بھی، عریاں بھی ہے
پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے

اور میری زندگانی کا یہی سماں بھی ہے
راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
جلوہ تفتید میرے دل کے آئینے میں دیکھ!

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمات کی سیماں پا ہو جائے گی
اس قدر ہو گی ترنم آئیں با و بہار
نکھت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آملیں گے سینہ چاکاں چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی نفیس باد صبا ہو جائے گی

شبِ بنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و سنا
 اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
 دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مال
 موجِ مضطرب ہی اسے زنجیرِ پیر ہو جائے گی
 پھر دلوں کو یاد آجائے گا سینا مِ سجود
 پھر حبیبِ خالِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
 نالہ صیاد سے ہوں گے نوا سا ماں سیور
 خونِ چپیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
 آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ اسکتا نہیں
 محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیل سے کیا ہو جائے گی
 شبِ کریمیاں ہولی آخر جلوۂ خورشید سے
 یہ چمن معسور ہو گا نغمۂ توحید سے



مسلم

(جون ۱۹۱۲ء)

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں ستو ہے
سینہ سوزاں ترا منیرا دے ستو ہے
نغمہ تہیہ تیری بربطِ دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیری محل میں نہیں
گوش آوازِ سرورِ قدرت کا جو یا ترا
اور دل پسندہ حاضری بے پروا ترا
قصہ گل ہم نوایاں چمن سنبتے نہیں
اہل محفل تیرا سینہ کم اُسن سنبتے نہیں
اے دراتے کاوانِ خفتہ پا با خاموش رہ
ہے بہت یاں کفر تیری صدا خاموش رہ

زندہ پھر مچھل دیرینہ ہو سکتی نہیں
شمع سے روشن شبِ شینہ ہو سکتی نہیں

ہم نشینِ مسلم میں توحید کا حال ہوں میں
اس صداقت پر ازل سے چاند لہجوں میں
نبضِ جوات میں پیدائشِ احرار اس کے ہے
اور علم کے تختِ جلیات اس کے ہے
حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا
اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا
دہرِ مرغارت کربل پرستی میں ہوا
حق تو یہ ہے حافظِ ناموس پرستی میں ہوا

۲۲۳
ماٹھے در
۲۰۴

میری ہستی پر غنچ سیرتی عالم کی ہے
 قسمت عالم کا سلم کو کسب تائبند ہے
 اشکارا ہیں میری آنکھوں پر اسرار حیا
 کتب اسکتا ہے نسیم کا عارضی منظر مجھے
 یاس کے غنصر سے ہے آزاد و سیر روزگار
 ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہد کُن ہستایوں میں
 یادِ عہدِ فرست میری خال کو اکسیر ہے
 میرے سر جانے سے سوائی بنی آدم کی ہے
 جس کی تابانی سے افسون بھر شر مند ہے
 کہ نہ نہیں سکتے مجھے نومید بیکار حیا
 ہے بھر سا اپنی ملت کے مقدر پر مجھے
 فتح کامل کی خبر دیتا ہے جوش کارزار
 اہل محفل سے پرانی ہستیاں کہتا ہوں میں
 میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سامنے لکھتا ہوں اس دو نشاط افزا کو میں
 دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

حضورِ اکرم ﷺ میں

گراں جو مجھ پر پہنکا مہ زمانہ ہوا
 قیو و شام و بھر میں برتو کی لکین
 جہاں سے باندھ کے رختِ سفروانہ ہوا
 لطفِ کم کہتے عالم سے آستانہ ہوا

۲۲۲

بانگِ درا

۲۰۸

فرشتے برہم رسالت میں لے گئے مجھ کو

حضور آیہ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضور نے اے علیؑ باغ حجاز

کھلی کھلی ہے تری کرمی نوا سے گداز

ہمیشہ سرخوش عالم ولایت تیرا

فتاویٰ ہے ترغیبی تیرے بھو دنیا

اڑا جو پستی دنیا سے تھو سوتے لڑوں

سکھاتی تجھ کو ملائکے نے رعبت پروں

نکل کے باغ جہاں سب گنبد ہو آیا

ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

”حضور! اوپر میں آسودگی نہیں ملتی

تلاش جس کی ہے زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ گل ہیں یا ضرر ہستی میں

وفا کی بس میں جو ہو وہ کلی نہیں ملتی

مگر میں نذر کو الٰہی پسند لایا ہوں

جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے ہیئت کی آبرو اس میں

طرابکس شہیدوں کا ہے لہو اس میں



شفا خانہ حجاز

اک پیشوائے قوم نے قہرِ سال کے کھائے کھلنے کو جدہ میں ہے شفا خانہ حجاز
ہوتا ہے ہر خیال کا ہر فرقہ و فتنہ سنا ہے تو کسی سے جو فسانہ حجاز
دستِ جنوں کو اپنے بڑھا جب کی طرف شہرِ توحید میں ہے یوانہ حجاز

دار الشفا والی الطحا میں چلیے

نبضِ مریضِ خبیثہ عیسیٰ میں چلیے

میں نے کہا کہ موت کے پردے میں حیات پوشیدہ جس طرح ہے حقیقت مجاز میں
تلخا بہ اجل میں جم عا شق کو مل گیا پایا نہ خضر نے عمرِ سرِ راز میں
اوروں کو دیں حضور! یہ پیغامِ زندگی میں موت ٹھونڈتا ہوں میں حجاز میں

آتے ہیں آپ کے کشف کا پیام کیا
رکھتے ہیں اہلِ درویشاے کام کیا



۲۲۶
بانگِ رے رے
۲۱۰

جواب شکوہ

دل سے جواب نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پر از مگر رکھتی ہے
قدسی اصل ہے رفعت نہ نظر رکھتی ہے خال سے اٹھتی ہے لڑو چ لڑ رکھتی ہے
عشق تھا فتنہ کہ بوسہ شش و چالال مرا

آسمان چیریا مارے بال مرا

پیر لڑوؤں نے کہا سُن کے کہیں ہے کوئی بولے سیکے سرِ عرش ہیں ہے کوئی
چاند کتا تھا نہیں اہل زمین ہے کوئی کشاں کہتی تھی پوشیدہ ہیں ہے کوئی
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا

مجھے جنت سے نکالا ہوا اس سمجھا

تھی شتروں کو بھی تیر کہ یہ وار ہے کیا عشرِ ولوں پہ کبھی کتا نہیں یہ وار ہے کیا
تسہ عشر بھی اس کی تک و تازہ ہے کیا آگنی خال کی چٹکی کو بھی روار ہے کیا

غافل آداب کے سگان نہیں کیسے ہیں
شوخ و ستاخ یہ پستی کہیں کیسے ہیں

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برسے
عالمِ لہیفے دانستے نہ ہو کہ ہے

نہ ہے طقت گفتار یہ نفل کو
بائے کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اتنی آواز عنان کی ہے کہ افسانہ ترا
اسماں کی ہوائِ فہرستانہ ترا

شکر شکوے کو بخشنے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خاک تو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جو ہر سائل ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ہاتھ بے زور ہیں لکڑے دل غم گر ہیں اُمتی باعثِ رسوائی پیسہ بر ہیں
بُت شکن اٹھ گئے باقی جو ہے بُت گر ہیں تھا براہِ سیم پدراور پسر آزر ہیں

بادہ اشکِ مئے بادہ نیلِ چشم بھی نئے

حرمِ لعبِ نیلِ بُت بھی نئے تم بھی نئے

وہ بھی دُن تھے کہ یہی مایہِ عمرِ نالی تھا نازِ شمسِ ممل لالہ صحرائی تھا

جو سلمان تھا اللہ کا سوا نالی تھا کبھی محبوب تھا راہی ہر جانی تھا

کسی سحرِ جانی سے اب عہدِ غلامی کر لو

ملتِ احمدِ مرسل کوست امی کر لو

کس قدر تم پہ کراں سحر کی بیداری ہے ہم سے کب پیار ہے ہاں نیندِ تمہیں ساری ہے

طبعِ آزادِ قیدِ رمضان بھاری ہے تمہی کہہ دے یہی آئینِ وفا داری ہے

قومِ مذہب کے مذہب نہیں تم بھی نہیں

جذبِ باہم نہیں محفلِ خیم بھی نہیں

جن کو اتنا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو نہیں بس قوم کو پروانے شبنم تم ہو

بجلیاں بس میں چوں آئو وہ خرمِ تم ہو بیچ لھاتے ہیں اسلاف کے مدفن تم ہو

ہونکو نام قجوب ٹرں کی تجاریے کے
 کیا نہ جوچے کے جول جابیں صہنم شہ کے
 صفحہ ہرے طر باسل کو میا کس نے؟
 میرے کعبے جو جینوں بسایا کس نے؟
 نوع انسان کو عن لہامی چھڑا کس نے؟
 میرے شکر آن کو سینوں لکھایا کس نے؟
 تھے تو ابا و تمھ کے اسی مکرتم لیا ہو

ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فرما ہوا
 کیا کہا اب سب لہاں ہے فقط وعدہ
 شکوے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
 عدل ہے فاطمہ ستری کا ازل سے دستور
 مسلم آئین جو اکافٹ تو ملے حور و قصور
 تم میں محروں کا کوئی چمنے والا نہیں ہیں
 جلوہ طور تو موجود ہے موسیٰ بنی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
 ایک ہی سکا بنی دین بھی ایمان بھی ایک
 حرم مال بھی اللہ بھی شران بھی ایک
 کچھ بڑی بات تھی پرتے جو مسلمان بھی ایک
 فرقہ بندی ہے کہیں اور کسین فائیں ہیں
 کیا زمانے میں پھیننے کی یہی باتیں ہیں

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟ مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سما یہ شے سارِ اغیار؟ ہو گئی کس کی نڈھال نہ سلف سے بیزار؟

قلب میں نہ نہیں رُوح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیامِ محمدؐ کا تمہیں باس نہیں

جائے جوتے ہیں مساجد میں صفِ آرا تو غریب زحمتِ وزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نامِ یست ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب پردہ کھلت ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب

اُمراۃِ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے ملتِ بیضیا غریبا کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ نچستہ خیالی نہ رہی برقِ طبعی نہ رہی شعلہِ معتالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذانِ رُوحِ بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلکستینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مریخِ خواں ہیں کئی نمازی نہ ہے

یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ ہے

شوہرے ہو گئے دنیا سے سلمانِ نابود ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کسی سلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں یہود یہ مسلمان ہیں اجنبی دیکھ کے شرماؤں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

دعوتِ یرتھی سلم کی صداقت بے باک عدل اس کا تھا قومی لو شہ مراعات کے پاک

شجرِ فطرتِ سلم تھا حیاتِ نیک نال تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک

خود لہ از می نیم نفیتِ صہبائش ہو

خالی از خویشش جن صوتِ مینایش ہو

ہر مسلمان گلِ طبل کے لیے نشتر تھا اس کے آئینہ ہستی میں عملِ جہر تھا

جہبِ رسا تھا اسے قوتِ بازو پر تھا تپے تھیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو الہ از بر ہو

پھر پر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو!

ہر کوئی مستِ ذوقِ تن آسانی ہے تم مسلمان ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!

حیدر فقی ہے ہر نئے دولتِ عثمانی ہے تم کو اسلاف کے کیا نسبتِ عثمانی ہے؟

وہ زمانے میں ستر تھے مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ شرآں ہو کر

تم ہو آپس میں غضب ناک وہ آپس میں کریم
چلتے سب ہیں کہ ہوں اوج شریا پیستیم
تم خطا کار و خطا بین وہ خطا پوش کریم
پہلے ویسا کوئی سپدا تو کرتے قلم سلیم

تختِ فغفور بھی اُن کا تھا سر پر کبھی

یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حقیقت بھی

خود کشی شیعہ تمھارا، وہ سیو و خودا
تم اخوت کے گریزان وہ اخوت پہ نثار
تم پوختہ سراپا، وہ سراپا کردا
تم ترستے ہو ہولی کو، وہ ہستیاں بہ لٹا

اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت اُن کی

نقش ہے صفحہ ہستی صیدِ اُقت اُن کی

مثلِ نجمِ افقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
شوقِ پرواز میں مہجورِ شمسین بھی ہوئے
بُتِ ہندی کی محبت میں بھین بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی اُن دین کے بطن بھی ہوئے

ان کو تہذیب نے ہر شک سے آزاد کیا

لا کے کعبے صحنِ خانے میں آباد کیا

قینِ حمت کش تنہائی صحرا نہ رہے
شہر کی لکھائے ہو اباد یہ پیکانہ

وہ تو دیوانہ ہے بستی میں ہے بیانہ
یہ ضروری ہے حجابِ بُرخ لیلانہ

گلہ جو رہے ہو، شکوہ بیدار نہ ہو

عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

عہدِ نورق ہے آتشِ نینِ سرخس ہے
امین اس کوئی صحرانہ کوئی کاشن ہے

اس نئی آگ کا تو ام نہیں ایندھن ہے
فلتِ جستمِ رسلِ شعلہ بیدار ہے

آج بھی ہر جو براہِ شیم کا ایمان پیدا

آگ لڑ سکتی ہے اندازِ گستاں پیدا

دیکھ کر زنا پس چہ نہ پریشاں مالی
کو کٹبِ بنچہ شے شاخیں ہیں چکنے والی

خس خاشاک سے ہوتا ہے گستاں خالی
گل برانداز ہے غمِ شبنمِ دالِ لالی

رنگِ مرنوں کا ذرا دیکھ تو غمت باری ہے

یہ سکتے ہوتے سوج کی اشتیاق باری ہے

اُمتیں گلشنِ بستی میں ٹرچید بھی ہیں
اور مہمِ مہربانی ہیں خزانِ مدد بھی ہیں

سیکڑوں نخل ہیں کاہید بھی بالید بھی ہیں
سیکڑوں لطنِ چین میں ابھی پوشید بھی ہیں

نخلِ اسلامِ نوٹ ہے بروہندی کا

پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چینندی کا

۲۳۲

بازارِ درا

۲۱۸

پاک ہے کرو وطن سے سزا ماں تیرا تو وہ بوسے کے کہ ہر مصرعے کنگاں تیرا
 قافلہ ہونہ کے کا کبھی ویراں تیرا غیر یک بانہ درالچہ نہیں ساماں تیرا
 نخل شمع استی و شعلہ و ویریشہ تو

عاقبت سوز و دیا اندیشہ تو

تو نہ مٹ جانے کا ایران کے مٹ جانے سے نقشہ کے کو تعلق نہیں مانے سے
 ہے عیاں پوشش تار کے افلاں سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
 کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصرِ نورات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

ہے جو سنگام بہ پاپوشن بلغاری کا غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
 تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا امتحاں ہے ترے اشار کا، خود داری کا
 کیوں ہراساں ہے پھیل فرس اعدا سے
 نور حق بچھنے کے کا نفس اعدا سے

چشمِ اوقام سے مخفی ہے حقیقت تیری ہے ابھی نسل سستی کو ضرورت تیری
 زندہ رہتی ہے زمانے کو حرارت تیری گو کہ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

وقتِ فرصت ہے کہاں کا ہم بھی باقی ہے

نورِ توحید کا اسم بھی باقی ہے

مثلِ بوقیہ کے غنچے میں پریشان ہو جا
رختِ بردوشس ہو لے چمنستان ہو جا

ہے تنک مایہ تو درے سے بیابان ہو جا
نغمۂ موج سے ہر نگارِ طوفان ہو جا

وقتِ عشق سے ہر پست کو بالا کروے

دہر میں اہم محسوس سے اُجالا کروے

ہو نہ یہ پھول تو بے بل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خمیہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبضِ ہستی تیشِ آماوہ اسی نام سے ہے

دشت میں امن کھسار میں میدان میں ہے
بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے

چین کے شہزادے کی بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوامِ نبطِ ارہ ابد تک دیکھے

رفعتِ شانِ رفعتِ ملکِ فخرِ ملک دیکھے

مردمِ چشمِ زمیں یعنی وہ کالی و نیل وہ تھکے شہسپا پلنے والی و نیل
گرمی مہر کی پروردہ ہلالی و نیل عشق والے جسے کہتے ہیں ہلالی و نیل

تیش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری مے درویشِ خداقت ہے جہانگیر تری
ماریوی اللہ کے لیے آگ ہے کجیر تری تو مسلمان ہو توقت یہ ہے تدبیر تری

کی محمد سے فنا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ساقی

نشہ پلا کے لڑانا تو سب کو آتا ہے مزا تو جب ہے کہ لڑتوں کو تھام لے ساقی
جوابہ کش تھے پرائے وہ اٹھتے جاتے ہیں کہیں سے اک بقاءے دوام لے ساقی!

کٹی ہے ات تو ہنگامہ شری میں تری
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی!

تعلیم اور اس کے نتائج

(تضمین بر شعرتلا عشرتی)

خوش تو ہیں ہم بھی انوں کی ترقی سے مگر لبِ خداں سے کل جاتی ہے فراد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے کی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
لکھریں پڑیے شیریں تو ہوتی جلد وہ نما لے کے آتی ہے مگر تیشہ فراد بھی ساتھ

”تختم دیکر بکف آریم و بکاریم ز نو
کانکشتہ تسم ز خجالت نتوانم دورو“

قرب سلطان

تمیزِ حاکم و محکوم ہٹ نہیں سکتی مجال کیا کہ لدا اگر چو شاہ کا ہمدوش
جہاں میں خواجہ پرستی ہے بندگی کا لال رضائے خواجہ طلب کن قباے رنگیں پوش
مگر غرض جو حصولِ رضا ہے حاکم ہو خطاب ملتا ہے منصبِ پست و قوم فروش
پڑائے طرزِ عمل میں ہر پر آشکل ہے نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیرِ آسمان ریچے
 یہی اصول ہے سرمایہ سلونِ حیات
 ”نہزار کونہ سخن در وہان و لب خاموش“
 ”کہاے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش“
 ”بگیر مادہ صافی، بیاںک چنکِ نوش“
 ”لڑاکے توڑ دے سنگِ جس سے شیشہ ہوش“
 ”پیامِ مرشد شیراز بھی مگر سن لے“
 ”کہ ہے یہ ستر نہاں خانہ ضمیرِ سرِوش“

”محلِ نور تجلی ستارے انور شاہ
 چو بے اوطلسی صوفی نیتِ کوش“

شاعر

جوئے سرورِ آفریں آتی ہے کوہِ سائے
 مستیِ مہِ خرام کا سن تو ذرا پسِ تہ
 پی کے شرابِ لالہ لوں کے کدہ بہار سے
 زندہ وہی ہے کام کچھ جس کو نہیں قرار سے
 پھرتی ہے ادویوں میں کیا دُختر خوش خرام
 کرتی ہے عشقِ بازیاں سبزہٴ مرغزار سے

جامِ شرابِ جوئے خمِ صے سے اڑاتی ہے
 پست بلند لڑکے طے لھیتوں جا پلاتی ہے

شاعر دل نواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اُس کے فیض سے مرغِ زندگی ہری
شانِ خلیل ہوتی ہے اُس کے کلام سے عیا
کرتی ہے اُس کی قوم جیسا پناہ شعار آری
اہلِ زمیں کو نوحۂ زندگِ دوام ہے
خونِ جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری

گلشنِ دہر میں اگر جوتے سے سخن نہ ہو
پھول نہ ہو کلی نہ ہو سبز نہ ہو چمن نہ ہو

نویسہ

۱۹۱۲ء

آتی ہے مشرق سے جہنگِ دروہنِ سحر
منزلِ سستی سے کرجاتی ہے خاموشیِ سفر
مخفی قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت
دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت
چھپاتے ہیں پرے پاکے پیغامِ حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرامِ حیات

مسلم خوابیدہ اٹھ کر نہ آتا تو بھی ہو

وہ چمک اٹھا افق، کرمِ تقاضا تو بھی ہو

وسعتِ عالم میں یہ پیماؤں کی آفتاب
دامنِ لڑوں کی پیدائشوں یہ مرغِ سحاب

۲۲۰

بانگِ درا

۲۲۲

کھینچ کر خنجر لہن کا پھر سو سر گرم ستیز
پھر کھاتا ریلی باطل کو آداب گمیز
تو سراپا نو ہے خوشتر ہے عریانی تجھے
اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے

ہاں نمایاں ہو کے برق دیدہ خفاش ہے
اے دل کو ن مکان کے راز مضمحل فاش ہے

دعا

یارب اول مسلم کو وہ زندہ متا دے
پھر ادوی فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
محروم تماشا کو پھر دیدہ بینا دے
بھٹکے ہوئے اپنو کو پھر سوتے حرم لے چل
پیدا دل بیاں میں پھر شورشِ محشر کر
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
رفت میں مقاصد کو ہمہ دوشِ شریا کر
بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو
جو قلب کو لہا دے جو روح کو تڑپا دے
پھر شوق تماشا دے پھر فراق تقاضا دے
دیگھلے جو کچھ میں اوروں کو بھی لگھا دے
اس شہر کے خول کو پھر وسعتِ صحرا دے
اس محسوسِ خالی کو پھر شاپہر لیا دے
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے
خود داریِ ساحل دے آزاد دے دریا دے
سینوں میں اجالا دل صورتِ مینا دے

احساس عنایت کراہم مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا کے

میں بیل لائیں اک اُٹرے گھٹاں کا

تاثیر کا سال ہوں محنت کج کو داتا کے

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں

یہ شالامار میں اک برگِ زر کوکتا تھا
کیا وہ موسمِ گل جس کا راز دار ہوں میں

نہ پتا سال کریں مجھ کو زائرِ ابنِ چین
انھی کی شلخِ نشمین کی یادگار ہوں میں

ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو
چمن میں آگے سرِ اُغسٹیم بہا ہوں میں

خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار
خوشی ہو عید کی لہو نلکر لہو لوار ہوں میں

اُجاڑ ہو گئے عہدِ کُنن کے میخانے
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

پیامِ شمسِ مست ہیں سناتا ہے

ہلالِ عید ہماری سنسی اڑاتا ہے



فاطمہ بنت عبد اللہ

عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کی پانی پلائی ہوئی شہید ہوئی

۱۹۱۲ء

فاطمہ! تو ابروئے امت مرحوم ہے ذرہ ذرہ تیری مشتِ خال کا معصوم ہے
یہ سعادت جو صحرائی تری قسمت میں تھی غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر ہے جسارتِ آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ جلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی ایسی چنگاری بھی ماریب اپنی خالستر میں تھی!

اپنے صحرا میں بہت اُنہوا بھی پوشیدہ ہیں

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خاموش ہیں!

فاطمہ! گوشہٴ افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے نغمہٴ عشرت بھی اپنے نالہٴ ماتم میں ہے
قص تیری خال کا لکنا شامِ انگیز ہے ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگام تیری تربتِ خاموش میں پل ہی ہے ایک قومِ تازہ اس انگوشت میں
بے خبر ہوں چپان کی سب مقصد کے میں آفرینش دکھتا ہوں اُن کی اس مرقعے میں

تازہ بخم فضا ہے آسمان میں کھلوا
دید انسان ہے محکم کی مہج کی موج نور
جو ابھی ابھی سے نہیں ظلمت خانہ آیام سے
جن کی ضو نا آشنا ہے قید صبح و شام سے
جن کی تابانی میں انداز نہیں بھی تو بھی ہے
اور یہ کہ گو گفت بدیر کا پرتو بھی ہے

شب نیم اور ستارے

اے ات یہ کہنے لگے شب نیم سے ستارے
ہر صبح نئے تہجے کو میسر ہیں نظارے
کیا جانے تو کتنے جہاں دیکھ چلی ہے
جو بن کے بٹے ان کے نشان دیکھ چلی ہے
زہر نے سنی ہے یہ خبر ایک ملک سے
انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے
کہ ہم سے بھی اُس کشور پر پوش کا فناء
گاتا ہے سحر جس کی محبت کا تراش

اے تار و نہ چھو چھو پستان جہاں کی
گلشن نہیں اک بستی ہے وہ آہ و فغاں کی
اتنی چھبواں سچکٹ جانے کی حطر
بے چاری کھلی کھلتی ہے مڑھانے کی حطر
کیا تم سے کہوں کیا چین و غم و زحلی ہے
نتھاسا کوئی شعلہ بے سوز کھلی ہے

گلِ نالہ بے بس کی صدا سن نہیں سکتا
 وہن سے مے موتیوں کو چن نہیں سکتا
 ہیں مرغِ نوارِ زلفِ ستارِ غضب ہے
 اکتے ہیں تیرے سایہ گلِ خارِ غضب ہے
 رہتی ہے سدا نرگسِ بیار کی تر آنکھ
 دل طالبِ نعتِ روئے محرومِ نظر آنکھ
 دلِ سوختہ گرمیِ شریعہ ہے شمشاد
 زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے شمشاد
 تارے شہرِ آہ ہیں انساں کی زباں میں
 میں لریہ لڑو چوں گلستاں کی زباں میں
 نادانی ہے یہ لہرِ زمیں طوفِ قمر کا
 سمجھا ہے کہ دریاں ہے وہاں داغِ جگر کا

بنیاد ہے کاشانہ عالم کی ہوا پر
 فریاد کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر

محاصرہ اور نہ

یورپ میں جس لٹری حق و باطل کی چھڑ لیتی
 حقِ خنجرِ آزمائی پہ مجبور ہو گیا
 گردِ جلیب لڑو تیر حلقہ زن ہوتی
 شکری حصہ دارِ ورنہ میں محصور ہو گیا
 مسلم سپاہیوں کے ذخیرے تھے تمام
 رُوئے امید آنکھ سے ستور ہو گیا
 آخر امیدِ عسکرِ ترکی کے حکم سے
 آئینِ جنگ شہر کا ستور ہو گیا

ہر شے ہوتی ذخیرہ لشکر میں منتقل
 شاہیں گداہے دانہ عصفور ہو گیا
 لیکن فقیہ شہر نے جس دم سنی یہ بات
 کر ماکے مثل صاعقتہ طور ہو گیا
 'ذوقی کا مال شکرِ سلم یہ ہے حرام'
 فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
 چھوٹی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
 مسلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

غلام قادر رحیم سیلہ

زہریلے قتلِ عالم جفا جو، کینہ پرورتھا
 نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوکِ خنجر سے
 دیا اہلِ حرم کو قص کا فرماں ستم کرنے
 یہ انداز ستم کچھ کلم نہ تھا آئینہ شہر سے
 بھلا سیل اس فرمانِ غیرت کُش کی ممکن تھی
 شہنشاہی حرم کی نازِ میناں سمن سے
 بنایا آہِ سامانِ طرب بیدار نے ان کو
 نہاں تھا حسنِ جن کا چشم مہرِ ماہِ اختر سے
 رزتے تھے دلِ نازکِ قدمِ مجبورِ خنیش تھے
 رواں دریائے خونِ شہزادیوں کے دھڑکتے
 یونہی کچھ دیر تک مجھ نظر آنکھیں ہیں اس کی
 کیا کھبرا کے پھر آزاد سر کو بارِ ہنسنے سے
 کمرے اٹھ کے تیغِ جاں آستانِ آتشِ فشاں کھولی
 سبق آموز تابانی ہوں انجم جس کے جہر سے

۲۲۶
 بانگِ درا
 ۲۳۰

رکھا خنجر کو آگے اور چہرہ کچھ سوچ کر لیٹا
 بجائے خواب کے پانی نے اگلے اس کی آنکھوں کے
 پھر اٹھا اور تیسویں حرم سے یوں لگا کہنے
 مرا منہ پر سو جانا بناوٹ تھی، تکلف تھا
 یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تمور کی بیٹی
 مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے

بکریہ از آخر کھل گیا سارے زمانے پر
 حقیقت نام ہے جس کا، کتنی تہمت لکھ کر

ایک مکالمہ

اک مرغ سرانے یہ کہا مرغ ہوا سے
 کرتو ہے ہوا کیسے تو رہوں میں بھی ہوا کی
 پرواز، خصوصیت ہر صاحب پر ہے
 مجروح حقیقت جو ہوتی مرغ ہوا کی
 کچھ شک نہیں پرواز میں آزاد ہے تو بھی
 پرواز کرتو ہے تو کیا میں نہیں پرواز!
 آزاد کرتو ہے نہیں میں بھی گرفت
 کیوں رہتے ہیں مرغ ان ہوا مائل بنداز؟
 یوں کہنے لگا سن کے یہ لفظ رول آزاد
 حد ہے تری پرواز کی بس کن سر پرواز

واقف نہیں تو بہت مرغابن ہوا سے تو خال شہین انھیں فزوں سے سڑکار

تو مرغ سرائی خوش از خال بھوئی

ماور صد دوانہ بہ نجم زوہ منقار

میں اور تو

مذاق دیکھ سے نا اشنا نظر ہے مری تری نگاہ ہے فطرت کی رازواں پھر کیا

رہین شکوہ ایام ہے زبان مری تری مراد پہ ہے دور آسمان پھر کیا

رکھا مجھے چین آوارہ مثل موج نسیم عطا فلک نے کیا تجھ کو آشیان پھر کیا

فزوں ہے سو دے سزا یہ حیات ترا مرے نصیب میں ہے کاوش زبان پھر کیا

ہوا میں تیرے پھرتے ہیں تیرے طیار مرا جہان ہے محرم بادبان پھر کیا

قوی شدم چشما تو ان شدم چشہ

چنیں شدم چشہ دیا چناں شدم چشہ

بہیج کو نہ دریں ہستیاں قرار ست

تو لہر بہار شدی ما خزاں شدم چشہ

۲۲۸
بانگ درا
۲۳۲

تضمین بر سر ابوطالب کلیم

خوبے تجھ کو شعار صاحب شربت کا پس
کہہ ہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
جس سے تیرے حلقہ خاتم میں گروں تھا اسیر
اے سلیمان! تیری غفلت نے گنوا یا وہ نکمیں
وہ نشان سجدہ جو روشن تھا کولب کی طرح
ہو گئی ہے اُس سے اب آتشنا تیری جہیں
دیکھ تو اپنا عمل تجھ کو نظر آتی ہے کیا
وہ صداقت جس کی بے باکی تھی حیرت آفریں
تیرے آبا کی زبہ بھلی تھی جس کے واسطے
غافل اپنے اشیاء کے پھر آباد کر
ہے وہی باطل ترے کاشانہ دل میں مکھیں
نغمہ زن ہے طور معنی پر کلیم نکلتے ہیں

”سرکشی باہر کہ کردی ام او بایہ شدن
شعد ساں از ہر کجا بر خاستی آنجاشیں“



شبلی حلی

مسلم سے ایک روز یہ قہس ال نے کہا
 تیرے سر و ذریت کے نفع سے علوم نو
 پتھر ہے اس کے واسطے موج نسیم بھی
 مردان کا رڈھونڈ کے اسباب حادثا
 پوچھ اُن سے جو چین کے ہیں مرینہ ازوا
 مسلم کے کلام سے بے تاب ہو گیا
 کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیت خسراں
 خاموش ہو گئے چمنستان کے ازوا
 شبلی کو روئے ہے تھے ابھی اہل کلاستان
 حالی بھی ہو گیا سوتے فرو دس نور

”الکھنوں کو راہِ مرغ کہ پرند ز باغباں
 بے غل چغت و گل چشنید و صبا چہ کرد“

۲۵۰
 بانگِ درا
 ۲۳۲

ارتفت

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
 حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز
 سکوتِ شام سے تا غمِ سحر گاہی
 کشاکشِ نرم و گرم و تپ و ترش و خراش
 چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی
 سرشت اس کی ہے شکل کشی جفا طلبی
 ہزار حرد ہائے فغانِ نیم شبی
 زخاںِ تریہ و زوڑوں تا بہ شیشہِ حلبی
 مقامِ بست و شکست و فشار و سوز و کشید
 میانِ قطرِ قنیاں و آتشِ عنبی
 اسی کشاکشِ رحیم سے زندہ ہیں اقوام
 یہی ہے از تب و تابِ ملتِ عربی

”معاں کہ دانہ انگوڑا آب می سازند

ستارہ می شکنند آفتاب می سازند“



صدیق

اک دن رسول پاکؐ نے اصحاب کے کہا
 ارشاد من کے فرطِ طرب سے عمر اٹھے
 دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؑ ضرور
 لاتے غرضکہ مال رسول امیں کے پاس
 دس مال راہِ حق میں جموں تم میں مال دار
 اُس روز ان کے پاس تھے درہم کتنی ہزار
 بڑھ کر لکھے کا آج وقت دم میرا راہوار
 ایشیا کی ہے دستِ نگر ابتدا سے کار
 پوچھا حضورؐ فرما عالم نے اے عمر!
 لے وہ کہ جو جس حق سے تے دل کو ہے قرار
 رکھتا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
 مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق لڑا

کی عرض نصف مال ہے فرزندِ زن کا حق

باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رسیقِ نبوت بھی گیا
 لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفاسرشت
 جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوا
 ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
 اس پر قمرِ شرف و شرفِ اطوار
 اتنے میں وہ رسیقِ نبوت بھی گیا
 بولے حضورؐ چاہیے منکرِ عیال بھی
 کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار

۲۵۲

باقی رہا

۲۳۶

اے تجھ سے دیدہ مرہ و انجم فروغ گیر! اے تیری دست باعث شکوین و زکار!

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

جہدِ حق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

تہذیبِ حاضر

تضمین بر شعریٰ فنی

حرارت ہے ہلاکیِ بادۂ تہذیبِ حاضر میں
کیا کرتے کو جھنڈے کے تابِ ستار اس نے
نئے انداز پاتے نوجوانوں کی طبیعت نے
تغیر آگیا ایسا تدبیر میں تخت میں
کیا کلم تازہ پروازوں نے اپنا آشیانہ لکین
حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
فروغِ شمع نو سے بزمِ مسلم جگمگا اٹھی
”تو اے پروانہ! اس خمیٰ شمعِ محفلِ اری“

بھڑک اٹھا بھوکا بن کے مسلم کا ترخان
کوئی دیکھے تو شوخیِ آفتابِ جلوہ نما کی
یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
ہنس سی سمجھی گئی فطرت میں غنچوں کی جگر چاکی
مناظرِ دلکش ادا کلائی ساحر کی چالاکی
رقابت، خود فراموشی، ناشکیبائی، ہونہار کی
مگر کہتی ہے پروانوں سے میری کہنہ اور کی
چومن آتش خود سو اگر سوئے اری“

والد مرحومہ کی یاد میں

وڑھ وڑھ دھڑکا زندانی تقدیر ہے
پردہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں
انجم سیلاب یافتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سب گھزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نہ گھزار میں
نفس بلبلی ہو یا آواز خاموشی ضمیر
ہے اسی زنجیر عالم گیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ ستر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں

۲۵۲
بانگ درا
۲۳۸

قلب انسانی میں رقصِ عیش و غم رہتا نہیں
 نغمہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بم رہتا نہیں
 علم و حکمت رہنِ سامانِ اشک و آہ ہے
 یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
 گرچہ میرے باغ میں شبِ نیم کی شادابی نہیں
 آنکھ میری مایہ دارِ اشکِ عُقبالی نہیں
 جانستاروں آہ، میں آلامِ انسانی کا راز
 ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
 میرے لب پر قصۂ نسیمِ نگیں و وراں نہیں
 دلِ مراجیراں نہیں، خنداں نہیں، گریاں نہیں
 پر تری تصویرِ قاصدِ گریہِ پیہم کی ہے
 آہ! یہ تر ویدِ میری حکمتِ محکم کی ہے
 گریہِ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے
 درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدلِ شرمندہ ہے

موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب اور دے سے سور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
سُخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاپا اس نے کیا
عہد طفلی سے مجھے پھر اشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پکتی تھی وہ جان ناتواں

بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیِ گفتار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشم کو ہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور
زندگی کی آوج کا ہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں
 پھر اُسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
 کس کو اب جو کا وطن میں آہ امیرا تظنار
 کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
 خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ منیر یاد آؤں گا
 اب دُعا تے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
 تربیت سے تیری میں انجسم کا ہم قسمت ہوا
 گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
 دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
 تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
 عمر بھر تیری محبت میری خدمت کر رہی
 میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
 وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سرو بلند
 تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہر مند

کار و بارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
 وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا
 تجھ کو مثلِ طفلِ بے دست و پا روتا ہے وہ
 صبر سے نا آتشِ نا صبح و ساروتا ہے وہ
 تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بولتی
 شکرِ کثرتِ غم سے وہ اُلفت اور محکم ہو گئی

آہ! یہ دنیا، یہ ماتمِ حنائیٰ برنا و پیر
 آدمی ہے کس طلسمِ دوش و فردا میں اسیر
 کتنی مشکلِ زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت
 گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیمِ ارزاں ہے موت
 زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
 کیسی کیسی دُخستِ رانِ مادرِ ایام ہیں!
 گلابِ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت
 دشت و دریاں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت

موت ہے ہنگامہ آراشِ لڑم خاموش میں
دُوب جاتے ہیں سفینے موج کی اغوش میں
نئے مجالِ شکوہ ہے، نئے طاقتِ کُفتار ہے
زندگانی کیا ہے، اک طوقِ کلو افسار ہے!

قافلے میں غیرِ نیرودہ را کچھ بھی نہیں
اک مستراحِ دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جائے گا لیکن امتحاں کا دور بھی

ہیں پس نہ پردہ کر دوں ابھی دور اور بھی

سینہ چاک اس گُلستاں میں لالہ و گل ہیں تو کیا

نالہ و سنہریاد پر مجبورِ بے بسل ہیں تو کیا

جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزاں

سبز کر دے گی انھیں بادِ بہار جاوواں

خُفتہ خاکِ پے سپر میں ہے شرارِ اپنا تو کیا

عارضی محسّل ہے یہ مُشتِ غبارِ اپنا تو کیا

زندگی کی آگ کا انجم خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مست تدر ہو یہ وہ کوہِ نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدہ شدت میں ہے

ذوقِ حقیقہ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات

عام یوں اس کو نہ کر دیتا نطفِ ام کائنات

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں

جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

آہِ غافل! موت کا راز نہاں کچھ اور ہے

نقش کی ناپائنداری سے عیاں کچھ اور ہے

جنتِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالائے آب

موجِ مضطر توڑ کر تعبیر کرتی ہے حباب

موج کے دامن میں پھر اُس کو چھپا دیتی ہے یہ

کتنی بیداری سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ

۲۶۰

بانگرے را

۲۲۲

پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
 توڑنے میں اُس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا
 اس روش کا کیا اثر ہے ہیئتِ تعمیر پر
 یہ تو حجت ہے ہوا کی قوتِ تعمیر پر
 فطرتِ مستی شہیدِ ارزو رہتی نہ ہو
 خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
 آہ سیلاب پریشاں، انجسمِ لہروں فروز
 شوخ یہ چنکاریاں، ممنونِ شب ہے جن کا سوز
 عقل جس سرِ زانو ہے وہ دستِ ان کی ہے
 سرگزشتِ نوعِ انساں ایک ساعتِ ان کی ہے
 پھر یہ انساں اُس سوتے افلاک ہے جس کی نظر
 قدسیوں سے بھی مستِ صمد میں ہے جو پاکیزہ تر
 جو مثالِ شمعِ روشنِ محسنِ قدرت میں ہے
 اسماں الِ نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے

جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتا ہے
 جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
 شعلہ یہ کمر ترے لہروں کے شراروں سے بھی کیا
 کم مہا سے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
 آنکھیں کل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے
 کس قدر نشو و نما کے واسطے بے تاب ہے
 زندگی کا شعلہ اس دُانے میں جو ستور ہے
 خوشگامی، خوشنوائی کے لیے مجبور ہے
 سردیِ موت سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
 خال میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں
 پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
 موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
 ہے لمحہ اُس قوتِ اشْفیٰ کی شیرازہ بند
 ڈالتی ہے لہروں لہروں میں جو اپنی کسند

موت، تجسید مذاق زندگی کا نام ہے
 خواب کے پرے میں بیداری کا ال پیغام ہے
 خاکِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
 موت اس گلشن میں جزِ سنجیدہ پر کچھ نہیں
 کہتے ہیں اہل جہاں دروِ اجل ہے لاووا
 زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
 دل سحر، غم مرنے والوں کا جہاں آبا ہے
 حلقہٴ زنجیرِ صبح و شام سے آزاد ہے
 وقت کے افسوں سے تمھارا مالہ ماتم نہیں
 وقت زخمِ تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں
 سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناہماں
 اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے چوتے ہیں رواں
 ربط ہو جاتا ہے دل کو مالہ و سنہرا دے
 خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سریشک آباد سے

آدمی تابِ شکیبائی سے کو محسوس ہے
 اس کی فطرت میں یہ آلِ احساسِ نامعلوم ہے
 ق جو ہر انسانِ عدم سے آشنا ہوتا نہیں
 آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
 رختِ ہستی خاکِ عینِ کی شعلہ افشانی سے ہے
 سرِ یہ آلِ اس لطیفِ احساس کے پانی کے ہے
 آہ، یہ ضبطِ فغانِ غفلت کی حشاموشی نہیں
 آگہی ہے یہ دلِ آسانی، فنا موشی نہیں

پردہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
 داغِ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح
 لالہ افسردہ کو آتشِ قبّہ کرتی ہے یہ
 بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ
 سینہ بیل کے زنداں سے سرودِ آزاد ہے
 سیکڑوں نعیموں سے باوجودِ بدمِ آباد ہے

خُفتِ تکانِ لاله زار و کوہِ سار و رُود بار
 ہوتے ہیں آخرِ عروسِ زندگی سے ہملنار
 یہ المرآتینِ بستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
 مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجِ صبح
 دامِ سیمینِ تخیل ہے مرا آفتابِ لیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دلِ دردِ آشنا مہمور ہے
 جیسے کعبے میں دُعاؤں سے فضا مہمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ کا ہیں اُس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات
 مختلف ہر منزلِ بستی کی رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلِ کشتِ اجل کے واسطے
 سازگار آب و ہوا تحنیمِ عمل کے واسطے

نورِ فطرتِ خلقتِ پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلفتِ افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
 مثلِ ایوانِ سرِ مرقدِ شہروزاں ہو ترا
 نور سے مسوریہ خالی شبستاں ہو ترا
 آسماں تیری لحد پر شبِ بنم افشانی کرے
 بسزہ نور ستہ اس گھر کی تعجبانی کرے

شعاعِ افتاب

صبح جب میری نگہ سودائی نظر تھی
 میں نے پوچھا اس کے آگے سرِ اضطراب
 آسماں پر اک شعاعِ آفتاب آوارہ تھی
 تیری جانِ ناشکیبامیں کے کیسا اضطراب
 تو کوئی چھوٹی سی جہلی تھی جس سے آسماں
 کر رہا ہے خرمِ اقوام کی خاطر جواں

یہ تڑپے پیا ازل سے تیری خوشی، کیا ہے یہ
رقص ہے آوارگی ہے جستجو ہے کیا ہے یہ؟

”خفتہ ہنگامے ہیں میری سستی خاموش میں
پڑش پاتی ہے میں نے صبح کی آغوش میں
مضطرب پروم مری تقدیر لکھتی ہے مجھے
جستجو میں لذتِ تنویر لکھتی ہے مجھے
برقِ آتشِ خونہیں فطرت میں غازی جوت میں
مہرِ عالم تاب کا پیغام بیداری ہوں میں
سُرمہ بن کر چشمِ انساں میں جاؤں گی یہ
راستے کے جو کچھ چھپا رکھا تھا دلکھلاؤں گی یہ

تیرے مستوں میں کوئی حیاتِ ہشیاری بھی ہے
سوئے الوں میں کسی کو ذوقِ بیداری بھی ہے؟

غرفی

محل ایسا کیا تعمیر ہے سرفی کے تختیل نے
تصدیق جس حیرتِ سرخانہ سینا و فارابی
فضائے عشق پر تھرری کی اس نے نوا ایسی
میسر جس کے ہر آنکھوں کو اب تک اشکِ عثمانی
مرے دل کے اَل دُن اِس کی تڑپ کے شکایتی
نہیں ہنگامہ عالم میں اب سامانِ بیستانی
مزاجِ اہلِ عالم میں تغیت ہے کیا ایسا
کہ رخصت ہو گئی دنیا کے کیفیت و سیما بی

فغانِ نیم شب شاعر کی بارگوشِ جوتی ہے نہ ہوجبتِ چشمِ محفلِ آشنائے لطفِ بے خوابی
 کسی کا شعلہ فریادِ غمِ ظلمتِ بالینو کو کراں ہے شبِ ستونِ پیرِ سحر کی آسمانِ تابی
 صد اُترتے آتی "شکوۃ اہل جہاں" کم کو نوارِ تلخِ ترمی زُن چو فوقِ غمِ کم یابی
 حُدیٰ اتیر ترمی خاں چو چمکِ اُتراں بینی

ایک خط لے جا بس میں

جوس بھی ہو تو نہیں مجھ میں بہت تکِ تا حصولِ جا ہے اُستہ مذاقِ تلاش
 ہزار شکرِ طبیعت ہے ریزہ کارِ مری ہزار شکرِ نہیں ہے دماغِ فتنہ تراش
 مے سخن سے لوں کی ہیں کھیتیاں سرسبز جہاں میں چوں میں مثالِ سحابِ یاباش
 یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہو کہ فیضِ عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش
 ہوائے بزمِ سلاطین و لیلِ مُردہ دلی کیا ہے حافظِ زنجیں نوائے رازیہ فاش

"کرتِ جواست کہ باخضرِ نیم نشین باشی
 نہاںِ چشمِ کُندِ چو آبِ حیاں باشی"



نمانا

قوم نے سینا کو تم کی ذرا پڑا نہ کی
 آہ ابد قسمت ہے آواز حق سے خبر
 آشکارا اس نے لیا جو زندگی کا راز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 آہ اشودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 برہمن سرشک ہے اب تک سے پندار میں
 بت کہ پھر بعد بت کے مگر روشن ہوا
 قدر پہچانی نہ اپنے کو ہر ایک اند کی
 غافل اپنے بھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 ہند کو لیکن خیال فلسفے پر ناز تھا
 بارش حمیت چوئی لیکن زمین قابل نہ تھی
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بگیا نہ ہے
 شمع کو تم جل رہی ہے محفل غیب میں
 نور ابراہیم سے اند کا کھر روشن ہوا

پھر اٹھی آخر صد اتو حید کی پنجاب سے
 ہند کو ال مرد کامل نے جکایا خواب سے



گفرو اسلام

تضمین بر شعر سیر رضی دانش

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طوے
 آتش نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز
 تھا جواب صاحب مینا کہ سلم ہے اگر
 ذوق حشر ہے تو پھر لازم ہے ایسا بن سیر
 ہے اگر دیوانہ غائب تو کچھ پڑا نہ کر
 عارضی ہے شان حاضر سطوت غائب مدام
 شعلہ نمرود ہے روشن زمانے میں تو کب
 اے کہ تیرے نقش پا سے ادھی سینا چمن
 ہو گیا آنکھوں کے پنہاں کیوں ترا سو زکھن
 چھو کر غائب کو تو حاضر کا شیدا کی نہ بن
 ورنہ خاسترے تیری مندی کا پیہن
 غنطرہ ادھی مناراں میں ہو کر خمیر زن
 اصداقت کو محبت سے ہے بھڑ جان و تن
 "شمع خود را می کد از دھریں سخن آہن
 نور ما چوں آتش سنگ از نظر نہاں چو شست"



۲۴۰

بانگ درا

۲۵۲

بلاں

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
 جولاں کہ سکندر رومی تھا ایشیا
 تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
 دیک کے اُس شہنشاہ انجم سپاہ کو
 اہل قسطنطنیہ میں کس کا بہت احترام تھا
 کہ روم سے بھی طبعاً اُس کا مقام تھا
 دعویٰ کیا جو پورے دارا نے جنت تھا
 حیرت کے دیکھتا فلک نیل فام تھا
 آج ایشیا میں کس کوئی جانتا نہیں

تاریخ دان بھی اُسے پہچانتا نہیں

لیکن بلاںؑ، وہ حبشی اوجہ مستیر
 جس کا امین ازل سے ہوا سینہ بلاں
 فطرت تھی جس کی نور نبوت سے مستنیر
 محکوم اُس صدا کے ہر شاہنشاہ فقیر
 ہوتا ہے جس کے اسودہ جسم میں اختلاط
 کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوتے میر
 ہے تازہ آج تک وہ نواتے جس کے گداز
 صدیوں سے سن رہے ہیں جسے خوش چرخ میر

اقبال اُس کے عشق کا فیض عام ہے

رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

مسلمان اور تسلیم چٹ

تضمین برسر ملک قومی

مرشد کی یہ تسلیم تھی اسے تسلیم شوریہ
 بدلی زلمے کی ہوا، ایسا نفیست لکھا
 وہ شعلہ روشن تر غلٹ کر یزاں جس سے تھی
 شیدائی غائب نہ رہا دیوانہ ہو جو
 ممکن نہیں اس مانع میں کوشش ہو بار آورتری
 اس دور میں تسلیم ہے امراض ملت کی دوا
 رہبر کے ایسا سے ہو تعلیم کا سو واجب
 لیکن جانچتے ہیں دیکھتے زبوں بختی مری
 لازم ہے ہر کسے لیے دنیا میں سامان سفر
 تھے جو کراں قیمت کبھی اب میں ستاع کس مخز
 کھٹ کر ہوا شل شہر تاسے سے بھی کم نور تر
 غالب ہے اب اقوام پر موجود حاضر کا اثر
 فرسودہ ہے پھندا ترا، زیرک ہے مرغ تیز پر
 ہے خون فاسد کے لیے تعلیم شل شیر
 واجب ہے صحیحہ اگر رو پر تحصیل فرمانِ خضر
 ”رفتہ کہ خار از پاشتم، محل نہاں شد از نظر
 یک لحظہ غافل شتم صد سالہ اسلم و رشد“



۲۷۲
 بانگ درا
 ۲۵۶

پھولوں کی شہزادی

کلی سے کہہ رہی تھی ایک دشنم گلستان میں
رہی ہیں ایک مدت غنچہ ہائے باغِ رضوان میں
تھکے گلستان کی کیفیت سرشار ہے ایسی
نکدہ فردوسِ امن ہے میری چشم حیران میں
سنا ہے کوئی شہزادی ہے حاکم اس گلستان کی
کہ جس کے نقشِ پایے پھول ہوں یہ بیابان میں
کبھی ساتھ اپنے اس کے اتنا تک مجھ کو ٹوٹے چل
چھپا کر اپنے دہن میں رنگِ موجِ ٹوٹے چل

کلی بولی سر آرا ہماری ہے وہ شہزادی
دخشاں جس کی ٹھوکر سے پرنچھر بھی گھس بن
مگر فطرت ترمی اُفتندہ اور سلیم کی شان اونچی
نہیں ممکن کہ تو پہنچے ہماری ہم شیش بن
پہنچ سکتی ہے تو لیکن ہماری شہزادی تک
کسی لکھ درد کے مارے کا اشکِ اشیش بن
نظر اس کی پیامِ عید ہے اہلِ محترم کو
بنادیتی ہے کو ہر غمِ دوس کے اشکِ سیم کو

تضمین بر شعر صائب

کہاں اقبال تو نے بنایا اشیاں اپنا
نوا اس باغ میں بسل کو ہے سامانِ سوانی

شرائے ادبی امین کے توبہ تاتو ہے لیکن
 کل زور نفس سے بھی ہاں مل سونہیں سکتی
 قیامت ہے کہ فطرت سولتی اہل غلستان کی
 دل کاہ جب ابد ہو جاتے ہیں سینوں میں
 نہیں ضبط نہ ممکن تو اڑ جا اس غلستان سے
 کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرائی تنہائی

”ہماں بہتر کہ سیلی دریا باں جلوہ گر باشد
 نذر ونگناے شہر تاب حسن صحرائی“

فردوس میں ایک مکالمہ

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
 اے آنکھ ز نور لہر نظم نسیم فلک تاب
 کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
 مذہب کی حرارت بھی ہے لچھے اس کی لوت میں
 باتوں سے ہوا شیخ کی حالی ست اثر
 حال سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
 دامن بہ چراغ مرہ خستہ زوہ امی باز
 و اماندہ منزل ہے کہ مصروف تک تاز
 تھی جس کی فلک سے زل بھی گرمی آواز
 رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز

۲۷۲

باقی ہے در

۲۵۸

جب پیر فلک نے ورق ایام کا لٹ
 آیا ہے مگر اس کے عقیدوں میں تزلزل
 دیں ہو تو صفتِ صمد میں بھی پیدا ہو بندی
 مذہب کے سہم انگلی اسرار ہے باقی
 بنیاد لرز جاتے جو دیوارِ چمن کی
 پانی نہ ملازمِ ملت کے جو اس کو
 یہ ذکر حضورِ شریک میں نہ کرنا
 اتنی یہ صفا، پاؤں کے تعلیم سے سراز
 دنیا تو ملی طہائریں گریں گریں
 فطرت سے جانوں کی نہیں گریں گریں
 دیں زخم سے جمعیت ملت سے الر ساز
 ظاہر ہے کہ انجمنِ گلستاں کا ہے آغاز
 پیدا ہوئی تھی نواد میں الحاد کے انداز
 سمجھیں نہ کہیں ہند کے سلم مجھے غماز

خرماتواں یافت ازاں خار کہ شتیم
 دیبا تہواں یافت ازاں چشم کہ شتیم
 (سعدی)

مذہب

تضمین بر شعریز ابیدل

تعلیم پیرِ فلسفہ مغربی ہے یہ
 پیرِ انظر سے نہ ہو آشنا تو کیا
 نادان ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش
 ہے شیخ بھی مثالِ برہمن صنم تراش

محوس پر پناے علوم جد کی
اس فور میں ہے شیشہ عتاد کا پاش پاش
مذہبے جس کا نام وہ ہے اک جنون خام
جس سے آدمی کے تختہ سیل کو انتقام
کستا مگر ہے فلسفہ زندگی لچھ اور
مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش

”باہر کمال اند کے اشفتگی خوش است
ہر چہ عقل کل شدہ امی بے جنوں مہا“

جناب یرمول کا ایک واقعہ

صف بستہ عریکے جوان تیغ بند
تھی منتظر جنا کی عروس زمین شام
اک نوجوان صورت سیاب مضطرب
اکر ہوا ایسے عساکر سے ہم کلام
اے بوجبیدہ رخصت پیکار مجھے
بہر زیور کیا مرے صبر و سکون کا جام
بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر سو کوئی پیام
یہ ذوق و شوق دیکھ لے پر ہم سوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفت تیغ بے نیام
بولا ایسے رنج کہ وہ نوجوان ہے تو
پیریں یہ تیرے عشق کا واجب ہے احرام

۲۶۶

بانگ درا

۲۶۰

پوری کرے خدا تعالیٰ مستد تری مراد کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
 پہنچے جو بارگاہ رسول امیں میں تُو کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
 ہم پر کرم لیا ہے خدا تعالیٰ غیور نے
 پوئے پوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے

مذہب

اپنی قلت پر قیاس اقوام مغرب کے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
 اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوت مذہب سے حکم ہے جمعیت تری
 دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
 اور جمعیت ہوئی رخصت تو قلت بھی لئی

پیوستہ شخص سے ایمید بہار رکھ

ڈالی گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ ممکن نہیں مہری ہو سحاب بہار سے
 ہے لازوال عہد خزاں اُس کے واسطے کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برل و بار سے

ہے تیرے گھٹاں میں بھی فصل خزاں کا دور
 خالی ہے جیب گل زر کا مل عیب سے
 جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور
 رخصت ہوئے تھے شجر سایہ دار سے
 شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو
 نا آشنا ہے فتاعدہ روزگار سے
 رقت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
 پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

شب معراج

اخترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز
 سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
 رویہ گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریا
 کہہ ہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

پھول

تجھے کیوں فکر ہے اگلے گل و لعلِ چاکِ لبیل کی
 تو اپنے پیرِ سچ کے چاک تو پہلے رفو کرے
 تنہا ابرو کی پو الہ کھزار ہستی میں
 تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کرے
 صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پایہ گل بھی ہے
 انھی پابندیوں میں حاصلِ آزادی کو تو کرے

۲۷۸

بانگ درا

۲۶۲

تنگ بخشی کو ہٹنا ہے پیغامِ حیات سے
 نہ رہنت کش شبنمِ نگوں جامِ سب کو کرے
 نہیں یہ شانِ خود ارئی چمن سے توڑ کر تجھ کو
 کوئی ستار میں لکھ لے کوئی سب کو کرے
 چمنِ غنچ پہ گل سے یہ کہہ کر اڑ لے شبنم
 مذاقِ جوڑ چمن ہو تو سپید رنگِ بو کرے
 اگر منظور ہو تجھ کو خزانِ آشنایا رہنا
 جہانِ رنگِ بو سے پہلے قطعِ آرزو کرے

اسی میں دیکھ کر ہر حالِ زندگی تیرا
 جو تجھ کو زینتِ اس کوئی آئینہ زو کرے

شکایتیں

شفقِ صبح کو دریا کا خرامِ آئینہ
 نغمہ شام کو خاموشی شامِ آئینہ
 برلِ گلِ آئینہ عارضِ زیبائے بہار
 شاہدِ مے کے لیے جملہ جامِ آئینہ
 حُسنِ آئینہ حق اور دلِ آئینہ حُسن
 دلِ انساں کو ترا حُسنِ کلامِ آئینہ

ہے تیرے فکرِ فلک سے کہاں ہستی

کیا تیری فطرتِ روشن تھی مالِ ہستی

تجھ کو جب دیدارِ طلب نے ڈھونڈا
 تابِ رخسید میں رخسید کو پہنا دیا

چشمِ عالم سے تو ہستی رہی ستوری
اور عالم کو تری آنکھ نے غریاں دیکھا

حفظ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا

رازِ واں بھرنے لڑکے کی کوئی پیدا ایسا

میں اور تو

یہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

میں نوائے سوختہ درختوں تو پریدہ رنگِ رمیدوں

مرا عیشِ غم مرا شہدِ غم مری بوہمِ نفسِ عدم

وہمِ زندگی زہمِ زندگی غمِ زندگی غمِ زندگی

ترنہِ خیال میں ہے اکثر شر تو خیال فقر و غنا نہ

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اپنے حرمِ حرم بتا

گلدہ جھانے و فانا کہ حرم کو اہل حرم سے ہے

یہ ستیرہ گاہِ جہاں تھی نہ حرفِ پیچیدگی نہ

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ لکھنے میں منتظر کرم

میں ہلاکِ جاوتے سامری تو قتلِ شوقِ ازسری

میں حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ لبری

ترا دل حرمِ لہرِ مجسم ترا دینِ سیرۃ کا فری

غمِ غم نہ لہرِ غم نہ لکھا لکھی ہے شانِ قلندری

کہ جہاں میں ناںِ شعیر ہے ارقوتِ حمیدی

کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی شربتِ سمندی

کسی بیکے میں کیا کروں تو کہ غمِ بھی بھری

وہی فطرتِ اسد اللہی وہی حجبِ وہی عنبری

وہ لکھ لکھ تو نے عطا کیا ہے جھین مانعِ کندی

اسیری

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بند
قطرہ نیساں ہے ندانِ صدف کے ارجمند
مُشکِ اُفر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے
مُشک بن جاتی ہے ہو کر نافہ اہو میں بند
ہر لسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دامِ قفس کے بہر مند

”شہرِ زراغ و زغن بندِ قید و صید نیست

اس سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کو داند“

درِ نوزہ خلافت

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جاتے
تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے الٹی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو کدائی
خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشائی

”مرا از شکستن چنان عار ناید

کہ از دلیراں خواستن موسیائی“

ہمایوں (مشر بس شاہ دین مرحوم)

اے ہمایوں! زندگی تیری سراپا سوز تھی تیری چنگاری چہ راغ انجمن افروز تھی
گرچہ تھاتیرا تن حیات کی نزار و درہند تھی ستارے کی طرح روشن تیری طبع بلند
کس قدر بے بال ڈال اس ناتواں پیکر میں تھا شعلہ کز دوزخ نور و اکُشتِ خالستر میں تھا
موت کی لکین دل و انا کو کچھ پروا نہیں شب کی خاموشی میں جز ہنگامہ فروا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل خستہ نامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی



۲۸۲

بانگِ درا

۲۶۶

خضرِ راہ

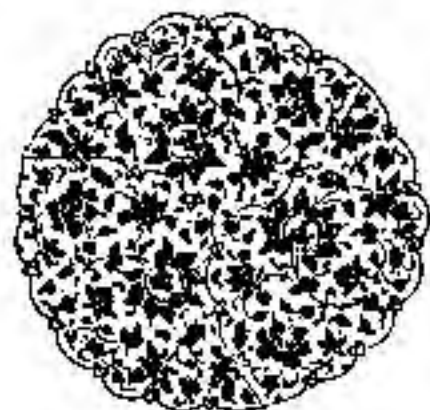
شاعر

ساحلِ دریا پہ میں اک راست تھا منجھٹنہ
کوشہٴ دل میں چھپاتے اک جہانِ مضطرب
شبِ سکوتِ سنرا، ہوا اسودہ، دریا نرم سیر
تھی نطنہ حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب
جیسے لہوارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیرخوار
موجِ مضطرب تھی کہیں گہراتیوں میں مستِ خواب

رات کے افسوں سے طائرِ آشیانوں میں اسیر
 انجمِ کمِ خدو گرفتارِ طلسمِ ماہِ ستاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیکِ جہاں میں پناہ
 جس کی پیری میں ہے مانندِ سحرِ زنگِ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویئے اسرارِ ازل
 چشمِ دلِ واپس تو ہے تفتِ دیرِ عالمِ بے حجاب
 دل میں یہ سن کر بپا ہوا ہنکامہ محشر ہوا
 میں شہیدِ جستجو تھا، یوں سخنِ ستر ہوا
 اے تری چشمِ جہاں ہیں پر وہ طوفانِ آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشتیِ مسکین، و 'جانِ پال' و 'دیوارِ ستیم'
 علمِ موسیقی بھی ہے تیریے سامنے حیرتِ فروش
 چھوڑ کر اباویاں رہتا ہے تو صحرانورد
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش

زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہو رہا ہے ایشیا کا حرقہ ویرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آبِ زندگی
 فطرتِ اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰؐ
 خال و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

اگل ہے، اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے!



جوابِ خضر

صحرا نوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگاپوتے دما دم زندگی کی ہے دلیل
اے رہینِ حسانہ تُو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نجفی ہے جب فضلتِ دشت میں بانگِ حیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ اچھو کا بے پروا حنہ رام
وہ حشرِ بے برل و ساماں وہ سفرِ بے سنگ و میل
وہ نمودِ اختِ سیلابِ پا پہ سنگِ گامِ صبح
یاں سیاں بامِ کردوں سے حسینِ حیرتِ لیل
وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ حلیل

۲۸۶

بانگِ درا

۲۶۰

اور وہ پانی کے چشمے پر مستام کارواں
 اہل ایساں جس طرح جنت میں لکڑیوں کی
 تازہ ویرانے کی سوداے محبت کو تلاش
 اور آبادی میں ٹونجی سیر کشت و خیال
 پختہ تر ہے گردش پیہم سے جاہم زندگی
 ہے یہی اسے بے خبر راز و وارم زندگی

زندگی

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
 ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
 تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
 جاوہاں پیہم دواں ہر دم جاں ہے زندگی
 اپنی دنیا آپ پیدا کر الرزندوں میں ہے
 ستر آدم ہے، خمیس کن فکاں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کو پہن کے دل سے پوچھ
 جوئے شیر تویشہ و سنبھڑاں ہے زندگی
 بندگی میں لکھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم اب
 اور آزادی میں بحر بے کراں ہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
 کرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزمِ ہستی سے تُو ابھرا ہے مانندِ جناب
 اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تُو
 پُختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زہار تُو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خالی میں جہاں پیدا کرے
 ٹھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
 اور خاکِ تر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

زندگی کی قوتِ پنہاں کو کر دے آشکار
 تا یہ چنگاریِ فُورغ جاوواں پیدا کرے
 خاکِ مشرق پر چمک جلتے مثالِ آفتاب
 تا بدخشاں پھر وہی غسلِ گراں پیدا کرے
 سوتے کر دوں نالہ شبِ کبیر کا بھیجے سفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازواں پیدا کرے
 یہ لکھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر عتِ نفل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

استاؤں تجھ کو رمزِ آیہِ اِنِّ اللّٰهُوَ
 سلطنتِ اقوامِ غالب کی ہے ال جاوولری
 خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محسوسِ مومِ الر
 پھر سلا دیتی ہے اُس کو حُلمِ راں کی ساحری

جادوئے محسوس کی تاثیر ہے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلفتہ کردن میں ساز دلبری
 خون اسہ ایل آجاتا ہے آئینہ جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی ٹوٹا ہوا طلسم سامری
 سروری زیبا فقط اس فضا میں رہتا کو ہے
 حکمراں ہے اک وہی باقی بستان ازری
 از عنلامی فطرت آزاد را رسوا کن
 تا تراشی خواجہ الے از برہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کنن مغرب کا جمہوری نظام
 جس کے پردوں میں نہیں غیب سے نوائے قیصری
 دیو استبداد جمہوری قبایم میں پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلیم پری
 مجاہدین و اسلحہ و رعایات و حقوق
 طبع مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

گرمی کُفتارِ اعضائے مجالس، الاماں!
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنبِ گرمی
 اس سرمایہ دارِ نیک و نیکو کا رستہاں سمجھا ہے تُو
 اہلے نادان! تقصیر کو اشتیاء سمجھا ہے تُو

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جب اک مراپہ نام دے
 بنظرِ کاہل کیا ہے یہ پیامِ کائنات
 اے کہ تجھ کو کھالیا سرمایہ دارِ حیدر
 شاخِ آہو پر رہی صدیوں ملکِ تیری برات
 دستِ دولتِ آفسریں کو مزدوروں ملتی رہی
 اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
 ساحرِ الوط نے تجھ کو دیا برکِ شیش
 اور تُو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
 خواجلی نے خوب چُن چُن کے بندے مسکرات
 کٹ مرانا داں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں تُو لٹوا لیا نعتِ حیات
 مگر کی چپالوں سے بازی لے لیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے لٹا لیا مزدور مات
 اُمٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمتِ عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تک
 نعمتِ بیداری جمہور ہے سامانِ عیش
 قصہ خواب اور اسکندر و جم کب تک
 افتابِ تازہ پیدا بطنِ لیتی سے ہوا
 آسماں! ڈوبے ہوتے تاروں کا ماتم کب تک

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
 دُور ہی جنت سے روتی چشمِ اوم کب تک
 باغبانِ چارہ نم سے یہ کہتی ہے بہا
 زخمِ گل کے واسطے تدبیرِ مریم کب تک
 کرکابِ ناداں اطلوافِ شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

دُنیا سے اسلام

کیا سناتا ہے مجھے شرک و عرب کی استاں
 مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و سنا
 لے لے تھلٹ کے فرزندِ میراثِ خلیل
 خشتِ بنیادِ کلیسا بن لٹی خالِ حجاز
 ہو گئی رُسوا زمانے میں کُلاہِ لالہ زنا
 جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیا

لے رہا ہے مے فروشانِ فرنگستان سے پارس
 وہ مے کشِ حرارتِ جس کی ہے عینِ کلدان
 حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوتی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے کان
 ہو گیا مانسِ آبِ ازناںِ سماں کا لہو
 مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانتے رن
 گفتِ رومیؒ ہر سب سے کہنہ کا باداں کسند
 می ندانیؒ "اول اں بنیاد را ویراں کسند"
 "ملک ہاتھوں کے کیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں"
 حق ترا چشمِ عطا کر دستِ غافل درنگ
 موسائی کی کدائی سے تو بہتر ہے شکست
 نورِ بے پر! عابِ حقے پیشِ سلیمانے مہر
 ربط و ضبطِ ملتِ مضربِ لبِ مشرق کی نجات
 ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک خبر

پھر سیاست چھوڑ کر داخل صبا دیں میں

نمک دولت سے فقط حفظِ حرم کا الٹ

ایک ہوں سلم حرم کی پاسبانی کے لیے

نیل کے ساحل سے لے کر تاجِ کاشغر

جو لڑے گا امتیازِ رنگ و خونِ مرث جلتے گا

شکرِ حسنہ کا ہی ہو یا عسرا بی والا لہر

نسلِ ارسلم کی مذہب پر مقدم ہو لہتی

اوپر کیا دنیا سے تو مانسہ خال رہ گزر

تا حنرافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار

لاکھیں سے ٹھونڈ کر اسلاف کا قلبِ جلہر

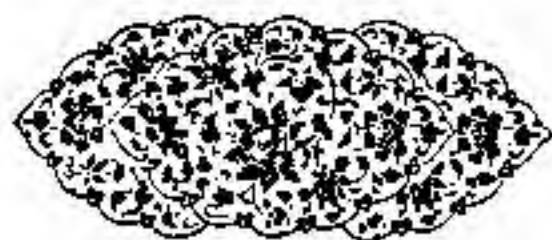
اے کہ شناسی خفی را از جلی شیار باش

اے گرفتار ابو بکرؓ و علیؓ شیار باش

عشق کو سرِ یاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی

اب ذرا دل تھام کر سرِ یاد کی تاثیر دیکھ

تُو نے دیکھا سٹو سٹ رفتار دریا کا عروج
 موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب نہجیر دیکھ
 عام حضرت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
 اے سماں آج تُو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی حق کستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مے آتے نہ لفتار میں
 آنے والے دور کی دھندلی سی ال تصویر دیکھ
 از مودہ فستند ہے ال اور بھی لڑوں کے پاس
 سامنے تفتدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ
 سلم استی سینہ را از آرزو آباد وار
 ہر زمان پیش نظر لای خلف المیعاد وار



طلوع اسلام

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
 اُفق سے آفتاب ابھرا، کیا دور گراں خوابی
 عسروں مرقہ مشرق میں خونِ زندگی وڑا
 سمجھ سکتے نہیں اس از کو سینا و منارابی
 مسلمان کو مسلمان کر دیا طوفانِ مغرب نے
 تلاطم ہائے دریا پس سے ہے کوہِ سیرابی
 عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
 شکوہ ترکستانی، ذہنِ ہندی، نطقِ عربی
 اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے دلیل!
 ”نوار تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ لم یابی“
 تڑپِ صحنِ چمن میں، اشیاں میں شاخساروں میں
 جدا پائے سے ہو سکتی نہیں تفتِ یرسیابی

وہ چشم پاک ہیں کیوں زینت برستواں دیکھے
 نظر آتی ہے جس کو مرد عسائی کی جلد تابی
 خمیر لالہ میں روشن چراغِ ارزو لکڑے
 چمن کے ڈرے ڈرے لوشہیدِ جستجو لکڑے
 سر شامِ چشمِ سلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
 خلیل اللہ کے دریا میں ہوں کے پھر لہر پیدا
 کتابِ ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
 یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر ریل و بر پیدا
 ربوہ اس ترکِ شیرازی دلِ تبریز و کابل را
 صبا لرتی ہے بوئے گل سے اپنا سہم پیدا
 اگر عثمانیوں پر لوہِ عنم ٹوٹا تو کیا عنم ہے
 کہ خونِ صمد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
 جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
 جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

۲۹۸

بانگِ درا

۲۸۲

ہزاروں سال نرس اپنی بے نوری پہوتی ہے
 بڑی شکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و پر پیدا
 نوایر اچھوٹے بیل کہ پوتیرے ترنم سے
 کہو تر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
 ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی لہرے
 مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی لہرے
 خدائے لم یزل کا دست قدرت تُو، زباں تُو ہے
 یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب کُماں تُو ہے
 پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
 ستارے جس کی لہر راہ ہوں، وہ کارواں تُو ہے
 مکانِ مَنانی، مہکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
 خدا کا احسن پیغام ہے تُو، جاوداں تُو ہے
 حنا بند عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
 ترمی نسبتِ براہِ سیما ہے معیارِ جہاں تُو ہے

تری فطرت میں ہے ممکناتِ زندگانی کی
 جہاں کے جو ہر منہ کا گویا امتحاں تو ہے
 جہاں آبِ کل سے عالمِ جاوید کی خاطر
 نبوتِ ساتھ جس کو لے لیتی وہ امتحاں تو ہے
 نیکی سے کرکشتِ ملتِ بیضا سے پیدا
 کہ اقوامِ زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے
 سبقِ پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
 لیا جاتے گا تجھ سے کامِ دنیا کی امامت کا

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
 اخوت کی جہاں لیری، محبت کی فراوانی
 بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں لم ہو جا
 نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی
 میانِ شاخسارانِ صحبتِ مرغِ چین لبِ تہا
 ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

گمان آباد ہستی میں ہستی میں مرد سدا کا
 بیاباں کی شب تاریک میں قندیل بہانی
 ہٹا یا قصیر و کسری کے استبداد کو جس نے
 وہ لیا تھا، زور حیدر، فقر نوذر، صدق سلمان
 ہوئے احرار ملت جادہ پیاس تھمتل سے
 تماشا کی شکاف در سے ہیں صدیوں کے زندانی
 ثبات زندگی ایمان کلم سے ہے دنیا میں
 کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے توراتی
 جب اس انکارہ خالی میں ہوتا ہے یقین پیدا
 تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا
 غلامی میں نہ کام آتی ہیں ششیریں نہ تدبیریں
 جو ہو فوق ہستی پیدا تو لٹ جاتی ہیں زنجیریں
 کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
 نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں لیری
 یہ سب کیا ہیں، فقط ال کتہ ایماں کی تفسیریں
 براہی میں نظر پیدا کر شکل سے ہوتی ہے
 ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
 تیز بندہ و افت فساد اوستے
 حذر اے چیرستان! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
 حقیقت ایک ہے مرثیے کی حاکم کی ہول نوری ہو
 لہو خورشید کا شپے رفتے کا دل چسپیں
 یقین حکم عمل پیہم، محبت فاتح عالم
 جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
 چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
 دل کرے، نگاہ پاک بینے، جان بیتابے
 عجبانی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
 ستارے شام کے خون شفق میں ڈوب کر نکلے

۳۰۲
 بانگ درا
 ۲۸۶

ہوتے مدفون دریا زیر دریا تیسرے والے
 طمانچے موج کے کھلتے تھے جو بن کر لہر نکلے
 غبارِ رہ لذر ہیں کہیں سیار پر ناز تھا جن کو
 جبینِ خال پر رکھتے تھے جو اسیر نکلے
 ہمارا نرم روفت اصد پیامِ زندگی لایا
 خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے
 سرمِ رسوا ہوا پیرِ سرمِ لیلم نکاحی سے
 جوانانِ تزاری کسی دستِ در صاحبِ نظر نکلے
 زمیں سے نوریانِ آسمان پرواز کہتے تھے
 یہ خالی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
 جہاں میں اہل ایمان صورتِ نور شید جیتے ہیں
 ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

یقینِ انرا دکا سیرِ تعمیرِ ملت ہے
 یہی قوت ہے جو صورتِ لڑتِ ملت ہے

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
 خودی کا راز داں ہو جا، حسد کا ترجمان ہو جا
 ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انسان کو
 اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
 یہ پندی وہ شہر اسانی، یہ افغانی وہ تورانی
 تو اے شہر مندہ ساحل! اچھل کر بے لراں ہو جا
 غبار الووہ رنگ و نسب ہیں بال و تریسے
 تو اے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پریشان ہو جا
 خودی میں ڈوب جا غافل! یہ ستر زندگانی ہے
 نکل کر حلفتِ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
 مصافِ زندگی میں سیرتِ فولا و پیدار
 شبستانِ محبت میں حیر و پریاں ہو جا
 گزر جا بن کے سیلِ شند و کوہِ بویاں کے
 گستاخاں! اہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

ترے علم و محبت کی نہیں ہے آہ کا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

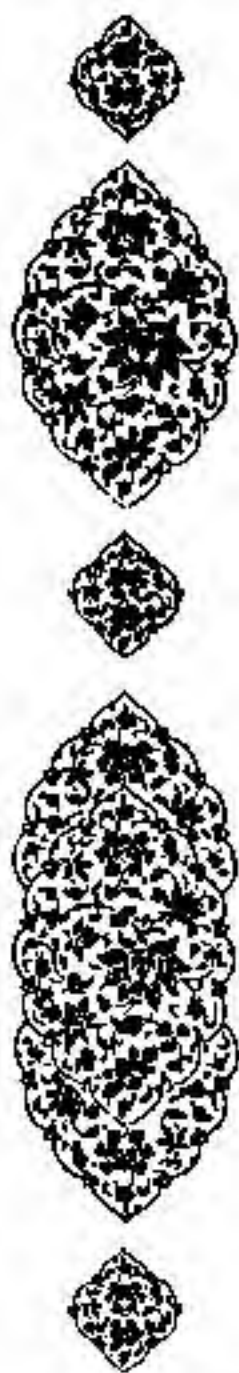
ابھی تک آدمی سید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوع انسان کا شکار ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ ستاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مند ان مغرب کو
پوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کار زاری ہے
تدبر کی فنون کاری سے محکم نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سطریداری ہے
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خالی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ تاری ہے
خروش اس سوز بیل ہو، بکرہ غنچے کی والرو کے
کہ تو اس ملکستان کے واسطے باد بہاری ہے

پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنکاری محبت کی
 زمیں جولاں کہ اسلس قبایق تار می ہے
 بیا پیدا حسرتِ راست جان ناتوانے را
 "پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را"
 بیا ساقی نوالے مرغزار از شاخسار آمد
 بہار آمد نگار آمد، نگار آمد و تر آمد
 کشید ابر بہار نمی خیمہ اندر وادی صحرا
 صدائے آبشاراں از منہ از کوہسار آمد
 سرست گردم تو ہم قانونِ پیشین ساز وہ ساقی
 کہ خیلِ نعلِ سپید پروازاں قطار آمد قطار آمد
 کنار از زاہداں بکسیر و بے باکانہ ساغر شس
 پس از مدت ازین شاخِ لہن باناس بہار آمد
 بہشتا قافِ حدیثِ خم جہتِ بدروہین اور
 تصرفِ ہلے پنہانش بحشمتِ شکار آمد

وگر شاخِ خلیل از خونِ مانم ناک می گردد
ببازارِ محبت نقدِ ماکمل عیارند

سرِ خالِ شهید بر لبِ لاله می چشم
که خوشر بنه سالِ ملت با سازگارند

”بیاتاکل بنفشانیم و دریا غراند ازیم
فلک استقف بشکافنیم و طرح دیراند ازیم“



اے ابرو کا کھارے جا بے جا
 نہیں سے انتہا میں
 کہ بے جا
 اے ابرو کا کھارے جا بے جا
 نہیں سے انتہا میں
 کہ بے جا
 اے ابرو کا کھارے جا بے جا
 نہیں سے انتہا میں
 کہ بے جا

۲۰۸
بانگِ ورا
۲۹۲

غزلیات



اے بادِ صبا! کہلی وائے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی لٹی
یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لبِ ساحل نے دیا
ہے دُور وصالِ بحرِ ابھی، تُو دریا میں کھسبرا بھی لٹی!
عزت ہے محبت کی فتائم اے قیس! حجابِ محمل سے
محمل جو کیا عزت بھی گئی، نغیرت بھی لٹی، لیدا بھی لٹی
کی ترک تک دو قطرے نے تو آبروئے کوہِ بھی علی
اوار کی فطرت بھی لٹی اور شکش دریا بھی لٹی

نکلی تو لب اقبال سے ہے کیا جانے کس کی ہے یہ صدا
پیغام سکوں پہنچا بھی گئی، دل محفل کا تڑپا بھی گئی



یہ سر و قمری و بیل فریب خوش ہے
تیرے پیانوں کا ہے یہ اے مے مغربا
باطن ہنگامہ آباد چمن خاموش ہے
خند و زن ساقی ہے ساری انجمن کے خوش ہے
دہر کے غم خانے میں تیرا پتا ملتا نہیں
جرم تھا کیا آفرینش بھی کہ تو روپوش ہے
اے دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں
پہلوئے انساں میں ال ہنگامہ خاموش ہے
زندگی کی رہ میں چل لکین فریبچہ بچ کے چل
یہ سمجھ لے کوئی یہ سنا خانہ بار و خوش ہے

جس کے دم سے دلی لاہور ہم پہلو ہوئے
اے اقبال! وہ بیل بھی خاموش ہے



نالہ ہے بیل شوریدہ ترا خام بھی
پختہ ہوتی ہے المصلحت اندیش عقل
اپنے سینے میں اسے اور راتھام بھی
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام بھی
بے خطر کو دپڑا آتش نرود میں عشق
عقل ہے محتما سائے لب لبام بھی

عشق فرمودہ قاصد سے سبک کا عمل
 شیوہ عشق ہے آزادی و دہرا شہوبی
 عذریہ پر پیر کیست ہے بجز کر ساقی
 سعی سہم ہے تراژوئے کم و کیف حیات
 ابرغیاں یہ تینک بخشی شبنم کب تک
 باوہ کرد ان بسم و عربی میری شراب
 عقل سمجھی ہی نہیں سنی پیغام بھی
 تو ہے تار می بست خانہ ایام بھی
 ہے ترے دل میں ہی کاوشِ انجام بھی
 تیری میزراں ہے شمارِ شام بھی
 مرے نسا کے لالے ہیں تہی جام بھی
 مرے ساغر سے جھکتے ہیں مے اشام بھی

خبر اقبال کی لائی ہے گلستاں سے نسیم
 نو گرفتار پھر کت ہے تہ و ام ابھی



پر وہ چہرے سے اٹھا، انجمن آرائی کر
 توجو بجلی ہے تو یہ چٹک پنہاں کتب
 نفسِ قزم کی تاثیر ہے عجب از حیات
 کب تک طور پہ درِ نوزہ لری مثلِ کلیم
 ہو تری خال کے ہر ترے سے تعمیرِ حرم
 چشم مہر و مہ و انجم کو تماشا تائی کر
 بے حجابانہ مرے دل سے شناسائی کر
 تیرے سینے میں لکھ ہے تو مسیحائی کر
 اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سینائی کر
 دل کو بیگانہ اندازِ کلیسائی کر

اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا چھا ناز بھی کر تو بہ اندازہ رعنائی کر
پہلے خود دار تو مانند کندہ ہو لے پھر جہاں میں ہو جس شوکت دارائی کر

مل ہی جائے کی بھی منزل لیلی اقبال
کوئی دن اور ابھی باویہ پیائی کر



پھر باد بہار آئی اقبال غزل خواں ہو غنچہ ہے اگر گل ہو گل ہے تو گلستاں ہو
تو خاک کی مٹھی ہے اجڑا کی حرارت سے برہم ہو پریشان ہو، وسعت میں بیاباں ہو
تو جنس محبت ہے قیمت ہے لراں تیری لم مایہ ہیں سو الزامیں میں ازان ہو
کیوں ساز کے پردے میں مستور ہو لے تیری تو نغمہ زنجیں ہے ہر گوش غیبیان ہو
اے ہر وقت نراندہ رستے میں اگر تیرے گلشن ہے تو شبنم ہو صحرا ہے تو طوفان ہو

ساماں کی محبت میں ضم ہے تن آسانی
مقصد ہے اگر منزل غارت کہ ساماں ہو



کبھی اے حقیقت منظر نظر آلباس محاز میں کہ ہزاروں سجدے ٹپ رہے ہیں جبین نیاز میں

طرب آشنائے خروش ہو، تو نوا ہے محرم خوش
 تو بچا بچکے نہ رکھ اسے ترا آئند ہے وہ آئند
 دم طوف کماشمع نے یہ کہا وہ اثر کمن
 نہ کہیں جہاں میں اناں ملی جو اناں ملی تو کہاں ملی
 نہ وہ عشق میں ہیں میاں نہ وہ حسن میں ہیں شمعیاں
 جو میں سر سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
 ترا دل تو ہے صہنم آشنائے تجھے کیا ملے کا نماز میں

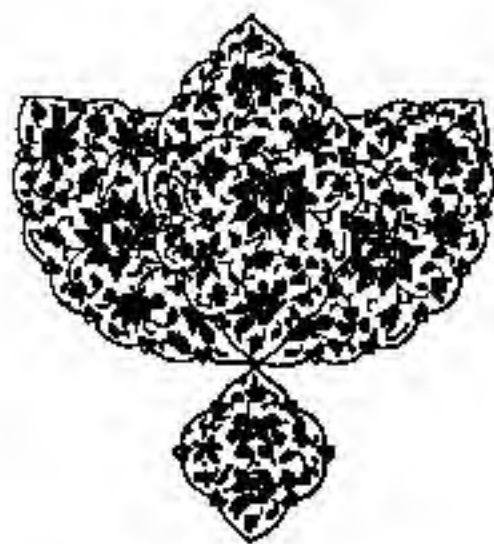


تہ دام بھی غزل آشنائے طرا تران چمن تو کیا
 ترا جلوہ کچھ بھی تسلی دل نا صبور نہ کر سکا
 نہ خدار ہا نہ صہنم ہے نہ رقیب فیر و حرم رہے
 مرا ساز اگرچہ ستم رسید زخمہ ہا عجیب ہا
 وہ شہید فوق وفا ہوں میں کونامری علی ہی



گرچہ تو زندانی اسباب ہے قلب کو بس کن ذرا آزاد رکھ
 عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اہمال کی بنیاد رکھ
 اے سلسلاں! ہر لہری پیش نظر آیہ "لَا يُخْلِفُ الْمُسْلِمُ" رکھ

یہ لسانِ معصوم فرینام ہے
 "اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ" یاد رکھ



۳۱۲
 بانگ درا
 ۲۹۸

ظلمت

مشرق میں اصول دین بن جلتے ہیں مغرب میں مکرشین بن جلتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پتلے واں ایک کے تین تین بن جلتے ہیں



لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشن مغربی ہے مدِ نطنہ وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین پروہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ



شیخ صاحب بھی تو پروے کے کوئی حامی ہیں مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
عظیم سنہ ٹو دیا کل آپسے یہ صاف صاف ”پروہ آخر کس سے ہو جب مروپی زن ہو گئے“

یہ کوئی دن کی بات ہے مرد ہوش مند! غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے کی
 آگ ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض کونسل کی ممبری کے لیے اوٹ چاہے کی

تعلیم مغربی ہے بہت جرات کشیں پہلا سبق ہے پیٹھ کے کالج میں مار ڈینک
 بستے ہیں ہند میں جو خسیہ ارپی فقط آغا بھی لے کے آتے ہیں اپنے وطن کے چمکند
 میرا یہ حال، بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں اُن کا یہ حکم، دیکھ! مرے فرش پر نہ رینک
 کہنے لگے کہ اوٹ ہے بھڑاسا جانور اچھی ہے گلے رکھتی ہے کیا نول واریہ

کچھ غم نہیں جو حضرت اعظم ہیں تنگ دست تہذیب نو کے سامنے سراپا حتم ہیں
 روجہ ساد میں تو بہت کچھ لکھ لیا ترویج حج میں کوئی رسالہ قلم لیں

تہذیب کے مرض کو گولی سے فائدہ! دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجیے

۳۱۶
 مانگ سے دیا
 ۳۰۰

تھے وہ بھی نہ کہ خدمتِ استاد کے عوض دل چاہتا تھا وہ یہ دل پیش کیجیے

بدلانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کستہ ہوا شرے کہ دل پیش کیجیے



انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کیت ملک
اپنی غفلت کی یہی حالت الفت ہم ہی
چھتریاں، نوماں، مغر، پیر، چپان سے
ایسے کے غفلت کا بل سے لفظ چپان سے



ہم شرق کے سکینوں کا دل مغرب میں جا چکا ہے
اس فرم میں سب مٹ جائیں گے ہاں باقی وہ رہ جائے گا
وانٹرسٹ قومی ہیں یاں ایک پرانا مشک ہے
جو قائم اپنی راہ ہے اور چکا اپنی نہٹ کا ہے
ایسے شیخ و برہمن سنستے ہو کیا اہل بصیرت کہتے ہیں
گروں کے کتنی بلند ہی ان قوموں کو دے چکا ہے

یا امام پیار کے جلسے تھے دستورِ محبت قائم تھا

یا بحث میں اردو ہندی کے برافراہانی یا مشک ہے



”اھلِ شہود و شہادہ و شہود ایک ہے“ غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا

کیوں اے جناب شیخ! سنا آپ نے بھی کچھ
کہتے تھے کعبے الوں سے کل اہل دیر کیا
ہم پوچھتے ہیں مسلم عاشق مزاج سے
الفت بتوں سے ہے تو برہمن سے سیر کیا

ہاتھوں سے اپنے دہن دنیا نکل گیا
قانون وقف کے لیے لڑتے تھے شیخ جی
رخصت ہوا دلوں سے خیال معاد بھی
پوچھو تو وقف کے لیے ہے جاتا دھبی!

وہ سن بولی ارادہ خود کشی کا جب کیا میں نے
نہ جرات ہے نہ خیر ہے تو قصہ خود کشی کیا
یہ مانا درو ناکامی کیا تیرا لڑ جہ سے
کہا میں نے کہ اے جان جہاں کچھ نقد و لواؤ
مہذبے تو اے عاشق! قدم باہر دھر سے
کراتے پر منگالوں کا کوئی افغان سر سے

ناواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر
مغرب میں ہے جہازِ بیاباں شتر کا نام
حاصل ہوا یہی نہ بچے مار پیٹ سے
شکر کوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

ہندوستان میں خیر و حکومت ہیں کونسلیں
آغاز ہے ہمارے سیاسی سال کا

ہم تو فقیر تھے ہی ہمارا تو کام تھا
سیکھیں سلیقہ اس امر بھی سوال کا



ممبری اسپیرٹل کنسل کی کچھ شکل نہیں
وٹ تو مل جائیں گے پیسے بھی لو آئیں گے کیا؟
میرا خائب خدا بخشے بجا فرمائے
”ہم نے یہ مالہ ولی میں ہیں لھائیں گے کیا“



دلیل مہر و وفا اس کے بڑھ کے کیا ہوگی
نہ چھوڑے اُلفت تو یہ ستم نہ سہیں
نہ صریح حلقہ ہمیشی میں کچھ کہیں ہم بھی
مگر رضائے ظلمت کو بھانپ لیں تو کہیں
سند تو لیجئے لڑکوں کے کام آتے گی
وہ مہربان ہیں اب پھر رہیں نہیں رہیں
زمین پر تو نہیں ہندویوں کو جا ملتی
مگر جہاں میں ہیں خالی سمندروں کی تہیں

مشاکشتی بے حسیع فرماں ہیں

کہو تو بستیہ سال ہیں کہو تو بہیں



فرما ہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ
لغاف ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوشش
مشرک ہیں جو کہتے ہیں شرک سے لین دین
لیکن ہماری قوم ہے محروم تسل و ہوش

ناپاک چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی
 سن لے کر ہے کوشش مسلمان کا حق نبوش
 اک باوہ کش بھی عطر کی محفل میں تھا شریک
 جس کے لیے نصیحت اعطی تھی بار کوش
 کہنے لگا ستم ہے کہ ایسے قیود کی
 پابند ہو تجارت سامان خورد و نوش
 میں نے کہا کہ آپ کو مشکل نہیں کوئی
 ہندوستان میں ہیں علم کو بھی سے فروش

دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کتب
 شیشہ ویں کے عوض جام و سبوتیتا ہم
 ہے مداوائے جنوں شتر تعلیم جدید
 میرا سر جن کلت سے لہو لیتا ہے

گائے اک روز ہوئی اونٹ سے یوں کہ سخن
 نہیں اک حال یہ دنیا میں کسی شے کو قرار
 میں تو بدنام ہوئی توڑ کے رسی اپنی
 سنتی ہوں اپنے بھی توڑ کے رکھ دی ہے مہا
 ہند میں آپ تو از روئے سیاست میں ہم
 ریل چلنے سے مکر دشت عرب میں بیکار
 کل ملک آپ کو تھا گائے کی محفل سے حذر
 تھی لٹکتے ہوئے ہونٹوں پہ چھدا تے زہا
 آج یہ کیا ہے کہ ہم پر ہے عنایت اتنی
 نہ رہا آئینہ دل میں وہ دیرینہ غبار

جب تعیتِ رُسنی اونٹنے شرب کے کہا
 رشکِ صد غمزه اشتہ ہے تری ایک طیل
 ترے ہنگاموں کی تاثیر پھیلی بن میں
 ایک ہی بن میں ہے مدت سے سیر اپنا
 گوشت و شتر و کاو و پنک و خرنک
 باغباں ہو سبق آموز جو لیرنگی کا
 دے ہی جام ہیں بھی کہ مناسب ہے یہی
 تو بھی شہر ہو تیرے رُفتا بھی شہر

”وَلَقَدْ حَافِظُكُمْ بِحَرْبٍ رَّيْشٍ رَنْجِشِ كُنْ
 وَانْجَشِشِ سَتِ وَخَرَابِ زَرِهْ بَازَارِ بِيَا“



رات پھرنے کہہ یا مجھے
 مجھ کو دیتے ہیں ایک نونہ لہو
 جبر اپنی ناتسامی کا
 جلد شب بھر کی تشنہ کامی کا

اور یہ بسوہ دار نے رحمت
 پی کیا سب لہو اسامی کا

یہ آئیہ نوجہیل سے نازل ہوئی مجھ پر
 لیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں کیستا
 کیا خوب ہوئی اشتی شیخ و برہمن
 اس جنک میں آخر نہ یہ ہار نہ چہیستا

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے بدری
 مسجد نے نکلتا نہیں ضدی ہے سیستا

جان جائے ہاتھ سے جائے نہ رست
 ہے یہی اک بات ہر مذہب کا شت
 چٹے ایک ہی تھیل کے ہیں
 سانپو کا رمی بسوہ داری، سلطنت

محنت و سطر و دنیا میں صف آہ ہو گئے
 دیکھیے ہوتا ہے کس کس کی متاؤں کا خون
 حکمت و تدبیر سے فیتہ آشوب خیز
 نل نہیں جتا تو قد لٹ شتم یہ شمع جھون
 کھل گئے یا جوج اور با جوج کے شکر تمام
 چشم مسلم و عید کے تفسیر حرف نیلون

شام کی سرحد رخصت ہو وہ زندلم نزل
 رکھ کے میخانے کے قاعدے بالائے ق

یہ اگر سچ ہے تو ہے پس وجہ ہجرت کا مقام
 زنگ ال پل میں لجاتا ہے یہ نیلی واق
 حضرت کرن کو اب نہ کہڑاوا ہے ضرور
 حکم بڑا ہی کے معنے میں ہے بولا الطاق
 وفد ہندستان کے کرتے ہیں سر اغا خان طلب
 کیا یہ چورن ہے پے ہضم فلسطین عراق؟

تکرات تھی مزارع و مالک میں ایک روز
 دونوں یہ کہہ رہے تھے مرا مال ہے میں
 کہتا تھا وہ کہے جو زراعت اس کی طاہت
 کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں
 پوچھا میں سے میں نے کہ ہے کمال تو
 بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقین
 مالکے یا مزارع شوریدہ حال ہے
 جو زیر آسمان ہے وہ دھرتی کا مال ہے

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
 نئی تہذیب کے انڈے ہیں سے
 انکشن مہربانی، کنسل، صدارت
 بنائے خوب ازاد ہی نے پھینکے
 میاں بخار بھی پیلے گئے ساتھ
 نہایت تیز ہیں یورپ کے بندے

کارخانے کا ہے مالک مردِ کارِ مزدور کا
عیش کا پتلا ہے محنت ہے اسے ساز کا
حکیم حق ہے نہیں لدا انسان الا ماسعی
کھلتے کیوں مزدور کی محنت کا چل سڑیہ

سنا ہے میں نے کل لیتا تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دست کاروں کا
مگر کرنے کیا خوب نسل لان ہوا
کوئی اس شہر میں کب نہ تھا سڑیہ اروں کا

مسجد بنادی شہر میں یہاں کی احرارٹا ہونے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن سکا
کیا خوب فیصل کو سنو سی نے پیغام دیا
تو نام اوس کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن سکا
ترا نکھیں تو جاتی ہیں یہ کیا لذت اس نے
جب خج بن بکر کی امیرش کے شک پیازی بن سکا

اقبال بڑا آپشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا عین زمی تو بنا کر وار کا عین زمی بن سکا



بانگ درا
۳۰۸

بالِ جبریل

اقبال

۳۲۵
بالِ جبریل

بال جبریل
نفس منیر

اُمّہ کہ خورشید لاس مان سفر تازہ کریں
نفس کو خورشید شام و سحر تازہ کریں

انبار

۳۲۶
بال جبریل

اُمّ که خورشید کا سا مان سحر تازه کریں
نفسِ سوخته شام و سحر تازه کریں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱

مری زوئے شوق سے شورِ حرمِ ذات میں !

مفلعلے الاماں بستکہ مفاست میں !

حورِ درشتہ میں اسیرِ سرِ تقدیر میں

مری نگاہ سے غفلِ تری بقیات میں !

گرچہ ہے میری جستجو دیرِ حرم کی نقشبند

مری فناں سے سنجیدہ کورسِ رسوائی میں !

گامِ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود

گامِ المجد نے رگڑی سے توجہات میں !

تو نہ یہ کیا غضب کیا ! محبِ جو بھی فاش کر دیا

میں ہی تو ایک رازِ حاسیہ مانا میں !

۳۲۸

بالِ جبریل

۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

غزلیات (حصہ اول)

- | | | |
|--------|---|--|
| ۳۲۵/۲۱ | ۱ | میری نوائے شوق سے شور حریمِ دُست میں |
| ۳۲۶/۲۲ | ۲ | الرجز رو ہیں اُجسم، آسماں تیرا ہے یا میرا؟ |
| ۳۲۷/۲۳ | ۳ | گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر |
| ۳۲۸/۲۴ | ۴ | اثر کرے نہ کرے بس تو لے مری فریاد |
| ۳۲۹/۲۵ | ۵ | کیا عشق ایک زندگی ستعار کا |
| ۳۵۰/۲۶ | ۶ | پریشاں ہو کے میری خاکِ آخرِ دل نہ بن جائے |
| ۳۵۰/۲۶ | ۷ | دلِ گروں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی |
| ۳۵۱/۲۷ | ۸ | لا پھر اک بار وہی باوہ و جامِ اے ساقی! |

۳۵۲/۲۸ ۹ مٹا دیا میرے ساتی نے عالم سن تو

۳۵۲/۲۸ ۱۰ ستارے بے بسا ہے درد و سوزِ آرزو مندی

۳۵۳/۲۹ ۱۱ تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ

۳۵۲/۳۰ ۱۲ ضمیرِ لالہ میرے محل سے ہوا لبِ ریز

۳۵۲/۳۰ ۱۳ وہی سیرِ کلمِ نصیبی، وہی تیری بے نیازی

۳۵۵/۳۱ ۱۴ اپنی جولاں گاہِ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں

۳۵۶/۳۲ ۱۵ اک دانشِ نورانی، اک دانشِ برہانی

۳۵۶/۳۲ ۱۶ یارب! یہ جہانِ کزراں خوب ہے لیکن

غزلیات (حصہ دوم)

۳۵۹/۳۵ ۱ سا سکتا نہیں پسائے فطرت میں مرا سودا

۳۶۳/۳۹ ۲ یہ کون غزلِ خواں ہے پر سوز و شادانِ گہیز

۳۶۴/۴۰ ۳ وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھایا ہے جنوں

۳۶۵/۴۱ ۴ عالمِ آب و خاک و باد، سترِ عیاں ہے تو کہ میں

۳۶۵/۴۱ ۵ تو ابھی رہ کزریں ہے، قیدِ مستام سے کز

۳۳۰
بالِ جبریل

- ۶ امین راز ہے مروان حسر کی درویشی ۳۶۶/۴۲
- ۷ پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن ۳۶۷/۴۳
- ۸ مسلمان کے لہو میں ہے سیدتہ دل نوازی کا ۳۶۸/۴۴
- ۹ عشق سے پیدا ہوا ہے زندگی میں زیر و بم ۳۶۸/۴۴
- ۱۰ دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے ۳۶۹/۴۵
- ۱۱ ہزار خوف ہو لیکن زباں جو دل کی رنیت ۳۶۹/۴۵
- ۱۲ پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی ۳۷۰/۴۶
- ۱۳ یہ حوریانِ مندرنگی، دلِ نطنس کا حجاب ۳۷۱/۴۷
- ۱۴ دل بیدار و نروقی، دل بیدار کڑی ۳۷۱/۴۷
- ۱۵ خودی کی شوخی شہدای میں کب بفرما نہیں ۳۷۲/۴۸
- ۱۶ میر سپاہِ ناز، لشکریاں شکستہ تصف ۳۷۳/۴۹
- ۱۷ زیستانی ہوا میں کرجہ تھی شیر کی تیزی ۳۷۳/۴۹
- ۱۸ یہ دیر کھن کیا ہے؟ انبارِ خس و خاشاک ۳۷۴/۵۰
- ۱۹ کمال ترک نہیں اسبِ گل سے مجوری ۳۷۵/۵۱

۳۷۵/۵۱	۲۰	عمتل کو آستان سے دور نہیں
۳۷۶/۵۲	۲۱	خودی وہ سر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
۳۷۷/۵۳	۲۲	یہ پیام دے کئی ہے مجھے باد صبح کا ہی
۳۷۷/۵۳	۲۳	ترمی نگاہ مندر و مایہ، ہاتھ ہے کوتاہ
۳۷۸/۵۴	۲۴	خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
۳۷۹/۵۵	۲۵	نگاہِ فہمتر میں شانِ سکندر می کیا ہے
۳۷۹/۵۵	۲۶	نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
۳۸۰/۵۶	۲۷	تو اے اسیرِ مہکاں! لاسکاں سے دور نہیں
۳۸۱/۵۷	۲۸	حسرت نے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ
۳۸۱/۵۷	۲۹	اسلاک سے آتا ہے نالوں کا جوابِ آخر
۳۸۲/۵۸	۳۰	ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
۳۸۳/۵۹	۳۱	ہر چیز ہے مجھِ خودِ نسانی
۳۸۳/۵۹	۳۲	عجیب ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
۳۸۴/۶۰	۳۳	خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ سیریِ ابتدا کیا ہے

۳۸۵/۴۱	۳۲	جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آکاہی
۳۸۶/۴۲	۳۵	مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
۳۸۶/۴۲	۳۶	نہ جو طغیانِ شتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
۳۸۷/۴۳	۳۷	فطرت کو حسد کے زور پر و کر
۳۸۸/۴۴	۳۸	یہ سپہ سالارِ کلیسا و حرم اے وائے مجبوری
۳۸۹/۴۵	۳۹	تازہ پھر وائش حاضر نے کیا سحرِ قدیم
۳۸۹/۴۵	۴۰	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
۳۹۰/۴۶	۴۱	ڈھونڈ رہا ہے فرنگِ عیش جہاں کا دوام
۳۹۱/۴۷	۴۲	خودی جو علم سے محکم تو غیرِ تبِ جبریل
۳۹۲/۴۸	۴۳	مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
۳۹۲/۴۸	۴۴	سادتہ وہ جو ابھی پر وہ افلاک میں ہے
۳۹۳/۴۹	۴۵	رہا نہ حلفتِ صوفی میں سوزِ شتاقی
۳۹۳/۴۹	۴۶	جوانِ زور سے اس کے کوئی کریباں چاک
۳۹۴/۵۰	۴۷	یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کوہِ بریائے



- ۴۸ نہ تخت و تاج میں نے شکر و سپاہ میں ہے ۳۹۵/۱
- ۴۹ فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالال ۳۹۵/۱
- ۵۰ کریں گے اہل نطنز تازہ بستیاں آباد ۳۹۶/۲
- ۵۱ کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی ۳۹۶/۲
- ۵۲ نے مہر باقی نے مہر بازی ۳۹۷/۳
- ۵۳ کرم نماں ہے جس، اٹھ کر کیا قافلہ ۳۹۷/۳
- ۵۴ ہری نوا سے چوئے زندہ عارف و عامی ۳۹۸/۲
- ۵۵ ہر اک معتم سے آگے گزریا سہ نو ۳۹۹/۵
- ۵۶ لکھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب ہوش ۳۹۹/۵
- ۵۷ تھا جہاں مدرسہ شیریں شاہنشاہی ۴۰۰/۴
- ۵۸ ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ ۴۰۱/۷
- ۵۹ فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ ۴۰۱/۷
- ۶۰ کمال جوش جنوں میں رہا میں کرم طواف ۴۰۲/۸
- ۶۱ شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب ۴۰۲/۸

قطرہ (اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے) ۲۰۳/۷۹

زبایات

- ۱ ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے ۳۳۶/۲۲
- ۲ دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر ۳۳۹/۲۵
- ۳ رہ و رسمِ حرمِ نامحسوس مانہ ۲۰۵/۸۱
- ۴ ظلامِ بحر میں کھو کر کسبِ جلا جا ۲۰۵/۸۱
- ۵ مکانی ہوں کہ آزادِ مسکن ہوں ۲۰۶/۸۲
- ۶ خودی کی حسرتوں میں گم رہا میں ۲۰۶/۸۲
- ۷ پریشاں کاروبارِ آشنائی ۲۰۶/۸۲
- ۸ یقینِ مشعلِ خلیلِ آتشِ شینی ۲۰۶/۸۲
- ۹ عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے ۲۰۷/۸۳
- ۱۰ کوئی دیکھے تو میری نئے نوازی ۲۰۷/۸۳
- ۱۱ ہر اک ذرے میں ہے شاید مکھیں دل ۲۰۷/۸۳

- ۱۲ ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے ۲۰۷/۸۳
- ۱۳ نہ مومن ہے نہ مومن کی آسیری ۲۰۸/۸۲
- ۱۴ خودی کی جستجو میں مصطفائی ۲۰۸/۸۲
- ۱۵ نگہ ابھی ہوتی ہے رنک و بو میں ۲۰۸/۸۲
- ۱۶ جمالِ عشق و سستی نئے نوازی ۲۰۸/۸۲
- ۱۷ وہ سیرا رونقِ محسنِ کماں ہے ۲۰۹/۸۵
- ۱۸ سوارِ نامتہ و محسن نہیں میں ۲۰۹/۸۵
- ۱۹ ترے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے ۲۰۹/۸۵
- ۲۰ ترا جوہر ہے نورِ پاک ہے تو ۲۰۹/۸۵
- ۲۱ محبت کا جسٹنوں باقی نہیں ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۲ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا ۲۱۰/۸۶
- ۲۳ چمن میں رختِ گلِ شبنم سے ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۴ حسد سے راہِ روشن بھر ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۵ جوانوں کو مری آؤ سحر دے ۲۱۱/۸۷

۳۳۶
بالِ جبریل
۱۲

۲۶	ترمی دُنیسا جہسان مرغ و ماہی	۲۱۱/۸۷
۲۷	کرم سیرالہ بے جوہر سیں میں	۲۱۱/۸۷
۲۸	وہی اصل مکان و لامکان ہے	۲۱۱/۸۷
۲۹	کبھی آوارہ و بے خانماں عشق	۲۱۲/۸۸
۳۰	کبھی تنہا تائی کوہ و دہن عشق	۲۱۲/۸۸
۳۱	عطا اسلاف کا جذبہ دروں فر	۲۱۲/۸۸
۳۲	یہ جگہ تہ میں نے سیکھا بوالحسن سے	۲۱۲/۸۸
۳۳	خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے	۲۱۳/۸۹
۳۴	خدا تائی آہستہ نام خشک و تر ہے	۲۱۳/۸۹
۳۵	یہی آدم ہے سلطانِ بحر و بر کا	۲۱۳/۸۹
۳۶	دم عارفِ نسیمِ صبح دم ہے	۲۱۳/۸۹
۳۷	رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے	۲۱۴/۹۰
۳۸	کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی	۲۱۴/۹۰
۳۹	زمانے کی یہ گردشِ جاودانہ	۲۱۴/۹۰

۴۰	حکیمی ہمسامانی خودی کی	۴۱۴/۹۰
۴۱	ترا تن روح سے نا آشنا ہے	۴۱۵/۹۱
قطعہ	اقبال نے کل اہل خیاباں کو سنایا	۴۱۵/۹۱

منظومات

۱	دعا	۴۱۷/۹۳
۲	مسجدِ شریطہ	۴۱۹/۹۵
۳	قید خانے میں معتق کی فریاد	۴۲۸/۱۰۲
۴	عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت — سرزمینِ اندلس میں	۴۲۹/۱۰۵
۵	ہسپانیہ	۴۳۰/۱۰۶
۶	طارق کی دعا	۴۳۲/۱۰۸
۷	لینن (خدا کے حضور میں)	۴۳۳/۱۰۹
۸	فرشتوں کا لیت	۴۳۶/۱۱۲

۳۳۸

بالِ جبریل

۱۲

۲۲۸/۱۱۳

۲۲۲/۱۱۸

۲۲۳/۱۱۹

۲۲۲/۱۲۰

۲۲۵/۱۲۱

۲۲۵/۱۲۱

۲۲۶/۱۲۲

۲۲۷/۱۲۳

۲۲۸/۱۲۴

۲۲۸/۱۲۴

۲۵۰/۱۲۶

۲۵۸/۱۳۲

۲۶۰/۱۳۶

۹ ذوق و شوق

۱۰ پروانہ اور جنگنو

۱۱ جاوید کے نام

۱۲ کدائی

۱۳ نغلا اور بہشت

۱۴ دین و سیاست

۱۵ الارض و اللہ

۱۶ ایک نوجوان کے نام

۱۷ نصیحت

۱۸ لالہ صحرا

۱۹ ساقی نامہ

۲۰ زمانہ

۲۱ فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

۲۶۰/۱۳۶	۲۲	روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے
۲۶۲/۱۳۸	۲۳	پیر و مرید
۲۶۳/۱۳۹	۲۴	جبریل و ابیس
۲۶۵/۱۵۱	۲۵	اذان
۲۶۶/۱۵۲	۲۶	محبت
۲۶۶/۱۵۳	۲۷	ستارے کا پیغام
۲۶۷/۱۵۳	۲۸	جاوید کے نام
۲۶۸/۱۵۳	۲۹	فسفہ و مذہب
۲۶۹/۱۵۵	۳۰	یورپ کے ایک خط
۲۶۹/۱۵۵	۳۱	نیپولین کے مزار پر
۲۷۰/۱۵۶	۳۲	مسولینی
۲۷۲/۱۵۸	۳۳	سوال
۲۷۲/۱۵۸	۳۴	پنجاب کے دہقان سے
۲۷۳/۱۵۹	۳۵	نادر شاہ افغان

۳۳۰
بال جبریل
۱۶

۳۶ خوشحال خاں کی وصیت

۲۸۲/۱۶۰

۳۷ تاتاری کا خواب

۲۸۲/۱۶۰

۳۸ حال و معیت

۲۸۶/۱۶۲

۳۹ ابوالعلا معری

۲۸۶/۱۶۲

۴۰ سنہار

۲۸۸/۱۶۴

۴۱ پنجاب کے پیرزادوں سے

۲۸۸/۱۶۴

۴۲ سیاست

۲۸۹/۱۶۵

۴۳ فہر

۲۹۰/۱۶۶

۴۴ خودی

۲۹۰/۱۶۶

۴۵ جدائی

۲۹۱/۱۶۷

۴۶ خانقاہ

۲۹۱/۱۶۷

۴۷ ابلیس کی عرضداشت

۲۹۲/۱۶۸

۴۸ لہو

۲۹۳/۱۶۹

۴۹ پرواز

۲۹۳/۱۶۹

۲۹۲/۱۴۰	۵۰	شیخ مکتب سے
۲۹۲/۱۴۰	۵۱	فلسفی
۲۹۵/۱۴۱	۵۲	شاہیں
۲۹۶/۱۴۲	۵۳	باغی مُرید
۲۹۶/۱۴۲	۵۴	ہارون کی آخری نصیحت
۲۹۶/۱۴۳	۵۵	ماہرِ سیات سے
۲۹۶/۱۴۳	۵۶	یورپ
۲۹۸/۱۴۴	۵۷	ازادی افکار
۲۹۸/۱۴۴	۵۸	شیر اور نچتر
۲۹۹/۱۴۵	۵۹	چیونٹی اور عصب تاب
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(فطرت مری مانسہ نسیم سحری ہے)
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(کل اپنے مُریدوں سے کہا پیر مُغاں نے)



عزلیات

۳۳۳۳
بالی جبریل
۱۹

مُچھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

(بھرتی بھری)

۳۳۳۳
بالِ جبریل

۲۰

حصہ اول



میری نوائے شوق سے شوہرِ فیمات میں غلغلہ مائے الاماں بت کدہ صفات میں
 حور و فرشتہ ہیں اسیرِ سرِ تختِ عیالات میں میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں
 کرچے میری جستجو ویرِ حرم کی نقش بند میری فغان سے رستخیزِ بوسنت میں
 گاہ مری نگاہ یہ زچہ کئی دل و جود گاہ الجھ کے رہ لسی میرے توہمات میں
 تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
 میں ہی تو ایک از مہاسینہ کائنات میں





اگر کج رو ہیں اسبسم آسمان تیرا ہے یا میرا
 مجھے فکر جہان میں ہے، جہاں تیرا ہے یا میرا؟
 اگر ہنگامہ ہے شوق کے ہے لامکان خالی
 خطا کس کی ہے کیا بے لامکان تیرا ہے یا میرا؟
 اُسے صبح ازل انکار کی خیرات ہوئی کیونکر
 مجھے معلوم کیا وہ ازوان تیرا ہے یا میرا؟
 مستند بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
 مگر یہ حرف شیریں تر جہاں تیرا ہے یا میرا؟

اسی کلب کی تابانی ہے تیرا جہاں روشن
 زوالِ آدمِ حن کی زیاں تیرا ہے یا میرا؟



ترے شیشے میں سے باقی نہیں ہے
 بتا، کیا تو مرا باقی نہیں ہے
 سمندر سے ملے پیاسے کو شبِ بنم
 بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے





کیسے تائب دار کو اور بھی تائب دار کر
پوش و خروش کار کا قلب و نظر شکار کر
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود اشکار ہو یا مجھے اشکار کر
تو ہے محیطِ بے کراں میں ہوں ذرا سی آنکھ
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے لہری ابرو
میں ہوں خرف تو تو مجھے کوہِ پر شاہوار کر
نغمہ نو بہارِ ارمیر نے نصیب میں نہ ہو
اس دہمِ سوز کو طائر لب بہار کر
باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتہا کر

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دستِ عمل
اپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر



اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریا
نہیں ہے وہ اک طالبِ یس بے آزار
یُشتِ خالِ یہ صرصرِ وسعتِ افلاک
کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجا
ٹھہر سکا نہ چوائے چمنِ خمیں سطل
یہی ہے فصلِ ہب ساری یہی ہے باہِ مرا
قصود از غریب الدیارِ نیوں کین
تراختہ فرشتے نہ کر کے آبا
مری جفا طلسی کو دعائیں دیتا ہے
وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیا
خطرِ پندِ طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستانِ جہاں لکھت میں چوسیا

مقامِ شوق ترے قدیموں کے بس کا نہیں
انھی کا کام ہے یہ جن کے وصلے ہیں زیا



۳۳۸
بالِ جبریل
۲۲



کیا عشق ایک زندگی ستارہ کا کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا
وہ عشق جس کی شمع بجھانے اجل کی چوٹی اُس میں مزا نہیں شبنمِ شبنم دار کا
میری بساط کیلئے تبتاب یک نفس شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کہ پہلے مجھ کو زندگی بسا دے عطا پھر فوق و شوق و میہ دل بے قرار کا

کاشا وہ دے کہ جس کی لٹک لٹکال ہو
یارب وہ درج جس کی لٹک لٹکال ہو



دلوں کو مرکزِ مہر و مناکر
حریم کبیرا سے آشنا کر
جسے نامِ جوین بخشی ہے تُو نے
اُسے بانٹوئے حیرت بھی عطا کر



پریشان ہو کے میری خال اخروں نہ بن جائے
جو شکل اب ہے پیار بھڑی شکل نہ بن جائے
نہ لڑیں مجھ کو محبوبہ زنا فروس میں جو ریں
مراسوز دہوں پھر کر محسن نہ بن جائے
کبھی چھوٹی ہوئی منزل بھی پاؤاتی ہے اسی
لٹک سی ہو سینے میں غم منزل نہ بن جائے
بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا حسن نہ بن جائے
کہیں اس عالم بے رنگ ہو میں بھی طلب میری
وہی افسانہ دُنبالہ محسن نہ بن جائے

عروج اوم خالی سے انجم سمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تار اسہ کامل نہ بن جائے



وگر لوں سے جہاں تاروں کی لڑش تیز ہے ساقی
دل ہر ذرہ میں غوغا ہے رستا خیز ہے ساقی
مستاع دین و نشر لٹ لٹی اللہ الوں کی
یہ کس کا فراوا کا سنہ زہنوں ریز ہے ساقی
وہی بریں بیاری وہی ناکسلیں ل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

۳۵۰
بالِ مہرِیل
۲۶

حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
 کہ پیدائی تری اب تک حجابِ بیز ہے ساقی
 نہ اٹھا پھر کوئی رومی مجھ کے لالہ اروس کے
 وہی بگلِ ایرانِ وہی سیر ہے ساقی
 نہیں کیا امیدِ قبّال اپنی کشتِ ویراں سے
 ذرا تم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی
 فقیرِ راہ کو بخشے اسرارِ سلطانی
 بہا سیری نوالی دولت چو زیر ہے ساقی



لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
 ہاتھ آجاتے مجھے میرا مقام اے ساقی
 تین سو سال سے ہیں ہندے میخانے بند
 اسباب سے ترافض ہو جام اے ساقی
 مری سینے غزل میں تھی فرائسی باقی
 شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
 شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تھی
 رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
 عشق کی تیغ جلدوار اڑالی کس نے
 علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
 سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیا
 ہونہ روشن تو سخن مرلے ام اے ساقی
 تو مری ات کو ہمتا ہے محروم نہ رکھ
 ترے پیانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی!



مٹا دیا مرے ساتی نے عالم من تو
 نہ مے نہ شعر نہ ساتی نہ شور چنک و رباب
 کدائے مے کدہ کی شان بے نیازی کچھ
 مرا سبوجہ غنیمت ہے اس زمانے میں
 میں تو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
 اگرچہ بھری موجوں میں ہے مقام اس کا
 جمیل تر ہیں حل و لالہ فیض سے اس کے
 پلا کے مجھ کو مے لالہ لالہ اٹھو
 سکوت کو وہ دل بے جھکے و لالہ خود روا
 پہنچ کے چشمہ حیاں یہ توڑتا ہے سبوا
 کہ خافتاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو
 کہ دل سے بٹھکے ہے میری نگاہ بے قابو
 صفائے پالی طہنت سے ہے لہر کا ضو
 نگاہ شاعر نکس نوامیس ہے جادو



متاع بے بہا ہے درو و سوز ارزو مندی
 ترے از او بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
 حجاب کسیر ہے اوارہ کوئے محبت کو
 مقام بندگی دے نہ لوں شاخ خداوندی
 یہاں مرنے کی پابندی ہاں جینے کی پابندی
 بری آتش کو بھڑکاتی ہے تیرنی یہ پیوندی

گزراوقات کرلیا ہے کیوہ بیاں میں
 فیض ان نظر تھا یا کلب کی امت تھی
 کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کاراشیاں بند
 رکھائے کس نے اسمعیل کو ادب فرزندی
 زیارت کاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری
 کہ خاک راہ کو میں نے بست یا راز الوہدی
 مری شاطلی کی لیا ضرورت حسین
 کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی جانب دی



تجھے یاد کیا نہیں ہے مے دل کا وہ زمانہ
 یہ بیان عصر حاضر کہ بنے ہیں رے میں
 وہ ادب کہ محبت وہ نیک کا تازیانہ
 نہ ادا تے کافرانہ، نہ تر اش آذرانہ
 یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ نقص نہ اشیانہ
 کہ عجم کے مے لہو میں رہی مے مغنا
 انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ
 جلد شہید کیا ہے تب تاب جاودانہ
 نہ جگہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ
 ترے بند پروری کے دن گزر رہے ہیں
 مرے چم غمیرا سے بھی اثر بہار سمجھے
 مرے خال و خوں کے ٹونے یہ جہاں کیا پیدا
 تری بند پروری کے دن گزر رہے ہیں





ضمیرِ لالہ سے لعل سے ہو البسیر
 اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز
 بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
 کیسا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز
 پُرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
 جہاں وہ چلے ہے مجھ کو لہو ابھی نوخیز
 کسے خبر ہے کہ ہنگامہ نشو و نما
 تری نگاہ کی لڑشس ہے میری رشاخیز
 نہ چھین لذتِ اسچھ لہی مجھ سے
 نہ لڑکھ سے تغافل کو التفاتِ امیر
 دل غمیں کے موافق نہیں ہے موسمِ گل
 صدائے مرغِ حسین ہے بہت نشاطِ گمیز
 حدیثِ بے خبراں ہے تو بازمانہ بسا
 زمانہ باتوں ساز و تو بازمانہ ستیز



وہی میری کم نصیبی وہی میری بے نیازی
 مے کام کچھ نہ آیا کیسا ل نے نوازی
 میں کہاں ہوں تو کہاں ہے یہ مکانِ لامکاں
 یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کثر شہ ساری
 اسی کشمکش میں لڑیں مری زندگی کی آہیں
 کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تابِ آبی

وہ فریب رو شاہیں کہ پلاہو لکڑوں میں
 اُسے کیا خبر کہ کیا ہے ہر دم شاہی
 نہ زبان کوئی غزل کی نہ زبان کے باخبر میں
 کوئی دلکش صدا ہو عجب سی ہو یا کہ تازی
 نہیں تیرے سلطنت میں کوئی امتیاز آیا
 یہ سپہ کی تیغ باز مئی وہ نگہ کی تیغ بازی
 کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدکار سرم
 کہ اس کی رواں میں نہیں ٹوٹے دل نوازی



اپنی جولاں کاہ زیر آسمان سمجھا تھا میں
 اب کل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں
 بے حجابی سے ترمی ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
 اک روائے نیلوں کو آسمان سمجھا تھا میں
 کارواں تھک کر فضا کے پیچ و نسیم میں لیا
 مہر ماہ و شتری کو ہم عنان سمجھا تھا میں
 عشق کی اک جست کے طے کر دیا قصہ تمام
 اس زمین آسمان کے لے لراں سمجھا تھا میں
 کہ لکھیں راز محبت پڑہ داریہاے شوق
 تھی فغان وہ بھی جسے ضبط فغان سمجھا تھا میں

تھی کسی در ماندہ ہر کی صدائے در و مال
 جس کو آواز حسیل کارواں سمجھا تھا میں



اک زہش نورانی اک زہش برہانی
 اس پیکر خالی میں اک شے ہے سو وہی
 اب کیا جو فغان سری پہنچی ہے ستاروں تک
 نقش اگر باطل تکرار سے کیا حاصل
 مجھ کو تو سکھا دی ہے فرما کے زندہ بقی
 تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
 تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے
 ہے زہش برہانی حیرت کی منورانی
 میرے لیے شکل ہے اس شے کی گہمانی
 تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو غیبِ نر خوانی
 کیا تجھ کو خوش آتی ہے دم کی یہ زبانی
 اس دور کے ملا ہیں کیوں نہابِ سلماانی
 ناداں جسے کہتے ہیں تہمتِ بد پر زندانی
 دونوں کے صنم خالی دونوں کے صنم فانی



یارِ ابیہ جہان گزراں خوب ہے لیکن
 گو اس کی خدائی میں مہاجر کا بھی ہے ہاتھ
 تو برک گیا ہے ندی ایلِ حسدِ را
 کیوں غم اریں مزارِ صفائش و نہرِ مند
 دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو حسدِ اند
 او کشتِ گل و لالہ بخشد بہ خرے چند

حاضر ہیں کلیسا میں کیا بے مروتی
 احکام تھے حق میں مگر اپنے منہ سے
 فردوس جو تیرے لیے کسی نے نہیں دیکھا
 مدت سے ہے آواز ہنس لال مرا مگر
 فطرت نے مجھے بخشے ہیں جو ہر ملکوتی
 درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
 کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بگائے بھی ناخوش
 مشکل ہے کہ اک بندہ حق میں حق آید
 ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
 پرسوز و نطنس رہا نہ کوہ میں و کم ازار
 ہر حال میں یہ ادا ہے قید ہے حرم
 مسجید میں قہر الیا ہے بجز موعظہ و پند
 تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پائند
 افرنک کا ہر قریہ ہے فرہوس کی مانند
 کرے اسے اب چاند لی غاروں میں نظر بند
 خالی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں بیہود
 گھر میرا نہ ولی نہ صفا ہاں نہ سمرقند
 نے ابلہ سب بھروسے نہ تہذیب کا فرزند
 میں نہ ہر ملاپ کو کبھی کہہ نہ سکا قند
 خاشاک کے تودے کو کہے کوہ و ماوند
 میں بندہ مومن ہوں نہیں انہ اسپند
 آزاد و گرفتار وہی کیسہ خورسند
 کیا چھینے کا غنچے سے کوئی ذوق شکر خندا

چپ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
 کرتا کوئی اس بند ڈکٹا خ کا منہ بند

[illegible]

حصہ دوم



اعلیٰ حضرت شہید المومنین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے نطفہ کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء
میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی کے مزارِ رحمت میں کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ چند افکار پریشاں
جن میں حکیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے، اُس دُرِ سعید کی یادگار میں
سُپردہ تسلیم کیے گئے:

’ما از پے سنائی و عطارِ مدیم‘

سما سکتا نہیں پہناتے فطرت میں مراسوا
غلط کھتا ہے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا
خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا
نکدہ پیدا کر لے غافلِ تجلی عینِ فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

رقابت علم و فنسار میں غلط بینی ہے منہ سبر کی
 کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھتا ہے رقیب اپنا
 خدا کے پال بندوں کو حکومت میں غلامی میں
 زہ کوئی الرحمن فوط رکھتی ہے تو استغنا
 نہ کرتا تھیں اسے جبریل میرے جذب مستی کی
 تن آساں عرشوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ



بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
 یہاں ساتی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا
 نہ ایراں میں ہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
 وہ بندے فقر تھا جن کا ہلال قصیر کسری
 یہی شیخ حرم ہے جو چہرہ الریج کھاتا ہے
 گلیم بوڑھو و ذوق اویسش چادر زہرا
 حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
 یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کرنے دے پڑا

۳۶۰

بال جبریل

۳۶

ندا آتی کہ اشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
 گرفتہ چنیاں احرام و ملی خفت نہ درخت !
 لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے مئے لائے
 مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں سمپا نہ الا
 و بارگاہ ہے اس کو زخمہ در کی تیز دوستی نے
 بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا و اوپلا
 اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج شند جولاں بھی
 ننگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا



غلامی کیا ہے ذوق حسنِ زیبائی سے محرومی
 جسے زیب اکھیں آزاد بندے سے وہی زیبا
 بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
 کہ دنیا میں فقط مروانِ خسرو کی آنکھ ہے بینا

* یہ مصرع حکیم سنائی کا ہے

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی تمہ سے
 زلمے کے سمت سے نکالا لوہر مندروا
 فرنگی شیشہ کر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی
 مری اسیر نے شیشے کو بخشتی سختی حنارا
 رہے ہیں اور ہیں عمرن میری لکھات میں اب تک
 مگر کیا نسیم کہ میری استیں میں ہے یہ بیضیا
 وہ چنگار خنجر و خاشاک سے کس طرح دے جاتے
 جسے حق نے کیا ہونمستاں کے واسطے پیدا
 محبت خوشن تنہا بنی، محبت خوشن تنہا رہی
 محبت استانِ قصید و کسر می سے بے پروا
 عجب کیا کر مر و پروں کے پنجہ ہو جاتیں
 کہ فرستہ ال صاحب دولتے بستم سر خود را

۳۴۲
بالِ جبریل

۳۸

• یہ مصرع مرزا صاحب کا ہے جس میں صرف ایک لفظی تغیر کیا گیا

وہ دانستے سب ختم الرسل، مولائے کل جس نے
 غبارِ راہ کو بخشایا و مرغِ وادی سیت
 نگاہِ عشقِ دوستی میں وہی اول وہی آخر
 وہی شکر وہی شرفان وہی سین وہی طہ
 سنانی کے ادب سے میں نے غواصی کی ورنہ
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا



یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و نشاطِ گھمیز
 گو فہم تر بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ
 اب حجبِ قہقہوں میں وہ فقر نہیں ہوتا
 اچھے سلفِ درویشانِ مہرِ خدا کیسا
 جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
 کرتی ہے ملکیت آثارِ حسنوں بیدا
 اندیشہ وانا کو کرتا ہے حسنوں آئینہ
 ناپختہ ہے پر پریمی بے سلطنت پرور
 خونِ دل شیراں جو جس فقر کی دستاویز
 ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز
 جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز
 اللہ کے شتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

یوں اوسخن مجھ کو دیتے ہیں اقبال پارس
یہ کافر ہندی ہے تین و سنان خور



وہ حرفِ از کہ مجھ کو سلکھا لیا ہے جنوں
خدا مجھے نفسِ جبریل دے تو کہوں
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں
حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
خوی کی موت ہے اندیشہ ہائے کونالوں
عجب مزائے مجھے لذتِ خودی دے کر
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں رہوں
ضمیرِ مال و نگاہِ بند و ستی شوق
نہ مال و دولتِ قارون نہ فکرِ افلاطون
سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گمراہوں
یہ کائنات ابھی نامِ تمام ہے شاید
کہ اسی ہے مدامِ صدائے کن فیکون
علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خروپہ ہے غالبِ سرخیوں کا فصول

اُسی کے فیض سے یہی نگاہ ہے روشن
اُسی کے فیض سے یہی سب بویں بے جھول

۳۶۴
بالِ جبریل
۲۰



عالم آب و خال و باد استرعیان ہے تو کہ میں
 وہ جو نظر سے ہے نہاں اُس کا جہاں ہے تو کہ میں
 وہ شب و روز و غم کہتے ہیں زندگی جسے
 اُس کی سحر ہے تو کہ میں اُس کی ازاں ہے تو کہ میں
 کس کی نمود کے لیے شام و سحر ہیں کرشمہ
 شانہ روزگار پر بارگراں سے تو کہ میں
 تو کفِ ناک و بے بصر، میں کفِ ناک و خودنظر
 کشت و جو کے لیے آبِ رواں ہے تو کہ میں



(لندن میں لکھے گئے)

تو ابھی رہ کر میں ہے قیدِ معیتِ ام سے کز
 مصر و حجاز سے کز پارس و شام سے کز

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
 جو زچہ پیام سے لوز، باوہ و جام سے لوز
 کرچہ ہے و کشا بہت حسن فرنا کی ہر
 طائر بلبل بال دانہ و دام سے لوز
 کوہ شکاف تیری ضرب تجھ سے کشا و شرق و غرب
 تیغ ہلال کی طرح عیش نیام سے لوز
 تیرا امام ہے حضور تیری نماز ہے سرور
 ایسی نماز سے لوز، ایسے امام سے لوز!



امین باز ہے مژان جس کی روشنی
 کہ جبریل سے ہے اس کو نسبت عیشی
 کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
 فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی
 نگاہ کرم کہ شیریں جس کے چوٹ اڑ جائیں
 نہ اہل سکر کہ ہے کو سفندی ویشی
 طبیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
 ترامرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

۳۶۶
 بال جبریل
 ۴۲

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جان مال جسے
یہ نیک و نیک یہ لہو آب و نال کی ہے بیشی



پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دامن
پھول ہیں صحرا میں یا پر پانِ قطار اندِ قطار
بر بلِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی با و صبح
حُسنِ بے پروا کو اپنی بے نعلانی کے لیے
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سرِ غِ زندگی
من کی دنیا! من کی دنیا سوستی جذبِ شوق
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرتی کارِ ج

مجھ کو پھر غموں پہ اُکسانے لگا مرغِ حنین
اُڑے اُڑے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرِ سن
اور چمکتی ہے اس موتی کو سوچ کی کرن
ہوں اگر شہرِ سن کے سارے تو شہرِ اچھے کہ بن
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
تن کی دنیا! تن کی دنیا سو دو سو اُمل و فن
تن کی دولت چھاؤں کے آئینے دھن جاتا دھن
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غم کے آگے نہ من تیرا نہ تن



(کابل میں لکھے گئے)

مسلمان کے لئے عیسائی سلیقہ دل نوازی کا
مروت حسن عالم گیر ہے مروان غازی کا
شکایت ہے مجھے یارب! خداوند مہربان سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خالکبازی کا
بہت تفت کے پنچھروں کا انداز نگہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طرقتی شاہبازی کا
قلندر جزو و حرف لا الہ کچھ بھی نہیں لکھتا
فقیہ شہر قاروں ہے لغت طے حجازی کا
حدیث بادہ و سناو جام اتی نہیں مجھ کو
نہ کر خارا شکافوں سے متقاضی شیشہ سازی کا

کہاں سے تونے اے اقبال سیکھی ہے درویشی
کہ چرچا پاؤں شاہوں میں تیری بنیازی کا



عشق سے پیدا نوائے زندگی میں نرم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز و غم
اومی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شلخ گل ہیں جس طرح باغی گھری کا نم
اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے کہ دارا و جسم

۳۶۸
بال جبریل
۲۲

دل کی ازاد می شناسا ہی شکم سامان ہو
فصلہ تیرے ہاتھوں میں دل یا شکم
اے سلمان! اپنے دل سے پوچھ لگا سے نہ پوچھ
ہو لیا اللہ کے بندوں سے غی غالی حرم



دل سوئے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے مال نہیں ہے
بے وقت تجلی بھی اسی خال میں نہیں ہے
خافل! تو نرا صاحب اور مال نہیں ہے
وہ آنکھ کہ ہے سرِ آفرین کے روشن
پُرکار و سخن ساز ہے غم نال نہیں ہے
کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
اُن کا سر اسن بھی ابھی چال نہیں ہے
کب تک رہے محکومی اسبم میں بھی خال
یائیں نہیں! یا گردشِ افسال نہیں ہے
بجلی ہوں نطن فوہیاباں چہ میری
میسے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
عالم ہے فقط مومن جاں باز کی سیرا
مومن نہیں جو صاحبِ لولال نہیں ہے!



ہزار خوف ہو لیکن زبانِ دل کی منسیق
یہی ہے ازل سے قلندر کا طریق

ہجوم کیوں ہے زیادہ شربِ خائیں
 علاجِ ضعفیت میں ان کے ہوں نہیں سکتا
 فقط یہ بات کہ پیرس کے مردِ سلیق
 غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکلتے ملتے و قیق
 خدائے کرم کے شیعہ کو بھی تو فسق
 بغل میں اس کی ہر بات تبتاجِ عتیق
 ہزار شکر کہ ملا ہیں صاحبِ صدیق
 نہ ہو تو مردِ مسلمان بھی کاف و زندیق
 اگر ہر عشق تو ہے نفسِ بھی سلمانی



نوچھپا سکے کہ مقبول ہے فطرت کی کوہی
 کاف ہے مسلمان تو نہ شاپہی فقیری
 کاف ہے تو ششیر پرتا ہے بھروسا
 کاف ہے تو ہے تابعِ تہدِ مسلمان
 تو صاحبِ نسل ہے کہ بھٹکا ہوا رہی
 مومن ہے تو کرتا ہے فقیر میں شہی
 مومن ہے تو تہ تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
 مومن ہے تو وہ اپنے تفتِ بری الہی

میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چاک
 دیرینہ تہ تیغِ امراضِ لو زکاہی

۳۷۰
 بالِ جبریل
 ۲۶



(قرطبہ میں لکھے گئے)

یہ خوریان سنسنی دل و نظر کا حجاب
دل و حسن کا سفینہ سنبھال کر لے جا
جہانِ صوت و صدا میں سنا نہیں سکتی
سکھائیے ہیں اسے شیوہ ہائے خانقہ
وہ سجدہ روح زمیں جس کا نیپ چابی تھی
سنی نہ مصر و فلسطین میں آواں میں نے
ہوائے قرطبہ شاید یہ ہے اثر سیرا
بہشت مغربیاں جلوہ ہا پاکہ کاب
مستارہ ہیں حسن و عجز و میں و اب
لطیفہ ازلی ہے فغان چنک و رباب
فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و مسرا
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو عرشہ سیما
مری نوامیس کے سوز و سرور عہد شباب



دل بیدار فاروقی دل بیدار کزاری
دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
بسر آدم کے حق میں کیسیا ہے دل کی بیداری
نہ تیرخی ہے کارئی نہ میرخی ہے بیکاری

۳۷۱
بالِ جبریل
۲۷

شام سیر سے ملتا ہے صحرا میں نشان اس کا
 اس اندیشے سے ضبط ہے کہیں کہیں تاروں کی تک
 خدائے سیر کے ساتھ دل بس کہ صحرائیں
 مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے ہوا آزادی
 کہ درویشی بھی عسائی ہے سلطان بھی عیاری
 کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

تُو اے مولائے شربتِ آبِ پیری چاہِ سامی
 مری اس کے افروغیٰ مرا ایسے کی زنجاری



خودی کی شوخی و تندی میں کہ راز نہیں
 نگاہِ عشقِ دل زندہ کی تلاش میں ہے
 مری نوا میں نہیں ہے اوازِ محبوبی
 سوال سے نہ کروں ساقی فرنا کے میں
 جو تیرے ہونے کی شہادتِ نیاز نہیں
 شکارِ مردہ سزاوارِ شہباز نہیں
 کہ بانگِ صورتِ افسانہ دل نواز نہیں
 کہ طبعِ رقیقہ زندانِ پال باز نہیں
 سبب یہ ہے کہ محبتِ زمانہ ساز نہیں
 میں خود کہوں تو مری استاں و راز نہیں

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھو نور مجھ
فغانِ نیم شبی بے نوائے از نہیں



میر سپاہِ ناسزا بشکریاں شکستہ تصف
تیرے محسوس میں کہیں ہر زندگی نہیں
عشقِ بے باک ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوبا
کھول کے کیا بیاں لرون سہرِ تمامِ دل و عشق
صحبتِ پیروم سے مجھ پر یہ بے از فاش
مثلِ کلیم ہو اگر سے کہ از مالوئی
خیر نہ کر سکا مجھے جلوۂ دہشتِ فرنگ
آواۃِ نیرِ کشمکشِ کل نہ ہو کوئی ہدف
ڈھونڈو چکا میں موجِ موجِ چکا صد فصد
نقش و نگارِ دیر میں غمِ جگر نہ کر تلافی
عشقِ مہرِ با شرفِ مہرِ حیاتِ شرف
لاکھ حکیم نہ بھیت ایک کلیمِ سب جہت
اب بھی درختِ طوس سے اتنی سے بامدِ لا
دستِ میری آنکھ کا حالِ مدینہ و



(یورپ میں لکھے گئے)

زمستانی ہوا میں کرچہ تھی شمشیر کی تیری
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آج سحرِ خیر

۳۷۳
بالِ جبریل
۲۹

کہیں سب کو پریشان کر دے میری کلمہ میری
 کہیں سب کو بے محفل تھی میری کلمہ گفتاری
 طریق کو ملن میں بھی سی جیسے ہیں پروری
 زمام کار کو مزدور کے ہاتھوں میں چھو پھر کیا
 جد ہویں سیاست تو رہ جاتی ہے چند سیری
 جلال پاؤں شاپی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
 وہی عبرت وہی عظمت وہی شان الٰہی مزی
 سوا درویشہ الکبرے میں ولی یا داتی ہے



یہ دیر کھن کیا ہے انبار خس و خاشاک
 مشکل ہے لڑ اس میں بے مالہ آتش ناک
 پنچ پیر محبت کا قصہ نہیں طمع لانی
 نطف خلد شہنشاہ اسو و فیفتہ لانی
 کھویا کیا جو مطلب ہفت او و ہفت میں
 سمجھے نہ توجہ تک بے رنگ نہ ہو وراں
 اک شریع مسلمان اک جذب مسلمان
 ہے جذب مسلمان سیر فلک الافلاک
 اے ہر و من نہ رانہ بے جذب مسلمان
 نے راہ عمل پیدا نے شاخ یقین نم نال
 رمزیں میں محبت کی ستاخی بے باکی
 ہر شوق نہیں ستاخی ہر جذب نہیں بے باکی

فارغ تو نہ بیٹھے کا محشر میں بنوں میرا
 یا اپنا لڑیاں حال یاد ہن نیرواں حال

۳۷۴
 بال جبریل
 ۵۰



کہاں تک نہیں آسب و گل سے مجبوری
 میں ایسے فقیر سے اے اہل حلقہ باز آیا
 نہ فقیر کے لیے موزوں نہ سلطنت کے لیے
 سُننے نہ ساقی نہ شوشن تو اور بھی چھپا
 حکیم و عارف و صوفی تمام سب ظہور
 وہ ملتفت چھوٹے کوچ قفس بھی ازادی
 بُرا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ لے
 کہاں تک ہے تسخیر کی و نوری
 تمہارا فقیر ہے بڑا دلتی و رنجوری
 وہ قوم جس نے لکھنا یا ستارے سمجھیں
 عیار کر رہی صحت سے عروبت و زوری
 کسے خبر کہ تہمتی ہے عین ستوری
 نہ ہوں تو صحن چمن بھی مقام مجبوری
 فرنگ دل کی خرابی خردلی سموری



عقل کو آستان سے فور نہیں
 دل بیٹنا بھی کر خدا سے طلب
 علم میں بھی سرور ہے لیکن
 اس کی قسمت دیر میں حضور نہیں
 آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
 یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
ناصبوری ہے زندگی دل کی
بے حضوری ہے تیری موت کا راز
پر گھر نے صدف کو توڑ دیا
’اُرنی‘ میں بھی کہہ رہا ہوں مگر

ایک بھی صاحبِ سُرور نہیں
اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں
آہ وہ دل کہ ناہمِ سبور نہیں
زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
تو ہی آمادۂ ظہور نہیں
یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں



خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
طلسمِ سب کے دُور کو توڑ سکتے ہیں
خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
ترے سام کو خمِ شناس کیا جانے
یہینِ ہشت بھی ہے خورِ جبریل بھی ہے
مرے جنوں نے زمانے کو خوب چپا

تو اب جو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں
زجاج کی یہ عمارت کنگِ خارہ نہیں
مگر یہ چوہِ سدا مردِ سیاچ کا رہ نہیں
کہ خاکِ زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں
ترمی نگہ میں ابھی شوخیِ نطفہ رہ نہیں
وہ سپہِ ہن مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں

غضب عین رحم نہیں ہے فطرت
کہ عمل ناپ میں شش تو ہے شر نہ میں



یہ پیام دے لیتی ہے مجھے باوجود کج فہمی
ترمی زندلی اسی سے تری ابرو اسی سے
نہ دیا نشان سزل مجھے اے عجم تو نے
مرے صلت سے سخن میں ابھی تر بیت ہیں
یہ معاملے ہیں نازک جو تری ضرر ہو تو
تو ہما کہ ہے شکاری ابھی ابتداء تیری
تو عرب جو یا عجم ہو ترا لا الہ الا
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مہتمم پادشاہی
جو رنجی دی تو شاہی نہ رہی تو رویاہی
مجھے کیا کلمہ ہو تجھے تُو نہ رہشیں راہی
وہ کد کہ جانتے ہیں وہ رسم کج گلاہی
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی
نہیں مصلحت کے خالی یہ جہان مرغ واپہی
نفت غریب جب تک ترا دل نہ دے غم اہی



ترمی نگاہ فرمایا تھ ہے کوتاہ
گلا تو کھنٹ دیا اہل در نے ترا
ترا گن کہ نہ نخیل بلند کا ہے گناہ
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

خودی میں کم ہے خدائی تلاش کر غافل !
 حدیث دل کسی روشن گلی سے ہو چھپ
 برہنہ ہے تو عزم بندہ پریدار
 نہ ہے ستارے کی روشنی بازی افلاک
 اٹھا میں سر و خانہ عیسٰی سنم

یہی ہے تیرے لیے اصلاح کار کی اُ
 خدا کرے تجھے یہ مقام سے آگاہ
 یہاں فقط شہر ہیں کے واسطے گلاہ
 خودی کی موت ہے تیرا زوال نعمت جاہ
 نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نکاہ



خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
 ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
 کران بہا ہے تو حق نظر خودی کے ہے نہ
 رکوں میں گردشِ خوں ہے اگر تو کیا حاصل
 عروسِ لالہ مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
 جسے کہو سمجھتے ہیں صاحبِ اربابِ ناک
 بڑا کریم ہے قہرِ بال بے رنوا لیکن

ترا علاجِ نطف کے سوا کچھ اور نہیں
 حیاتِ فوقِ سرف کے سوا کچھ اور نہیں
 گھر میں اب اس کے سوا کچھ اور نہیں
 حیاتِ سوزِ جلر کے سوا کچھ اور نہیں
 کہ میں سیم کے سوا کچھ اور نہیں
 وہ شے متاعِ ہنس کے سوا کچھ اور نہیں
 عطا شدہ شے کے سوا کچھ اور نہیں

۲۶۸
 بالِ جبریل
 ۵۲



نگاہِ مست میں شاہِ سکنہ می کیا ہے
 بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی
 فلک نے اُن کو عطا کی ہے اہلِ کہنجیں
 فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
 اسی خط سے عتابِ ملک سے مجھ پر
 کسے نہیں تہمتاے سرور می لکین
 خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری
 خراج کی جو کدا ہو وہ قصری کیا ہے
 مجھے بت تو ہی اور کانگری کیا ہے
 خنہ سریں رشیں بند پوری کیا ہے
 نہ ہونگاہ میں شوخی تو ببری کیا ہے
 کہ جانتا ہوں مالِ سکنہ می کیا ہے
 خودی کی موت ہو جس میں سروری کیا ہے
 ولہ نہ شعر مرالیا ہے شاعری کیا ہے



نہ تو زمیں کے لیے نہ آسمان کے لیے
 عیقل و دل ہر شے شعلہ محبت کے
 مقامِ پرورش آہ و نالہ ہے یہ سپن
 جہاں سے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
 وہ خار و خس کے لیے ہے یہ سیماں کے لیے
 نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ اشیاں کے لیے

رہے کاراویں و سبیل و فرات میں کتک
 ترسفیہ نہ کہ ہے بھر بے لہر اس کے لیے
 نشان راہ دکھاتے تھے جوتاروں کو
 ترس گئے ہیں کسی مڑ راہ اس کے لیے
 نگو بہت سخن دل نواز جاں پر سوز
 یہی ہے رختِ سفر میر کا وہ اس کے لیے
 در اسی بات تھی اندیشہ عجم کے
 بڑھایا ہے فقط زریں و استار کے لیے

میر کے جلو میں ہے ال نغمہ جبریل آشوب
 سنبھال کر جسے رکھتا ہے لامکاں کے لیے



تو اے میری مکان! لامکاں کے دور نہیں
 وہ جلوہ گاہ ترے خاک و اس کے دور نہیں
 وہ مرغزار کہ نیم سزاں نہیں جس میں
 غمیں نہ ہو کہ ترے اشیاں کے دور نہیں
 یہ ہے حلاوتِ علم قلمِ مدحی حیات
 خدائے جنت ہے بسکین کیاں کے دور نہیں
 فصاحتی مڑ پر ویں کے ہے ذرا اس کے
 قدم اٹھائے امتِ اسماء کے دور نہیں
 کہے نہ آہٹ سے کہ چھوٹے مجھ کو

یہ بات اہر و نکتہ واں سے دور نہیں



(یورپ میں لکھے گئے)

جس نے مجھ کو عطا کی نظر حلیمانہ
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ
نہ بادہ ہے نہ صراحتی نہ دورِ پیشت
فقط نکاح سے نکلیں ہے بزمِ جانانہ
مری نواتے پریشاں کو شاعری سمجھ
کہ میں چوں محرم از دُورِ مہینہ
کلی کو دیکھ کہ ہے تشنہِ نسیمِ سر
اسی میں ہے مے دل کا تمام افسانہ
کوئی بتاتے مجھے یہ عیاں ہے کہ حضور
سب ثنا ہیں یہاں ایک میں چوں بیگانہ
فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
مے جُسنوں کو سنبھالے الہیہِ ریانہ
مقامِ عقل سے اسان لڑ کیا آبال
مقامِ شوق میں کھویا لیا وہ فرزانہ



افلاک سے اتارے مالوں کا جوابِ آخر
کرتے ہیں خطا بآخر اٹھتے ہیں حجابِ آخر

احوال محبت میں کچھ فرق نہیں آیا
 میں سمجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم لیا ہے
 میخانہ یورپ کے دستور نرالی ہیں
 کیا دیدہ ناور کیا شوکت سموری
 خلوت لی لٹری کزری جلوت لی لٹری
 سو تو کتاب اول سو تو کتاب آخر
 شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر
 لاتے ہیں سُر اور اول دیتے ہیں شراب آخر
 چو جاتے ہیں سب فتر غرق مے تناب آخر
 چھٹنے کو ہے بجلی کے غوش سحاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
 کہہ ڈالے قلند نے اسرار کتاب آخر



ہر شے مسافر ہر چیز راہی
 تو مرد میدان تو ملیشہ ہر
 کچھ تدر اپنی تو نے نہ جانی
 دنیائے دُوں کی کب تک عنادی
 چیرہ دم کو دیکھا ہے میں نے
 کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی
 نور می حضور تی سہر سپاہی
 یہ بے سوا دمی یہ کلم نکاہی
 یار اہم سبھی کر یا پاؤش اہی
 کروار بے سوز، لفتار و اہی



ہر چیز ہے مچو خود نساۓ
 بے ذوق نمود زندگی، موت
 راتی زور خودی سے پرست
 تارے آوارہ و کلم ایسے
 یہ پھیلے پہر کا زور و چپا
 تیری قندیل ہے ترا دل
 اک ٹو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
 ہیں عقدہ کشا حین صبرا
 ہر ذرہ شہید کبریاۓ
 تعمیر خودی میں ہے حسدائی
 پرست ضعف خودی سے اتی
 تقدیر وجود ہے جسدائی
 بے راز و نیاز آشنائی
 تو اس کے اپنی روشنائی
 باقی ہے نمود سیمیاۓ
 کلم کر کلمہ برہنہ پائی



اعجاز ہے کسی کا یا کر وشن بابا
 تعمیریاں سے میں نے یہ از پائا
 ٹوٹا ہے ایشیا میں سحر فرنگیانہ
 اہل نوا کے حق میں کجلی ہے اشیانہ

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی کہ انی
 یا بندہ خدا بن یا بندہ زمانہ
 غافل نہ ہو خودی سے کہ اپنی پاسبانی
 شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
 اے لالہ کے ارث باقی نہیں تجھ میں
 کفایت لب نہ، لہو و ارف تاہرانہ
 تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
 لکھو یا لکھا ہے یہ جذب قلندرانہ

راز حرم سے شاید قہرِ بال باخبر ہے
 ہمیں اس کی نفست کو لے اندازِ محرانہ



خرو ہندوں سے کیا نوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
 کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے
 خودی کو کہ لب نہ اتنا کہ ہر تدریس سے پہلے
 خدا بندے سے خود نوچھے بتا تیری ضحیا کیا ہے
 مقامِ نفست کو کیا ہے کہ میں کمی کر ہوں
 یہی سوزِ نفس ہے اور میری کمی کیا ہے

نظر آئیں مجھے تفتدیر کی لہر آئیاں اُس میں
 نہ پوچھ لے ہم شمس مجھ سے چشمِ سرِ سالکیا ہے
 اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنی اس نے مانے میں
 تو قبل اس کو سمجھتا مقامِ سرِ سالکیا ہے
 نوائے صبح کا ہی نے جس کو خوں کر دیا سیرا
 خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے!



جب عشق سکھاتا ہے آدابِ اکا ہی
 کھلتے ہیں سلاسونِ اسرارِ شہنشاہی
 عطار ہو رومی ہو رازمی ہو، غزالی ہو
 کچھ ہاتھ نہیں آتا بے او سحر کا ہی
 نو میدانِ ہواں سے لے رہبرِ فرزانہ!
 کم کوشش تو ہیں سب کین بے وقوف نہیں رہی
 اے طائرِ لاہوتی! اُس رُزق سے مت اچھی
 جس رُزق سے آتی جو پڑا زمینِ عاتہی

✽ جرمنی کا مشہور مجذوبِ فلسفی نطشہ جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اور
 اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط رستے پر ڈال دیا

وارا سکندر سے وہ مروتیہ اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں ہوئے اسد الہی
آمین جو انمراں حق کوئی بے باکی
اللہ کے شیروں کو اتنی نہیں رہا ہی



مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا
تھمے ہر کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا
ذرا تقدیر کی لہرائیوں میں ڈوب جاتا بھی
کہ اس جنگاہ سے میں کچھ تیغ بے نیام آیا
یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر
یہ دواں گم لئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا
چل اے میری غریبی کا تاشا دیکھنے والے
وہ محفل اٹھ لے جس دم تو مجھ تک درجام آیا
دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ مڑتن اسان تھا تن اسان کے کام آیا

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی محنت کے بعد خروہ شاہین پر دام آیا



نہ ہر طغیان شتاقی تو میں رہتا نہیں تھی
کہ میری زندگی کیسے یہی طغیان شتاقی

مجھے فطرت نے اپریں سے رہے مجبور کرتی ہے
 وہ آتش آج بھی میرا شمعین بھونک رہی ہے
 نہ لڑا فرما کے اندازہ اس کی تابانی سے
 دلوں میں لو لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے
 خزاں میں بھی لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے

الٹ جائیں گی تیریں لے لے لے لے لے لے لے
 حقیقت ہے نہیں میرے تخیل کی یہ جلاتی



فطرت کو خود کے زور پر کر
 تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
 تاروں کی فضا ہے بیکراں
 عریاں ہیں ترے چمن کی حوریں
 بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
 تسخیر مستام زناں و بوکر
 کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر
 تو بھی یہ مستام ارزو کر
 چاکل گل و لالہ کو رفو کر
 جو اس کے نہ ہو کاوہ ٹولہ!



یہ سپرین کلیسا و حرم اے وائے مجبور می!
صلہ ان کی کہ و کاوش کس کا ہے سینوں کی بے زوی
یقین پیدا کر اے ناوان یقین سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے مغفوری
کبھی حیرت، کبھی ہستی، کبھی آس و تحسین
بدلتے ہیں ہزاروں رنگ میں اور مہجوری
حد اور اس کے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت کے دوری
وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں ایسا بہتوری
کوئی تفتدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں
نہ تھے ترکاں عشق شامی سے کم ترکاں سیوس

فقیرانِ سرم کے ہاتھ قرب ال ایک کونچہ
میسٹر سر سلطان کو نہیں شاہین کا فوری



تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر و قیم
عقل عیت رہے سو بھیس بنالیتی ہے
عشش سنزل ہے غریبانِ محبت چرام
ہے کراں سیر عینم راحلہ و زاوے سے تو
کمز اس عین میں ممکن نہیں بچو بکیم
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
سبافر ہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم
کوہ و دریا سے لزر سکتے ہیں مانند نسیم
مرد و ریش کا سر یہ ہے زاوی مرل
ہے کسی اور کی خاطر نصیبِ زوسیم



ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں فیض سائیں
ابھی عشق کے متحساں اور بھی ہیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم زندہ ہو پر
 چمن اور بھی اشیاں اور بھی ہیں
 اگر لکھو کیا ان شے میں تو کیا نسیم
 مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں
 تو شاہیں بے پروا رہے کام تیرا
 ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں
 اسی روز شب میں الجھ کر نہ رہا
 کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں
 کہتے دن کہ نہ تھا میں جس میں
 یہاں اب کے راز داں اور بھی ہیں



(فرانس میں لکھے گئے)

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ حیاں کا دھوم
 وائے تمنا تے خام وائے تمنا تے خام
 چیرم نے لہا نسیم مری وندا
 پختہ ہے تیری فغان اپنے لئے لہا نسیم
 تھا ارنی کو طیسم میں ارنی کو نہیں
 اس وقت اضر و امجد چیت اضر
 کرچہ پافشا تے راز اہل نظر کی فتن
 چلتے صوفی میں فریہ نم بے زوسا
 نہیں بھی ہاشنہ کام تو بھی ہاشنہ کام

عشق تری آہ، عشق تری آہ
 تو بھی انجی نام میں بھی انجی نام
 آہ کہ لکھو یا لکھتے تھے قیصر کا راز
 ورنہ یہ مال فقیر لطفست بوم و شام



خودی ہو علم محکم تو غیرت جبریل
 عذاب و آتش حاضر ہے باخبر ہوں میں
 فریبِ خجستہ منزل ہے کاروانِ رنہ
 نظر نہیں تو مرے سلفہ سخن میں نہ بیٹھ
 مجھے دوسرے فرنگ آج یاد آتے ہیں
 اندھیری شب ہے جد اپنے قافلے سے ہار تو
 اگرچہ عشق محکم تو صورتِ افسر
 کہ میں اس آل میں لایا ہوں مثلِ نسیل
 زیادہ احسنِ منزل سے نہ شاطرِ حیل
 کہ گزرتے تھے خودی پریشاں تیغِ ایل
 کہاں حضو کی لذت کہاں حجابِ لیل
 ترے لیے مرا شعلہ نواں بدیل

غریبِ سادہ زنجیر ہے ہرستانِ حم
 نہایت اس کی حسین ابتدا ہے ارمیل





مکتبوں میں کہیں عین اتنی افکار بھی ہے؟
خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے؟
منزلِ راہرواں اور بھی دوشوار بھی ہے
کوئی اس قافلے میں تافلہ سالار بھی ہے؟
بڑھ کے خیر سے میرے سرورین وطن
اس زمانے میں فانی حیدر لڑا بھی ہے؟
علم کی حک پے بن قدموں کے لیے
لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے؟

پیرِ حیات نہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
سُست بنایا بھی ہے، آئینہ دیوار بھی ہے!



حادثہ وہ جو بھی پڑے فساد میں ہے
عکسِ کس کا مرے آئینہ اور اک میں ہے
زیتارے میں ہے نہ کروشنِ افلاک میں ہے
تیرے تھمتِ دیر کے نالہ بے بال میں ہے
یا مری آہ میں فانی شہرِ زندہ نہیں
یا ذرا نام ابھی تیرے خوش خاشاک میں ہے
کیا عجیب یہی نوا ہے کھڑکی سے
زندہ ہو جائے وہ آتشِ ترمی خال میں ہے

۳۹۲

بالِ جبریل

۶۸

توڑ ڈالے کی یہی خاک طلسم شب روز
گرچہ کچھی ہوئی تقدیر کے پیکار میں ہے



رہانہ حلقہ صوفی میں روزِ مشتاقی	فسانہ ہائے کرامت رکھتے باقی
خراب کو شکرِ سلطانِ خانقاہِ فقیر	فغاں کہ تختِ بوسلی سالِ زرقی
مرے کی اور محشر کو شکرِ ساراں روز	کتابِ صوفی و ملائی سا وہ اوراقی
نہ چینی و سربلی وہ نہ رومی و شامی	سما سکا نہ دجالم میں مردِ آفاقی
مے شبنامہ کی مستی تو ہو چلی لکین	لکھنا سہل ہے لوں میں در شمعِ سیاقی
چمن میں تلخ نوائی مری لوارا کر	کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی
عزیز تر ہے متاعِ امیرِ سلطان سے	وہ شعر جس میں ہو بلی کا سوہ براقی



ہوانہ زور سے اس کے کوئی لریباں چاک
گرچہ مغربوں کا جسٹنوں بھی تھا چالاک

۳۹۳
بالِ جبریل
۴۹

نصیب سیرب آید آتش نال
 یہ کہستان سیتارے یہ سیکلوں افلاک
 مانع روشن دل تیرو کو بے بال
 وگرنہ اک ہے مومن جہاں خوش خاشاک
 کشتہ کھربسٹنوں بھی صابہ اورال
 مرے غلام چھپتے تھکتے لوالال

مے یقین سے ضمیر حیات ہے پر نور
 عروج آدم حسالی کے منتظر ہیں تمام
 یہی مانہ جانسری کائنات ہے کیا
 تو بے بصر ہو تو یہ مانع نکاہ بھی ہے
 زمانہ تسل کو سمجھا ہوا ہے شعل راہ
 جہاں کام میراث مر مومن لی



یک رنگی و ازادی لے سمت مروانہ
 یا مروستلندر کے انداز ملوکانہ
 یا منکر حلیمانہ یا جذب طیمانہ
 یا حیلہ اسرہلی یا حملہ ترکانہ
 یا نعرہ ستانہ کعبہ بولہ بت خانہ
 کچھ کام نہیں بنتا بے جرات زندہ

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کو ہر ایک دن
 یا سنج و طعن ندر کا اتین جہاں لیری
 یا حیت فارابی یا تاب تب رومی
 یا عتسل کی روباہی یا عشق یدلہی
 یا شرع سلمانی یا دیر کی دربانی
 میری میں فقیری میں شاپی میں غلامی میں



نہ تخت تاج میں نہ لشکر سپاہ میں ہے
 جو بات مرو قلند کی بارگاہ میں ہے
 صنم کہ ہے جہاں اور مروت حق ہے خلیل
 نیکی تو ہے پوشیدہ لا الہ میں ہے
 وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
 یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
 مروت سارے کے مقام ہے جس کا
 وہ مہشت خاک ابھی وار کان اہ میں ہے
 خبر ملی ہے حیدر امان بھروسے مجھے
 فرنگ کہ زریں بے پناہ میں ہے
 تلاش اس کی فضاؤں میں نصیب اپنا
 جہاں تازہ مری اہ صُبح گاہ میں ہے
 مرے کہ دو غنیمت سمجھ کہ باوۃ ناب
 نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے



فطرت نے نہ بختاب مجھے اندیشہ چالا
 رکھتی ہے طرقات پر از مری خاک
 وہ خال ہے جس کا جنوں صفت اور اک
 وہ خال کہ جبریل کی ہے جس کے قبا چاک

وہ خاک کے پروائے شمع نہیں رکھتی
چھتی نہیں پہنائے چمن خستہ خاک
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ساروں عرق



کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوتے کو فہ و بیدار
یہ مدرسہ جو انیسویں صدی عیسائی
انھی کے دم سے بچتا ہے قزاق آباد
یہ فلسفے سے نہ ملا ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت وہ اندیشہ فطرت کا فساد
فقیر شہر کی تحقیق کر لیا مجال مر
مگر یہ بات کہ میں ٹھنڈا ہوں دل کی کشاد
خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرت پرور
خدا کی دین ہے ساری عین فرما
کیے ہیں فاش رموز تندرستی میں
کہ کبر و خافتا ہوا ہوا
رشی کے فاقوں کو تازہ برہمن کا طلسم
عصانہ ہو تو ظہمی ہے طربے بنیاد



کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی عمارت
گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی جانب

رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی
اوم کو سلجھاتا ہے واجبند و بندہ

خالی ہے مگر اس کے انداز میں ہندو کی
سلجھائی فرشتوں کو اوم کی تڑپ اس نے



جیتا ہے رومی، ہمارا ہے راز حق
شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی
تو بھی نہ سازئی میں بھی نہ سازئی
جس سر کے میں ملتا ہوں غازی
حرفِ محبتِ ترکی نہ تازی
کا خلیلاں حنا را لہ بازی
باقی ہے جو کچھ سب خال بازی

نئے سر و باقی، نئے سر و بازی
روشن ہے جامِ شیداب تک
دل ہے سہماں میرا نہ تیرا
میں جانتا ہوں انجام اُس کا
ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
آؤر کا پیرِ شہنا را تراشی
تو زندگی ہے پائندگی ہے



والتے وہ رہو کہ ہے منتظرِ راحلہ

گرم فغاں ہے جبریں اٹھ کہ کیا قافلہ

تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور
تیرے موافق نہیں خالق ہی سدا
دل ہو غلامِ سرور یا کہ امامِ سرور
ساکب و ہوشیار بخت ہے یہ مرد
اُس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں یہ
کہوشش اس کا ہے جس کی باں پر
تیرے نفس کی ہوتی آتش گل تیر
منعِ حرم ہے یہی تیری اکا



مری نوا سے پوچھتے زندہ عارفِ عامی
ویسے ہیں نے انھیں فوق آتشِ آشامی
حرم کے پاس کوئی ابھی ہے مریخ
کہ تار تار پوچھتے جسمِ عالمی
حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کونی و شامی
مجھے یہ ہے مقامِ مرہینِ سُختہ کار بہت
نہ زندگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی
عجب نہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کریں
شکوہِ سحر و جادو حریفِ دوسطامی

قبائے علم و ہوشِ لطفِ خاص ہے نہ
ترمی نگاہ میں تھی میری ناخوشِ اندامی



۳۹۸
بالِ مہربان
۷۲



چاکر امت سے آگے لڑ لیا مہ نو
 کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تک و دو
 نفس کے زور سے غنچہ وا ہو بھی تو کیا
 جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو
 نگاہ پاک سے تیری تو پاک ہے دل بھی
 کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیہر
 چپ سکا زخیاں میں لالہ دل سو
 کہ سازگار نہیں تہ جہان کس مہ جو

ہے نہ ایسا غوری کے معر کے باقی

ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خسرو



کھونہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب جوش
 اک جہاں اور بھی ہے جس میں فردا ہے نہ دوش
 کس کو معلوم ہے ہر سنگا مہ فردا کا مقام
 مسجد و محراب و مینار نہ ہیں تہ کے خموش

میں نے پایا ہے اُسے اشکِ گر کاہی میں
 حسنِ ناب کے خالی ہے صند کی آغوش
 نئی تہ زیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
 چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ کلونہ فروش
 صاحبِ ساز کو لازم ہے کہ عنِ افل نہ رہے
 گلے کا ہے عن لٹ اپنک بھی ہوتا ہے سروش



تھا جہاں سے شیریں شادشاہی
 اُج آن جن نقموں میں ہے فقط روباہی
 نظر آتی نہ مجھے مت افلا سلاؤں میں
 وہ شبانی کہ ہے تمہیں عظیم الہی
 لذتِ نعمت کہاں مرغِ خوش الحان کے لیے
 اہ، اس باغ میں کرتا ہے نفسِ قوتاہی
 ایک کستری جویرتے سر پر تاب
 ایک کستری جویرتے تمام اکاہی

صفتِ برق چلتا ہے مرادِ مہند
 کہ بھٹکتے نہ پھر شمسِ شبِ مہند

۴۰۰
 بالِ جبریل
 ۷۶



ہے یاد مجھے نکتہ شہماں خوش آمد
چلتے کا جگر چائے شاہیں کا جس
کربل و طابوس کی تصدیق سے توبہ

دنیا نہیں مڑاں جفا کش کے لیے تنہا
جی سکتے ہیں بے روشنی و اشرفیہ
بے لفظ آواز ہے طاؤس فقط زنا !



فقر کے ہیں معجزات تاج و سیر و سپاہ
علم کا مقصود ہے پائی عمتل و خرد
علم فقیر و حکیم، فقیر مسیح و کلیم
فقر صفت تمام نظر، علم صفت تمام خبر
علم کا موجود اور، فقر کا موجود اور

فقر ہے میروں کا، نیز فقر ہے شاہوں کا شاہ
فقر کا مقصود ہے حقیقتِ قلب و نگاہ
علم ہے جو یاتے راہ، فقیر ہے دانائے راہ
فقر میں سستی ثوابِ علم میں سستی کناہ
اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ

۴۰۱
بال عبریلی

* سلمان بسو و سحر سلمان - غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً لاہور میں پیدا ہوا

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خوبی
ایک سپاہی کی ضرب تہ تیغ ہے کار سپاہ
دل الہی خال میں زندہ و بیدار ہو
تیری نکتہ توڑ دے آسمان مہر و ماہ



کمال جو شہنشاہوں میں ہا میں کرم طواف
خدا کا شکر سلامت ہا حرم کا خلاف
یہ عشاق مبارک ہو مومنوں کے لیے
کہ یک زبان ہیں فقہیان شہر میرے خلاف
ترپ ہا ہے فلاطون سیان عجیب جنو
ازل سے اہل حق کا مقام ہے اعرف
ترے ضمیر یہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گر و کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشف

سرور و سوز میں ناپائدار ہے ورنہ
مے فرنگ کا تہ جبر بھی نہیں ناف



شہر و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب
مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
 اگرچہ میرے شیعین کا کر رہا ہے طواف مری نوا میں نہیں طسائر حسین کا نصیب
 سنلے ہیں نے سخن رس ہے تکر عثمانی سنلے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
 تلے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب

قطعہ

اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے
 شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
 یا وسعتِ انداک میں تجسیرِ مسلسل
 یا خاک کے اغوشِ شمس میں تسبیح و مناجات
 وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
 یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات



کود

رہ درہم نام زمانہ !
کلیں کی ادا سودا گرانہ !
بزرگے راہ پرانی چاک
بیراہیوں کا یہ زمانہ !

۲۰۲
بال جبریل
۸۰

۲ حصہ (۱۱۱)

نہدیم بحر میں عورتیں سنہل جا

نہدیم بحر میں عورتیں سنہل جا
نہدیم بحر میں عورتیں سنہل جا

نہدیم بحر میں عورتیں سنہل جا
نہدیم بحر میں عورتیں سنہل جا

نہدیم بحر میں عورتیں سنہل جا
نہدیم بحر میں عورتیں سنہل جا

زُبا عیث

رہ و رسم حرم نامحسوس نہ
تبرکے مرا پیرا ہن چال
کلیسا کی ادا سوداگرانہ
نہیں اہل حسنوں کا یہ زمانہ

ظلامِ بحر میں کھو کر سنجل جا
نہیں ساحلِ ترقی قسمت میں لے موج
ترپ جا، پیچ کھا کھا کر بدل جا
اُبھر کر جس طرے چلے نیکل جا!

مکانی ہوں کہ آزاد مسکاں ہوں جہاں بیچوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں ہیں مست مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!

خودی کی حسرتوں میں لم ہا میں خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا انھہ اٹھا لڑ بکوة دو قیامت میں کاشا بن گیا میں!

پیشاں کار و بار آشنائی پیشاں ترمی زنجیں نوائی!
کبھی میں ٹھونڈتا ہوں لذت و دل خوش اتنا ہے کبھی سو جبارائی!

یقین، خلیل آتش نشینی یقین، اللہ ستی، خود لرزینی
سُن، اے تہذیبِ باضر کے گرفتار غلامی سے بتر ہے بستی نشینی

عرب کے سوز میں سا بجز ہے
تہی حد تک ہے اندیشہ غریب
حرم کار از توحیدِ اہم ہے
کہ تہذیبِ بنی جہل ہے

کوئی دیکھے تو میری نوازی
نکھ الووۃ اندازِ زند
نفسِ ہندی مقامِ ستاری
طبیعتِ غزنوی قہرِ ستاری

ہر اک دتے میں ہے شاید مکھن دل
اسیرِ دوش و شتر ہے بکین
اسی جلوت ہیں ہے خلوت نشین دل
غلامِ کر و شتر و انہیں دل

ترا اندیشہ سلاکی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
ترمی پرواز لولالی نہیں ہے
ترمی آنکھوں میں بکالی نہیں ہے

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی الہی روشن ضمیری
خدا سے پھر ہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن ایسی بے فقیہی

خودی کی جستجو میں مصطفائی
خودی کی جستجو میں کبریا
زمین آسمان کرسی عرش
خودی کی دو میں ہے ساری خدائی

نگہ ابھی ہوئی ہے رنگ و بو میں
خود لکھوتی لہی ہے چپاڑ میں
نہ چھوڑے دل فغانِ صبح کا
اماں شاید ملے اللہ ٹھوٹ میں

جمالِ عشق وستی نے نوازی
جمالِ عشق وستی بے نیازی
کمالِ عشق وستی طرفِ حیدر
زوالِ عشق وستی حرفِ ازلی

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے مری بلی مرا حاصل کہاں ہے
مقام اس کا پئے دل کی خلوتوں میں خدا جانے مست ام دل کہاں ہے

سوارِ مات و محمل نہیں میں نشانِ جاوہ ہوں منزل نہیں میں
مری تقدیر ہے حنا اشک سوری فقط بجلی ہوں میں چال نہیں میں

تے سینے میں دم بٹے ل نہیں ہے ترا دم کرمی محفل نہیں ہے
گزر جاتل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

ترا جو ہر ہے نورِ مئی پاک ہے تُو سرِ رُخ دیدہ افلاک ہے تُو
ترے سیدوں ان فرشتہ و حو کہ شاہین شہِ لولاک ہے تُو

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں جو باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشان سجدے بے زوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

خودی کے زور سے نیا پہ چھایا
مستم رنگ بونہار از پایا
بزرگ کس رسالہ آشنایا
کف احل سے من لھنیچایا

چمن میں خست گل شبنم سے تر ہے
سمن ہے سبز ہے بادِ سحر ہے
گڑب گڑب ہو سکتا نہیں گرم
یہاں کالہ بے سوز جگر ہے

خرو سے اہر روشن ہے
خرو کی ہے چراغِ راز ہے
درونِ جناں نہ کام میں لیا لیا
چراغِ راز کو کی خبر ہے

جوانوں کو مری آہِ سرے
پھرن شاہین بچوں کو بال پرے
خدایا! از رو سیری ہی ہے
مرانور بصیرت عام کروے

تری دنیا جہان مرغ و ماہی
مری دنیا فغانِ صبح کاہی
تری دنیا میں محکوم و مجبور
مری دنیا میں تیری پاؤں شاہی

کرم یہ کہ بے جوہر نہیں ہیں
غلامِ نعلِ خوب نہیں ہیں
جہاں بیتی مری فطرت ہے لیکن
کسی بیشکِ عدالت نہیں ہیں

وہی اصل مکانِ لامکاں ہے
مکانِ حیا ہے اندازِ بیاں ہے
خضر کنوکر بتائے کیا بتائے
الکر ماہی لے دریاں ہے

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق کبھی شاہ شہماں نوشیرواں عشق
کبھی میدان میں آتے پہرے پوش کبھی عریان و بی تنع و سناں عشق!

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق کبھی سوز و سُرور و انجمن عشق
کبھی ساریہ محراب و منبر کبھی ہوا شلی خیر شکن عشق!

عطا اسلاف کا جذبہ و رُوس کر شریکِ زمرد لائیکِ سنو کر
خرو کی گتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر!

نیکیت میں کیسا بوجھ کہ جاں تہ نہیں کہ بدن سے
چمک سوج میں کیا باقی ہے لی اگر بس نزار ہو اپنی کرن سے!

۲۱۲
بالِ جبریل
۸۸

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد
بڑھی جاتی ہے طغالم اپنی حد
خدا جانے مجھے کیا ہو کیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے!

خدا کی اہم شکرت ہے
وہی کن بندگی استغفرا
خداوند احسان داتی در دوسرے
یہ دروہ نہیں دروہ کر ہے

یہی آدم ہے سلطان محروم کا
نہ خود بین نے خدا بین نے جہان میں
کہوں کیا جا بس اس بے بصر کا
یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا!

وہ عارف نیم صدم ہے
الہ کوئی شعیب آئے میتر
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
شہانی سے طہیمی و مت دم ہے

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
 ساز و روزہ و تبرانی وج یہ باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی کیا دورِ حدیثِ لُن ترانی
 ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار وہی سدی وہی آخرِ زمانہ

زمانے کی یہ کروشِ جاودا حقیقت ایک تو باقی فسانہ
 کسی نے دوشِ کجیہ ہے نہ فردا فقط امروز ہے یہ زمانہ

حکیمی نامہ سلطانی خودی کی حکیمی رمزِ نہانی خودی کی
 تجھے گرفتِ و شاہی کا بتا دوں غریبی میں نہجِ سلطانی خودی کی

ترا تن روح سے نا آشنا ہے عجب کیا! او تیری نار ہے
تن بے روح سے بیزار ہے حق خدا نے زندہ زندوں کا خدا ہے

قطعه

اقبال نے کل اپنی خیابان کو سنایا
یہ شعرِ شاط اور وہ پرسوز و طرب نال
میں صُورِ ستِ گل دستِ صبا کا نہ محبتِ تلج
کرتا ہے مراجعِ شمسِ جنوں میری قبا چال

دعا
مسجدِ قطبہ میں لکھی گئی

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے رے جگر کا لہو !
صحبتِ اہل صفا نور و حضور و سرور
سرخوش و پر سوز ہے لالہ لبِ آبجو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
ساتھ ہے گئی ایک مری آرزو !
میرا شمع ہیں درگاہِ میر و وزیر
میرا شمع ہیں بھی تو شاخِ شمع بھی تو !
تجھ کے سرِ بیاں مرا مطلعِ صبحِ شہور
تجھ کے سرِ سینے میں آتشِ الٰہی !

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَعَا

(سجدہ قرطبہ میں لکھی گئی)

ہے یہی میری ناز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
صحبتِ اہل صفاء، نور و حضور و سرور
سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبجو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رشتہ
ساتھ مرے رہ گئی ایک مری آرزو
میرا شہین نہیں درلہ میرا وزیر
میرا شہین بھی تو شاخِ شہین بھی تو

تجھ سے لریباں مرا طبع صبح نشور
 تجھ سے مرے سینے میں آتش اُتدھو
 تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
 تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو
 پاس اگر تو نہیں، شہر ہے ویران تمام
 تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاغذ و کو
 پھر وہ شہر اب کُنن مجھ کو عطا کر کہ میں
 ڈھونڈ رہا ہوں اُسے توڑ کے جام و سُبُو
 چشمِ کرم سا قیام دیر سے منتظر
 جلدوتیوں کے سبُو، جلدوتیوں کے لُڈُو
 تیری جلداتی سے ہے میرے جنوں کو رکھ
 اپنے لیے لامکانِ میرے لیے چار سُوا
 فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
 حرفِ تنہا، جسے کہ نہ سکیں رُو برو

مسجد قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین، بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

سلسلہ روز و شب، نقش کر حادثات
سلسلہ روز و شب، اصل حیات و ممات
سلسلہ روز و شب، تارِ سریر و درنگ
جس سے بنائی ہے ذات اپنی قبلے صفات
سلسلہ روز و شب سازِ ازل کی فغان
جس سے دکھائی ہے ذاتِ زیر و بمِ ممکنات
تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب، صہبِ سیر فی کائنات
تو ہو اگر کم عیار، میں ہوں اگر کم عیار
موتے تیری برات، موتے میری برات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رُوح جس میں نہ دن ہے نہ رات
 انی و فانی تمام مجبوزہ ہاتھ ہنر
 کار جہاں بے ثبات، کار جہاں بے ثبات!
 اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
 نقش کُنن ہو کہ نو، سن نزلِ آخر فنا
 ہے مگر اس نقش میں زنا بے ثباتِ دوام
 جس کو کیا ہو کسی مردِ خندانے تمام
 مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ مرغ
 عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام
 تند و سبک سیر ہے لہرِ نہ ملنے کی رو
 عشقِ خوداں سَیل ہے سَیل کو لیتا ہے تمام
 عشق کی تقویم میں عصا برِ واں کے سوا
 اور زمانے بھی ہیں جن کا نہسیں کوئی نام

عشق دم جبریل، عشق دل مصطفیٰ
 عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
 عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
 عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کائناتِ کرام
 عشق فقیرِ حرم، عشق ایسے جنود
 عشق ہے ابنِ اسبیل، اس کے ہزاروں مقام
 عشق کے مضراب سے نغمہ تارِ حیات
 عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات
 اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
 عشق سے رپا دو امّ جس میں نہیں رفت و بود
 رنگ ہو یا خشت و سنگ چنک ہو یا حرف و صوت
 معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
 قطرہ خونِ جگر سل کو بناتا ہے دل
 خونِ جگر سے صد سوز و سُرور و سرود

تیری فضا دل منہ زہ میری نوا سینہ سوز
 تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
 عرشِ معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
 کرچہ کفِ خال کی حد ہے سپہرِ کبود
 پیکرِ نوری کو ہے جبدہ میسر تو لب
 اس کو میسر نہیں سوز و لہذا زبجو
 کافر ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق
 دل میں صلوٰۃ و درود، لبِ صلوٰۃ و درود

شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
 نعمۃ اللہ ہو میرے رل و پے میں ہے
 تیرا جلال و جمال، مروتِ اکی و دلیل
 وہ بھی حسین و سبیل، تو بھی حسین و سبیل
 تیری بنا پادار، تیرے ستوں بے شمار
 شام کے صحرا میں ہو جیسے نجومِ سبیل

تیرے درو بام پر واوی امین کا نور
تیرا منہ نہایت حبس ہو کہ جب تیرے
منہ نہیں سکتا کبھی مردِ سماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش ہے کس طرح خلیل
اس کی زمیں بے حدود، اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج، و جلد و دنیوی وکیل
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہدِ کهن کو دیا اس نے پیامِ حسیل
ساقیِ اربابِ فوق، فارسِ میدانِ شوق
بادہ ہے اس کا رقیق، تیغ ہے اس کی اکیل
مردِ سپاہی ہے وہ، اس کی زردہ 'لا الہ'
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ 'لا الہ'
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز
اس کے دنوں کی پیش، اس کی شبوں کا لہاز

اس کا مستام بلند، اس کا خیال عظیم
 اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز
 ہاتھ سے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کارائیں، کارشا، کار ساز
 خالی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
 پرو و جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
 اس کی نہیں قلیل، اس کے مقاصد طویل
 اس کی ادا اول فریب اس کی نلہ دل نواز
 نرم و کم نفست کو، کرم و کم مستجو
 رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک بابا
 نقطہ تر پر کار حق، مروجہ خدا کا یقین
 اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
 عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
 حلفتہ آفاق میں کرمی محفل ہے وہ

کعبہ ارباب فن! سطوت دین نہیں
 تجھے جسے ہم مرتبت اندھیوں کی نہیں
 ہے تہ کمروں الحسن میں تیری نظیر
 قلب سماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں
 اہ وہ مروان حق! وہ عربی شہسوار
 حامل خلق عظیم، صاحب صدق و یقین
 جن کی حکومت ہے فاشس یہ رمز غریب
 سلطنت ایل و فست ہے شاہی نہیں
 جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
 ظلمت یورپ میں تھی جن کی حنڈ راہ ہیں
 جن کے لہو کی طغیانیل آج بھی ہیں اندھی
 خوش دل و لرم اختلاط، ساوہ و روشن جبیں
 آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
 اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

نُوتے ہیں آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
زنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

ویدۂ انجسم میں ہے تیری زمیں، آسماں
اے کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے ازاں
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشقِ بلاخیز کا فتانِ سخت جاں
دیکھ چکا المنی، شورِ شمسِ صلاحِ دین
جس نے نہ چھوٹے نہیں شمسِ لہن کے نشان
حرفِ غلط بن گئی عصمتِ پیرِ کُنشت
اور ہوئی منکر کی کشتیِ نازکِ رواں
چشمِ فراسِ سپس بھی دیکھ چکی نہتِ لاد
جس سے دلِ لکوں ہوا سنہرے بیوں کا جہاں
ملکتِ رومی نثارِ اکسوس پرستی سے پیر
لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر عبراں

۲۲۶

بالِ جبریل

۱۰۲

رُوحِ سلماں میں ہے آج وہی اضطراب
 رازِ حنائی ہے یہ، کہ نہیں سکتی زباں
 دیکھیے اس بحر کی ترے اچھلتے پر کیا
 کُنبد نیلوفرِ سری زلف بدلتا ہے لیا
 وادی کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب
 نعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ لیا فستاب
 ساوہ و پُرسوز ہے دخترِ دہشتاں کالیت
 کشتیِ دل کے لیے سِیل ہے عہدِ شباب
 آبِ و ابنِ بکیرِ تیرے لنگے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زلمے کا خواب
 عالمِ نو ہے ابھی پروۃِ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحرِ بے حجاب

• وادِ آبِ بکیر، قُطیفہ کا مشہور دیا جس کے قریب ہی مسجدِ شریفہ واقع ہے

پروہ اُنھٹا دوں اگر چہ سہرا افکار سے
 لائے گئے کافر نام میری نواؤں کی تاب
 جس میں نہ ہو نہت سلاب موت ہے وہ زندگی
 رُوح اُمم کی حیات کشمکش انقلاب
 صورتِ شمشیر ہے سب قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب نام تمام خونِ جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

قید خانے میں مستحکم کی فریاد

معتمد شہبیلیہ کا بادشاہ اور عربی شاعر تھا یہ سپانسر کے ایک حکمران نے اس کو شکست دے کر قید میں
 ڈال دیا تھا۔ معتمد کی نظمیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر فورڈم آف دی ایٹھ سیریز میں شائع ہو چکی ہیں۔
 اگلے فن ان بے شر سینیہ میں باقی رہ گئی
 سوز بھی رخصت ہوا، جاتی رہی تاشیر بھی

مردِ سرزنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
 میں شیاں ہوں شیاں ہے مری تدبیر بھی
 خود بخود زنجیر کی جانب کھینچا جاتا ہے دل
 تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
 جو مری تیغ و دودم تھی، اب مری زنجیر ہے
 شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تعالیٰ بھی!
 عبد الرحمن اول کا بویا ہوا لہجور کا پہلا درخت

سرزین اندلس میں

یہ اشعار جو عبد الرحمن اول کی تصنیف سے ہیں تاریخِ اقصیٰ میں درج ہیں۔ مندرجہ ذیل
 اردو نظم ان کا آزاد ترجمہ ہے (درختِ مذکور مدینۃ الزہراء میں بویا گیا تھا)

میری آنکھوں کا نور ہے تُو میرے دل کا سور ہے تُو
 اپنی وادی سے دُور ہوں میں میرے لیے نخلِ طور ہے تُو
 مغرب کی چوآنے تجھ کو پالا صحرائے عرب کی حور ہے تُو

پرویس میں ماصبور ہوں میں پرویس میں ماصبور ہے تُو

غربت کی ہوا میں بارور ہو

ساتی تیرا نیم سحر ہو

عالم کا عجیب ہے نظارہ دامانِ نغمہ ہے پارہ پارہ

ہمت کو شناوری مبارک! پیدا نہیں سحر کا کنارہ

ہے سوزِ دروں سے زندگانی اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

صبحِ غربت میں اور چمکا ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا متام پر کہیں ہے

ہم سپانیہ

(ہم سپانیہ کی سرزمین میں لکھتے گئے)

(واپس آتے ہوئے)

ہم سپانیہ تُو خونِ سلاں کا امیں ہے

مانندِ حرمِ پاک ہے تُو میری نطنس میں

۲۳۰

بالِ ہبریل

۱۰۶

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
 خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
 روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں
 خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
 پھر تیرے سینوں کو ضرور تیرے جنا کی؟
 باقی ہے ابھی رنکے کے خون جگر میں!
 کیونکر حسن و خاشاک سے دب جائے مسلمان
 مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شر میں
 عنبر لٹہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے لیکن
 تکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں
 دیکھا بھی دیکھا یا بھی سنا یا بھی سنا بھی
 ہے دل کی تسلی نہ نطنز میں نہ خبر میں!



طارق کی دعا

(اندلس کے میدان جنگ میں)

عین زمی تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تونے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیت سے آتی
دو عالم سے کرتی ہے سیکانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشورِ ثانی

خیاباں میں نے منتظر لالہ لب سے

قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

کیا تونے صحرائیں کو ملکیت
خبر میں نطسہ میں اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی ندلی کو
وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں
کشا و درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موتان کی نطسہ میں
دلِ مردِ مومن میں پرندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی برقِ لا تذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ سماں کو تلوار کر دے

۲۳۲
بالِ جبریل
۱۰۸

لینن (خدا کے حضور میں)

اے نفسِ آفاق میں پیدا ترے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ ترمیقات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے حسد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سر و اذلی سے
بنیائے کو الگ ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو حنا بقِ اعصار و نگارندۂ آفات!

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنے کے جس کو علمیوں کے مقالات
 جب تک میں جیسا کہ افلاک کے نیچے
 کھنٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب یہ قابو نہیں رہتا
 جب روح کے اندر مست لاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے سبود
 وہ آدم حنالی کہ جو ہے زیرِ مساوات؟
 مشرق کے خداوند سفیدانِ مندرلی
 مغرب کے خداوند خورشندہ فلزات
 یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
 حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے ظلمات
 عینِ انبیاء میں رونق میں صفا میں
 اگر جس سے ہمیں بڑھ کے ہیں نیکوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
 سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرل مفاعیات
 یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
 پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تسلیم مساوات
 بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
 کیا کم ہیں سرنگی مذہبیت کے مستوحات
 وہ قوم کہ فیضان سماوی سے چومحسروم
 حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخار آت
 ہے دل کے لیے موت شینوں کی حکومت
 احساس مروت کو نچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نطن سر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شطرنج کیامات
 مہینے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فنکر میں سپرد ان خرابات

چہروں پہ جو سرخی نطن آتی ہے شرم
 باعثِ ازہ ہے یا باعثِ رومیا کی کرامات
 توفیق اور وعادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہٴ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا یہ پستی کا سینہ؟
 دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات !

فرشتوں کا لیت

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی
 نقشِ کبر ازل! ترا نقش ہے تہام ابھی
 خلقِ خدا کی لحات میں رند و فقیر
 تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی
 تیرے مہرِ مالِ مست تیرے فقرِ حالِ مست
 بندہ ہے کوچہ گرو ابھی خواجہ بلند بام ابھی

دانش دین و علم و فن بندگی ہو ستم
 عشق کرہ نشائے کافض نہیں ہے عام ابھی
 جو ہر زندگی ہے عشق جو ہر عشق ہے خودی
 اہ کہ ہے یہ تیغ تیز پردہ کی نیام ابھی

فرمانِ خدا (فرشتوں سے)

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جلا دو
 کرمات و غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
 سلطانِ بسفور کا آلت ہے زمانہ
 جس کھیت سے ہفتاں کو میسر نہیں روزی
 کیوں خالق و مخلوق میں عامل رہیں پردے
 حق را بسجودے صہماں بطولانے
 میں ناخوش و بیزار ہوں مہر کی سلوں سے
 تہذیبِ نوئی کا دلہ شیشہ لہاں ہے
 کاخِ امرا کے در و دیوار جلا دو
 کنجشکِ فرومایہ کو ساہیں سے لڑا دو
 جو نقشِ کہن تم کو نظر آتے مٹا دو
 اُس کھیت کے ہر خوشہ لندم کو جلا دو
 پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
 بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بھجا دو
 میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو
 آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو

ذوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

’در پنج آدم زان ہمہ بوستان تھی دست رفتن سوئے بوستان‘

قلبِ وطن کی زندگی دشت میں صبح کا سہا
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
حسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردہ وجود
دل کے لیے ہزار شود ایک نگاہ کا زیاں
سرخ و لہو و بدلیاں چھوڑ کیا سحابِ شب
کوہِ اہم کو دے کیا زنگِ بزنکِ طلیساں
کرد سے پاک ہے ہوا، برگِ نخیل و حل گئے
ریاحِ نواح کا طمہ نرم ہے شلِ بریاں
اک بجھی ہوئی اچھڑ ٹوٹی ہوئی طنابِ اوجھ
کیا خبر اس مقام سے کز رہے ہیں کتنے کارواں

۲۳۸
بالِ جبریل
۱۱۲

اتنی صدا ہے جبریل تیرا مہتمم ہے یہی
 اہل سراق کے لیے عیش و دام ہے یہی
 کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مے حیات
 گنہ ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے وار و آ
 کیا نہیں اور غمِ زخمی کا کہ حیات میں
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سوتا
 ذکرِ عرب کے سوز میں فنِ عجم کے ساز میں
 نے عربی مشاہدات، نے عجمی تختِ لائت
 قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
 کرچہ ہے تاب دار ابھی کیسے و جلد و فرا
 عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بُت کدہ تصور ات

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، جبریل بھی ہے عشق
 معرکہ وجود میں بدر و حسین بھی ہے عشق

ایہ کائنات کامنہی ویریاں تو
 نکلے تری ملاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
 خلوت بیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
 خلوت بیان مے لدہ لم طلب و تہی لدو
 میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
 میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو
 باوجود سبکی موج سے نشوونما تے خار و خس
 میرے نفس کی موج سے نشوونما تے آرزو
 خونِ دل جب کہ سے ہے میری نوا کی پرورش
 ہے رگِ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو
 فرصتِ شمشاد مدہ ایں دل بے قرار را
 یک دوشکن زیادہ کن کیسے تابدار را
 لوح بھی تو، تسلیم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
 گنبدِ ابلہ نہ رنگ تیرے محیط میں حباب

۴۴۰

بالِ جبریل

۱۱۶

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
 فترۂ ریک کو دیا تو نے طبعِ آفتاب
 شوکتِ سحر و سلیم تیرے حلال کی نمود
 فقرِ خشنید و بایزید تیرے اجمال بے نقاب
 شوقِ ترا کرنے چو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب
 تیرے نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقلِ غیاب و جستجو، عشقِ حضور و اضطراب
 تیرے و تارے جہاں کرو ششِ آفتاب
 طبعِ زمانہ تازہ کر جب لہو بے حجاب
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے کزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علمِ نخیل بے رطب
 تازہ مرے ضمیر میں سرکہ لہن ہوا
 عشقِ تمام مصطفیٰ عقلِ تمام بولہب

گاہ بچیدلہ می برد، گاہ بزور می کشد
 عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرکبِ آرزو، حجب میں لذتِ طلب
 عینِ وصل میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 کہ چہ بہانہ جو رہی یہ سیر می نکالے ادب
 کہ می آرزو فراق، شورِ شریں ہلے دھونِ فراق
 موج کی جستجو فراق، قطرے کی آبرو فراق!

پروانہ اور جگنو

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جگنو
 پروانہ کیوں آتشیں بے سوز یہ مغرور ہے جگنو
 جگنو

اشد کا سوشک کہ پروانہ نہیں میں درِ یوزہ کہ آتشیں بیگانہ نہیں میں

۴۴۲
 بالِ جبریل
 ۱۸

جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے غمِ جاوید کا سُراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں اُمتوں کے چراغ
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود
ہزار کو نہ منہ روغ و ہزار کو نہ منہ راغ
ہوتی نہ ز راغ میں پیدا بلند پروازی
خواب کر لیتی شاہیں بچے کو صحبتِ ز راغ
جیا نہیں ہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے راغ
ٹھہر سکا نہ کسی حنِ نقاہ میں اقبال
کہ ہے ظریف و عوش اندیشہ و شکفتہ و راغ



کداتی

مے کدے میں ایک دن اک زندہ زیر کدے لہا
ہے ہمارے شہر کا والی کدے بے حیا
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے
کس کی عزت بانی نے بخش ہے اسے زریں قبا
اس کے لب لالہ لوں کی خون بہت سے کشید
تیرے کھیت کی مٹی ہے اس کی لیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چہ بے زمانی ہوتی
وینے والا لون ہے مردِ غریب و بے نوا
ماننے والا کدے صدقہ ماننے یا خراج
کوئی ماننے یا نہ ماننے میر و سلطان سب کدے!

(ماخوذ از انور می)

۴۴۴
بال جبریل
۱۲۰

ملا اور بہشت

نہیں بھی حاضر تھا وہاں ضبط سخن کرنے کا
 حق ہے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
 عرض کی میں نے، الہی! مری تقصیر
 خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لب کشت
 نہیں فرووس مقام بدل و مثال و اقول
 بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی شست
 ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
 اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا، نہ گنشت!

دین و دنیا

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی سماں کہاں اس فقیری میں میری
 خصوصیت تھی سلطانی و راہبی میں کہ وہ سر ملندی ہے یہ سربزیری

سیاست نے مذہب سے سچا چھڑایا چلی کچھ نہ چرچا کلہا کی پسری
 ہوتی دین دولت میں جس دم جدائی ہوس کی اسیری ہوس کی وزیری
 دوئی ملک دوس کے لیے نامرادی دوئی چشم تہذیب کی نابھیری
 یہ محباز ہے ایک صحرا شیر کا بشیری ہے اسینہ دارندیری!

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
 کہ ہوں ایک خستیدی اروشیری

الارض للہ!

پاستا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
 کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
 کون لایا کھینچ کر پچھترسم سے بادِ سازگار
 خال یہ کس کی ہے کس طے ہے یہ نورِ آفتاب؟
 کس نے بھروی موتیوں سے خوشہ کندم کی جیب
 موسموں کو کس نے سکھلاتی ہے نوحے انقلاب؟

۲۲۶

بالِ ہیریل

۱۲۲

وہ حسد آیا! یہ زمین سیرمی نہیں سیرمی نہیں
تیرے آبا کی نہیں سیرمی نہیں سیرمی نہیں

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افرنکی، ترے تالین ہیں ایرانی
لہو مجھ کو زلاتی ہے جانوں کی تن آسانی
امارت کیا، شکوہ خسرو بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زور سیدی تجھ میں نہ استغنائے سلطانی
نہ ڈھونڈ اس پسینہ کو تہذیبِ حاضر کی جستلی میں
کہ پایا میں نے استغنائے میں سراجِ سلطانی

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزلِ آسمانوں میں
نہ جو نوہید، نوہید سدی زوالِ علم و فن ہے
انہی سردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

نہیں تیرا دشمن قصرِ سلطان کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا لہر پہاڑوں کی چٹانوں میں

نصیحت

بچہ شاہیں کے کہتا تھا عقاب سالخورد
اے ترشہ سپر ایساں فوجت چرخ بریں
ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انجھیں
جو کبوتر پر چھپنے میں مزا ہے اسے پھر
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

لالہ صاحب

یہ گنبدِ بیانی، عیاںِ تمنا
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی

بھٹکا ہوا راہی میں بھٹکا ہوا راہی تو
 منزل ہے کہاں تیری اے لاکھ سرائی
 حنالی ہے ظیموں سے یہ لوہ و لمر ورنہ
 توشعدہ سینائی میں شعلہ سینائی
 توشاخ سے کیوں چھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
 اک جذبہ پیدائی ال لذت یکتائی
 نعمت احسن محبت کا اللہ نہ سب ہوا
 چر قطرہ دریا میں دریا کی ہے لہرائی
 اُس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنورلی انگلی
 دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی
 ہے کرمی آدم سے ہر نکاتہ عالم کرم
 سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی
 اے بادبیا بانی! مجھ کو بھی عنایت ہو
 حنا موشی و دل سوزی، سرستی و عنائی!

ساقی نامہ

ہوا خمیر زن کاروان بہار
گل و زرسن و سوسن و بستر
جہاں ٹھپک لیا پردہ رنگ میں
فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
وہ جوئے کھٹاں اچھلتی ہوئی
اچھلتی، پھلتی، سنھلتی ہوئی
رُکے جب تو بسل چیر دیتی ہے یہ
ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام!
پلاوے مجھے وہ مے پردہ سوز
وہ مے جس سے روشن خمیر حیات
وہ مے جس میں ہے سوز و سازِ ازل

ازم بن گیا دامن کو بہار
شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
لہو کی ہے گردشِ رگِ سنگ میں
ٹھہرتے نہیں اشیاں میں طیور
اُٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
بڑے پیچ کھاکر نکلتی ہوئی
پھاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
سُناتی ہے یہ زندگی کا پیام
کہ اتنی نہیں فصلِ گل روزِ روز
وہ مے جس سے ہے مستی کائنات
وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل

۲۵۰

بالِ جبریل

۱۲۶

اٹھا سا قیام پر وہ اس راز سے

لڑا دے ممولے کو شہ راز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے

ہوا اس طرح فاش راز فرنگ

پُرانی سیاست کرمی خوار ہے

کیا دور سرمایہ داری کی ہے

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے

دل طور سینا وں راز و نیم

مسلمان ہے توحید میں کرم جوش

تمدن، تصوف، شریعت، کلام

حقیقت خرافات میں کھولتی

لُجھاتا ہے دل کو کلام خطیب

بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا

وہ صوفی کہ تھا خدست حق میں مرد

نیار ال ہے باز بدلے گئے

کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ

زمین میر و سلطان سے بیزار ہے

تماشا دکھا کر مدار می کی ہے

ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے

تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

مکرول ابھی تک ہے زقار پوش

بُتانِ عجبم کے پنجہ داری تمام

یہ اُمت روایات میں کھولتی

مکر لذت شوق سے بے نصیب

نُفّت کے بکھیروں میں الجھا ہوا

محبت میں سکتا، حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں گھول گیا یہ سالک مقامات میں گھول گیا

بُجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کُنن پھر پلا ساقیا وہی جام گردش میں لا ساقیا!

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا مری حال کج بنو بنا کر اڑا

حسد کو غلامی سے ازاو کر جوانوں کو پیروں کا استواو کر

ہری شاخ ملت ترے نم سے ہے نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے

ترپنے پھر کئے کی تو نسیق دے دل مر تضحیٰ، سوزِ صفتِ یق دے

جلد سے وہی تیر پھر پار کر تمنا کو سینوں میں بیدار کر

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا عشق میری نظر بخش دے

مری ناؤ لے کر واس سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو ستار کر

بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدہ تر کی بے خوابیاں مرے دل کی پوشیدہ بے تلبیاں

۲۵۲

بالِ جبریل

۱۲۸

مرے نالہ نیم شب کانپ از
 اُسنگدیں مری، آرزو تیں مری
 مری فطرت آئینہ روزگار
 مرادول، مری رزم کاہِ حیات
 یہی کچھ ہے ساقی مستاع فقیر
 اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹوے اے

لٹاؤے ٹھکانے لٹاؤے اے!

و مادام رواں ہے یہم زندگی
 اسی سے ہوتی ہے بدن کی نمود
 گراں کرچہ ہے صحبت آب و گل
 یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی
 یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
 یہ عالم، یہ بیت خانہ شش جہات
 پسند اس کو تکرار کی خونہیں
 ہر اک شے سے پیدا رہم زندگی
 کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج و دود
 خوش آتی اسے محنت آب و گل
 عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
 مگر ہر سرسبز بے چلوں بے نظیر
 اسی نے تراشا ہے یہ سومات
 کہ تو میں نہیں، اور میں تو نہیں

من و تو سے ہے انجمن فہرین
 مگر عین نسل میں خلوت نشین
 چمک اس کی بجلی میں تارے ہیں
 یہ چاندی میں سونے میں پلے ہیں
 اسی کے سپاہاں اسی کے بیول
 اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں ٹھول
 کہیں اس کی طاقت کے گہر چور
 کہیں اس کے پھندے ہیں بیل و خور
 کہیں بستر شاہین سیاب بند
 لہو سے چکوروں کے آلودہ چنک
 کہو تر کہیں اشیانے سے دور

پھڑکتا ہوا حبال میں ناصبہ

فریضہ ہے سکون و ثبات
 تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
 ٹھہرتا نہیں کا روانِ وجود
 کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
 سمجھتا ہے ثوراز ہے زندگی
 فقط ذوق پرواز ہے زندگی
 بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
 سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
 سفر زندگی کے لیے رک و سائ
 سفر ہے حقیقت، حضر ہے محبائ
 الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے
 تڑپنے پھڑکنے میں احتاسے
 نوجوا جب اسے سامنا موت کا
 کشن تھا بڑا تھا مناموت کا

۲۵۴
 بالِ جبریل
 ۱۳۰

اتر کر جس ان مکافات میں رہی زندگی موت کی لحاظ میں
 مذاق دوئی سے بنی زوج زوج اٹھی دشت و کھسار سے فوج فوج
 گل اس شاخ سے ٹٹتے بھی ہے اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے
 سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات
 بڑتی سینہ جولان بڑی زو ورس ازل سے ابد تک ہم یک نفس

زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے

دھوں کے الٹ پھیر کا نام ہے

یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے خودی کیا ہے، تلوار کی دھار ہے
 خودی کیا ہے راز و رُونِ حیات خودی کیا ہے، بیداری کائنات
 خودی جلوہ بدست و خلوت پسند سمندر ہے ال بُوند پانی میں بند
 اندھیرے اُجلے میں ہے تابناک سن ٹو میں پیدا، سن ٹو سے پاک
 ازل اس لے پیچھے ابد سمنے نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سمنے
 زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
 تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی دوا دم نکا ہیں بدلتی ہوئی

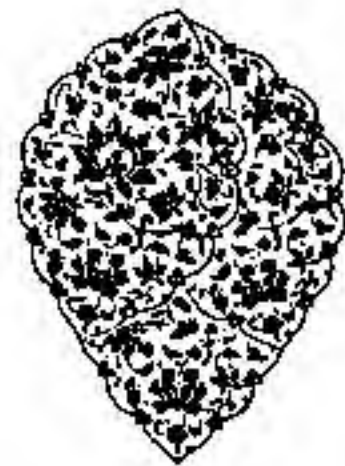
سبک اس کے ہاتھوں میں تنگ کر لے
 پہاڑ اس کی ضربوں سے ریک رول
 سفر اس کا انجام آفت زہ ہے
 یہی اس کی تقویم کا راز ہے
 لکرن چاند میں ہے شرر تنگ میں
 یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
 اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
 نشیب فراز و پس و پیش سے
 ازل سے ہے کشمکش میں اسیر
 ہوئی خاک آدم میں صورت پذیر

خودی کا شہین تیرے دل میں ہے
 فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہباں کو ہے زیر ناب
 وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب
 وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
 رہے جس سے دنیا میں لرون بلند
 فروغِ مالِ محمود سے درگزر
 خودی کو نگہ رکھ، ایاز می نہ کر
 وہی سجدہ ہے لائق اتہام
 کہ جو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
 یہ عالم، یہ منکامہ رنگ و صوت
 یہ عالم، یہ بیت خانہ چشم و کوش
 خودی کی یہ ہے منہ نزلِ اولیں
 یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت
 جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
 مسافر! یہ تیرا شہین نہیں

ترمی آگ اس خال داں سے نہیں
 جہاں تجھ سے تھو جہاں سے نہیں
 بڑھے جا یہ کوہ کراں توڑ کر
 طلسم زمان و مکاں توڑ کر
 خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید
 زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
 جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
 کہ حنائی نہیں ہے جسمیر جو
 ہر اک منتظن تیرے یار کا
 تری شوخی فکرو کردار کا
 یہ ہے مقصد گردش روزگار
 تھو ہے فاتح عالم خوب و زشت
 کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
 تو ہے فلاح عالم خوب و زشت
 حقیقت یہ ہے جامہ حرف تناک
 فروزاں ہے سینے میں شمع نفس
 حقیقت ہے آئینہ، گفتار زندگ
 مکر تاب گفتار کہتی ہے بس

الکریم سر نموے برتر پریم
 منور غنچہ بستی بسوز پریم



زمانہ

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہو کا یہی ہے اک حرفِ محرم
 قریب تر ہے نمود جس کی اُسی کا شتاق ہے نہ
 مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے عواثِ ٹپک رہے ہیں
 میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
 ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدِ اجدادِ رسمِ راہِ میری
 کسی کا رالِب کسی کا مرکب کسی کو عبرت کا تازیانہ
 نہ تھا کہ تو شرابِ محضِ دلِ قصورِ یہ ہے یا کہ تیرا
 مرا طرہیت نہیں کہ رملہ لوں کسی کی خاطر سے شبِ بیا
 میرے حسن و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہنچا سکتی نہیں ہے
 ہدف سے بیکانہ تیرا کس کا نظر نہیں جس کی عارفِ ن

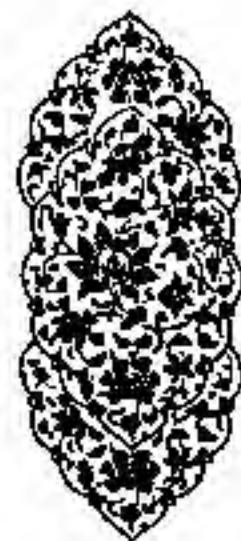
۲۵۸

بالِ جبریل

۱۳۴

شفق نہیں سہری افق پر یہ جُتے جُتے خوں ہے یہ جُتے جُتے خوں ہے
 طلوعِ منہ کا منتظر رہ کہ دوشِ امروز ہے فنا
 وہ گزرتا جس نے غمیں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
 اُسی کی بیتاب بکلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ
 جو آئیں اُن کی فضا میں اُن کی ہمندران لے جہاز اُن کے
 کرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تفتدیر کا بہانہ

جہانِ نو جو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
 جسے منہ نئی نعمتِ دہروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ
 ہوا ہے کوشن و تیز لکین چہرے اپنا جلا رہا ہے
 وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروا



فرشتے ادم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

عطا ہوتی ہے تجھے دُش شب کی بیتابی
خبر نہیں کہ ٹوٹن کی ہے یا کہ سیلابی
سنا ہے خاک سے تیری مود ہے، لیکن
ترمی ہر شست میں ہے کو کبی و متابی
جمال اپنا الرخواب میں بھی تو دیکھے
ہزار ہوش سے خوشتر تری شکر خواہی
کہاں بس ہے ترا لریہ سحر کا ہی
اسی سے ہے تر نخل لہن کی شاہی

ترمی نوا سے ہے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

روح ارضی ادم کا استقبال کرتی ہے

لکھول انکھ زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایام جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو کہ وہیم ورجا دیکھ!

۲۶۰
بالِ جبریل
۱۳۶

ہیں تیری تصرف میں بادل کھٹکتے ہیں
 یہ کہو صحیح راہ میں رہو یہ ہوا میں
 گیس بید فداک یہ خاموش فضا میں
 تھیں شین نظر کل تو فرشتوں کی ادا میں

اسی نہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھو!
 سمجھے کا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
 دیکھیں گے تجھے دُور سے کڑوں کے سارے
 ناپید ترے بحرِ خستیل کے کنارے
 تمہیں گے فلک تک ہی ہوں کھٹکے شراے
 تمہیں خودی کرا اثر آہ رسا دیکھو!

خوشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباو ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 چھتے نہیں نختے ہوتے فردوسِ نظر میں
 جنت تری نہاں ہے تے خونِ جگر میں
 اے پیکرِ گل کوششِ سہیم کی جزا دیکھو!

نالندہ ترے غود کا ہر تارا ازل سے
 تو جنسِ محبت کا سریدا ازل سے
 تو پیرِ غم نہ اسرار ازل سے
 محنت کش و نوحوں یز و لم ازار ازل سے
 ہے راکبِ تبت در جہاں تیری ضا دیکھو!



پیر و مرید

مرید پسندی

چشم بینک سے جاری جوتے نگوں علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں!

پیر رومی

علم را بر تن زنی مارے بود

علم را بر دل زنی یارے بود

مرید پسندی

اے امام عاشقان درویش! یاد ہے مجھ کو ترا حرف بلند

نخک مغز و خشک تار و خشک پوست

از لہجہ مایہ آید این آواز دوست

دور حاضر مست چنگ و بے سُرور بے ثبات و بے یستین و بے حضور

۲۶۲

بالِ مہرِ بیل

۱۳۸

کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا

آہ، یورپ با فروغ و تاب نال
نغمہ اس کو کھینچتا ہے سوتے خال

پیر رومی

برسماع راست ہر کس چیر نیست
طعمہ ہر مرنے کے انجیر نیست

مرید ہندی

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک دو کرب

پیر رومی

دست ہر نا اہل بیمار ت کند
سوتے ماوراکہ تیمار ت کند

مرید ہندی

اے بختیاری کے دل کی نشاد کھول مجھ پر نکستہ حکم جہاد

۲۶۳
بالِ جبریل
۱۳۹

پیر رومی
نقش حق را ہم بہ امر حق شکن
برز جاج دوست گنبد دوست زن

مرید ہندی
ہے نکاح اور اس سحر غیب
خو جنت کے ہوشتر غریب

پیر رومی
ظاہر تہ کرا سپید است و نو
دست جامہ ہم سید کرد و ازو

مرید ہندی
اے مکتب کا جوان کرم خوں
ساحر افرنک کا صید زبوں

پیر رومی
مرغ پر نارسا تہ چوں پراں شود
طعمہ ہر کربہ و تراں شود

۲۶۴
بال جبریل
۱۲۰

مرید ہندی

تاج آویزش دین و وطن جوہر جہاں پر مقدم ہے بدن!

پیر رومی

قلب پہلومی زند بازر بشب

انتظار روز می وارد تو ہے

مرید ہندی

سیر آدم سے مجھے آگاہ کر خاک کے ذرے کو مہر و ماہ کرا

پیر رومی

ظاہر شراپشہ آرزو چرخ

ہنرش آید محیط ہفت چرخ

مرید ہندی

خاک تیرے نور سے روشن بھر غایت آدھم ہے یا نظر؟

پیر رومی

آدمی ویدا است، باقی پوست است
ویدا آن باشد کہ وید دوست است

مرید ہندی

زندہ ہے مشرق تری گفتار سے اُمتیں مرنی ہیں کس آزار سے؟

پیر رومی

ہر ملک اُمت پیشیں کہ بود
زانکہ بر جند لہاں بڑند نمود

مرید ہندی

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو
سرو کیونکر ہو گیا اس کا لہو؟

پیر رومی

تا دل صاحب دے نامد بہ درو
ہیچ قومے را حنہ اُسوانہ کرد

۲۶۶
بالِ حبریل
۱۴۲

مرید ہندی

گرچہ بے رونق ہے بازارِ وجود کون سے سوئے میں ہے مڑوں کا سُود؟

پیر رومی

زیر کی بندوشِ حیرانی بخر
زیر کی ظنِ است و حیرانی نظر

مرید ہندی

ہم نفس میرے سلاطین کے ندیم میں فقیرِ بے گلاہ و بے کلیم!

پیر رومی

بندۂ یک مرد روشن دل شوی
بہ کہ برفرقِ سر شاہاں روی

مرید ہندی

اے شریکِ سستی خاصانِ بد میں نہیں سمجھا حدیثِ جبر و قدرا

پیر رومی

بال بازاں را سوئے سلطان برد
بال ز اغان را بگورستان برد

مرید ہندی

کار و بار خسرو می یا را ہستی کیا ہے آخر غایت دین نہی؟

پیر رومی

مصلحت در دین ما جنک و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰ غار و لوہ

مرید ہندی

کس طرح قابو میں آئے اب وکل کس طرح بیدار ہوئے سینے میں دل؟

پیر رومی

بندہ باش و بر زمیں زو چوں سمند
چوں جنازہ نے کہ بر کردن برند

۲۶۸

بال جبریل

۱۲۲

مرید ہندی

سُتروں اور اک میں آتما نہیں کس طرح آتے قیامت کا یقین؟

پیر رومی

پس قیامت شو قیامت ابس

ویدن ہر چیز را شرط است اس

مرید ہندی

آسمان میں راہ کرتی ہے خودی صید مہر و ماہ کرتی ہے خودی

بے حضور و با فروغ و بے فراغ اپنے پنخیروں کے ہاتھوں داغ و داغ!

پیر رومی

اں کہ از زو صید عشق است و بس

لیکن او کے گنجد اندر و ام کس!

مرید ہندی

تجہ پہ روشن ہے ضمیر کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات؟

پیر رومی

دانه باشی مرغ کانت جہ پند
غنچہ باشی کو د کانت برکت پند
دانه پنہاں کن سراپا دام شو
غنچہ پنہاں کن سیاہ بام شو

مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کرتلاش
طالب دل باش و پیکار باش
جو مراد دل ہے مے سینے میں ہے
میرا جو ہر سے کسی نے نہیں ہے

پیر رومی

تو بھی کوئی مراد دل نہ ہست
دل فرار عرش باشد نے بہ پست
تو دل خود را ولے پند اشتی
جستجوے اہل دل بخت اشتی

۲۷۰
بال جبریل
۱۲۶

مرید ہندی

آسمانوں پر مرا فکری بند
میں زمیں پر خوار و درمند
کار دنیا میں ہا جاتا ہوں میں
ٹھوکریں اس آہ میں کھاتا ہوں میں
کیوں میرے بس کا نہیں کار زمیں
ابہ دنیا ہے کیوں دانتے ہیں؟

پیر رومی

اں کہ برفِ لال رفتارش ہو
بر زمیں رستن چہ دشوارش ہو

مرید ہندی

علم و حکمت کا ملے کیونکر سراغ
کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ؟

پیر رومی

علم و حکمت زاید از نانِ جلال
عشق و وقت آید از نانِ جلال

مرید ہندی

ہے زمانے کا تفت اضنا بھمن اور بے خلوت نہیں سوز سخن!

پیر رومی

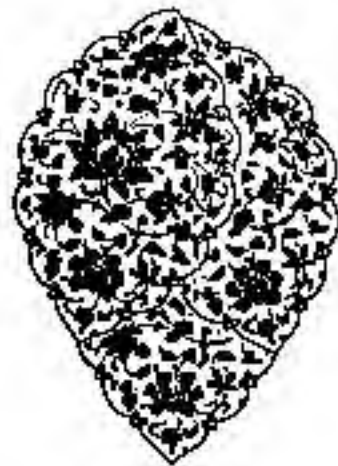
خلوت از غیب ربا نے زیاد
پوستیں بہرے آمد نے بہار

مرید ہندی

ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز اہل دل اس دس میں ہیں تیر و زنا

پیر رومی

کار مرواں روشنی و کرمی است
کار و دوناں حیلہ و بے شرمی است



۲۷۲
بال حبیبیل
۱۲۸

جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدرد و پریشان کیسا ہے چہاں رنگ و بو؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو

جبریل

ہر گھڑی انداک پر رہتی ہے تیری گنفت کو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک و امن ہو فو؟

ابلیس

آہ اے جبریل! تو واقف نہیں اس از سے
کہ کیا سرتست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سب
اب یہاں میری کز ممکن نہیں ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کلخ و کوا

جس کی نو سیدی سے ہو سوز و زون کانت
اُس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھا ہے یا لَا تَقْنَطُوا؟

حبریل

کھو دیے انکار سے تُو نے مقامِ تَبْلند
چشمِ یزواں میں فرشتوں کی رہی کیا ابرو!

ابلیس

ہے مری جُرأت کے مشتِ خال میں ذوقِ نو
میرے فتنے جابرِ عیسیٰ و حسد کا تار و پو
دیکھتا ہے تُو فقط حاصل سے زخمِ شہر و
کون طوفان کے طمانچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟
خضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفانِ یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
کہ کبھی سلوتِ سیتہ رہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو زنجیں کر لیا کس کا لہو!

۲۷۲

بالِ حبریل

۵۰

میں لکھ سکتا ہوں دل نرواں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو!

اذان

اک رات ستاروں سے کہا نجم حسر نے
اوم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مزید، ادا فہم ہے تفتید
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
زہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا؟
اس لکڑیاب شب کو رے کیا چم کو سزاوار
بولا مہ کامل کہ وہ کو کب ہے بزمینی
تم شب کو نمودار ہو، وہ دن کو نمودار
واقف ہو الرلذت بیداری شب کے
اونچی ہے تریسے بھی یہ حال پر اسرار

انگوٹش میں اس کی وہ تختی ہے کہ جس میں
 لکھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و تیار
 ناکاہِ فضیلت بانگِ اذان سے چوتنی لہریں
 وہ نعرہ کہ پل جاتے ہیں جس سے دل کھسار

محبت

شہیدِ محبت نہ کاغذِ نثر غازی محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
 وہ کچھ اور شے ہے محبت نہیں ہے سکھاتی ہے جو غمِ نوری کو ایازی
 یہ جو ہر کارِ نرمانہ میں ہے تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
 نہ محتاجِ سلطانِ نہ مرعوبِ سلطان محبت ہے آزادی و بے نیازی

مہرِ الفت بہتر ہے اکھنڈی سے
 یہ آدمِ لری ہے وہ آئینہ سازی



ستارے کا پیغام

مجھے ڈرانہیں سکتی فضا کی تاریکی مری سرشت میں ہے پاکی و خوشانی
تو اے مسافر شبِ انوار چراغ بن اپنا کہ اپنی رات کو داغ جگر سے نورانی

جاوید کے نام

(لندن میں اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پسلا خط آنے پر)

دیارِ عشق میں اپنا سمتِ ام پیدا کر نیازِ زمانہ سے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر وہ فطرت شناس ہے تجھ کو سکونتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھانہ شیشہ لہراں فرناک کے احساں سفالِ ہند سے یہ سنا و جام پیدا کر
میں شاخِ تال ہوں میری غزل ہے میرا تر مے سے مے لالہ فنام پیدا کر

مرا طریقِ اسی ہے نہ میں فقیر ہی ہے

خودی نہ بیچ عسیری میں نام پیدا کر



فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا، یہ سپہریں ہے کیا!
سمجھا نہیں سلسلِ شام و محسوس کو میں
اپنے وطن میں ہوں کہ عنبرِ الٰہیہ دیار ہوں
ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشتِ دور کو میں
کھلتا نہیں مرے سخنِ زندگی کا راز
لاؤں کہاں سے بندۂ صااحبِ نطنج کو میں
حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے مجھوں
رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کہہ کر میں
”جاتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہِ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہِ بر کو میں“



۴۷۸
بالِ جبریل
۱۵۲

یورپ کے ایک خط

ہم جو کہ محسوس میں ساحل کے خرمیہا اک بھر پُر آشوب و پُر اسرار ہے رومی
تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال جس قافلہ شوق کا سالار ہے رومی
اس عصر کو بھی اُس نے دیا ہے کوئی پیغام
کہتے ہیں چراغ رہا سرار ہے رومی

جواب

کہ گنبد بید خورد و جو ہمچوں خراں آہوانہ درختن چراغواں
ہر کہ گاہ و جو خورد و تیرباں شود ہر کہ نور حق خورد و شرآں شود

نیولین کے مزار پر

راز ہے، راز ہے تفت دیر جہان تک و تاز
جو شر کردار سے کھل جاتے ہیں تفت دیر کے راز

جوش کر دوار سے ششیر سکندر کا طلوع
 کوہ الوند چو جس کی حرارت سے لدا ز
 جوش کر دوار سے تیمور کا سیل ہم گیر
 سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
 صف جنگاہ میں مردانِ حند کی تجسیر
 جوش کر دوار سے بنتی ہے حند کی آواز
 ہے مکر و فرصت کر دوار نفس مایوس
 عوض یک نفس قبر کی شب ٹٹے دراز
 "حاقبت منزل ما وادی خاموشان است
 حالیہ غلغلہ و رگسب افسانہ انداز

مسوینی

ندرت فکر و عمل کیا شے ہے ذوقِ انقلاب
 ندرت فکر و عمل کیا شے ہے ملت کا شباب

نڈرت فکر و عمل سے معجز است زندگی
 نڈرت فکر و عمل سے سنگ خارہ اسل ناب
 رومتہ الکتب سے بولہ کون ہو کیا تیرا ضمیر
 اینکہ می بینم یہ بیدار است یارب یا بہ خواب
 چشم پران لہن میں زندگانی کا فروغ
 نوجوان تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب
 محبت کی حرارت یہ تمنا، یہ نمود
 فصل گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب
 نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا مسمور ہے
 زخمہ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
 فیض کیس کی نظر کا ہے کرامت کس کی ہے؟
 وہ کہ ہے جس کی زندگانی شعلِ شعاعِ آفتاب



سوال

اک مفلس خود داریہ لہتا تھا خدا سے
نہیں کر نہیں سکتا کلمہ درویشی
لیکن یہ بتا تیری اجازت سے فرشتے
کرتے ہیں عظام و فرومایہ کو میری

پنجاب کے درہقان

بتا کب تری زندگی کا ہے از
ہزاروں برس سے ہے تو خال باز
اسی خال میں دب گئی تیری سگ
سحر کی ازاں چو گئی اب تو جاگ !
زمین میں ہے لو خالیوں کی برات
نہیں اس اندھیرے میں آپ حیات
زمانے میں جھوٹا ہے اس کا نگین
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں
بتان شعوب و قبائل کو توڑ
رسوم کنن کے سلاسل کو توڑ
یہی دین محکم، یہی مستحباب
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

سجاک بدن دانہ دل نشاں
کہ ایں دانہ واروز حاصل نشاں

۲۸۲
بالِ جبریل
۱۵۸

نادر شاہ افغان

خضر حق سے چلا لے کے نولوتے لالا

وہ ابر جس سے رک گئی ہے مثل تارِ نفس

بہشت راہ میں دیکھتا تو چوکیا بیتاب

عجب مقام ہے جی چاہتا ہے جاؤں برس

صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے ترا

ہرات و کابل و غزنی کا سبزہ نورس

سرشک دیدہ نادر بہ داغ لالہ فشاں

چناں کہ آتشیں اورا دلفروز نشان!



خوشحال خاں کی وصیت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم کہ جو نام فہمانیوں کا بلند
محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کسند
مغل سے کسی طرح کست نہیں قہستان کا یہ بچہ ارجبند
کہوں تجھ سے اے ہم نشین دل کی بات وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند

اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
مغل شہسواروں کی لڑ بھڑ

ماتاری کا خواب

کہیں سجتا وہ عمتِ مہرین کہیں ترسا بچوں کی چشمِ بے بال!

✽ خوشحال خاں شک پستوزبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد کرانے کے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی۔ قبائل میں صرف فریدیوں نے آغروم تک اُس کا ساتھ دیا۔ اِس کی قریباً ایک سو نٹھوں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن میں شائع ہوا تھا۔

روائے دین و ملت پارہ پارہ
قباۓ ملک و دولت چاک و چاک!
مراایاں تو ہے باقی و بس کن
نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک!
ہو اسے شہ کی موجوں میں محسوس
سمرقند و بخارا کی کھنڈ خاں!

بلکہ اگر دیکھو چپ داندکے بیسنم

بلا انہ شتری و منیر سنم

یہ کایک پل کئی حنا کی سمرقند
اٹھا تیسرے کی تربت سے اک نور
شفق آمیز تھی اس کی سفیدی
صدائے آئی کہ میں ہوں رُوح تیمور
اگر محسوس ہیں مردان تاتار
نہیں اللہ کی تعذیر محصور
تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے
کہ تورانی جو تورانی سے مہجور؟

’خودی راسوز و تابے دیکرے وہ‘

’جہاں را انفتابے دیکرے وہ‘

* یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے، نصیر الدین طوسی نے غالبؔ

’شرح اشارات‘ میں اسے نقل کیا ہے

حال و مقام

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بہت دیدج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگر اور
احوال و مقامات یہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زمان اور مکان اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
علا کی اذان اور، مجاہد کی اذان اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
گر گس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

ابوالعلا معری

کہتے ہیں کبھی کوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ لڑا اوقات

✽ ابوالعلا معری، عربی زبان کا مشہور شاعر

۲۸۶

بالِ جبریل

۱۶۲

اک دوست نے بھونا ہوا تیرے اُسے بھیجا
 شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے چومات
 یہ خوان تروتازہ معرّی نے جو دیکھا
 کہنے لگا وہ صاحبِ غفران * و لزومات *
 اے مرغِ غلبِ سیح پارہ! ذرا یہ توبہ تُو
 تیرا وہ کُنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
 افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تُو
 دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
 تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
 ہے جبرِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاعبات!



* غفران — رسالۃ الغفران، معرّی کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے
 * لزومات — اس کے قصائد کا مجموعہ ہے

سینما

وہی بُت فروشی، وہی بُت کرمی ہے سنیمیلے یا صنعتِ آزری ہے
وہ صنعت نہ تھی، شیوہ کافر می تھا یہ صنعت نہیں شیوہ ساحری ہے
وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کائن کا یہ مذہب حاضر کی سوداگری ہے

وہ دُنیا کی مٹی، یہ دُنخ کی مٹی

وہ بُت خانہ خالی، یہ خاکستری ہے

پنجاب کے پیرزادوں سے

حاضر ہو! میں شیخ مجاہد کی لحد پر

وہ حال کہ ہے زیرِ فلکِ مطلعِ انوار

اس خاک کے دُڑوں سے ہیں شرمندہ ستارے

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

کروں نہ جھکی جس کی جہانگیر کے لے

جس کے نفسِ کرم سے ہے کرمی اصرار

۲۸۸
بالِ جبریل
۱۶۴

وہ ہند میں سرمایہ بخت کا نگہاں
 اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فستہ ہو مجھ کو
 آنکھیں مری سینا ہیں، لیکن نہیں بیدار
 آتی یہ صد اسلہ فقر ہوا بند
 ہیں اہل نطنہ کشور پنجاب سے بیزار
 عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
 پیدا کئے فقر سے چوٹیرہ دستار
 باقی کلمہ فقر سے مھتا ولولہ حق
 طُروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

سیاست

اس کھیل میں تعین مراتب ہے ضروری
 شاطر کی عنایت سے تو فرزند میں پیادہ
 بیچارہ پیادہ تو ہے اک فہرہ جاپیز
 فرزند سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

فقر

اک منقر بکھاتا ہے صر سیا کو پنچیری
 اک منقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں لیری
 اک منقر سے قوموں میں سکینی و دلیری
 اک منقر سے مٹی میں خاصیت اسیری
 اک منقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری
 میراث مسلانی ہر ایہ شبیری!

خودی

خودی نہ دے سیم زر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شر کے عوض
 یہ کہتا ہے منہ دوسری دیدہ و عجم جس کے سرمے سے روشن بھر
 ”ز بہر درم مند و بد خو مباش
 تو باید کہ باشی درم کو مباش“

جُدائی

سُورج بُنت ہے تارِ زر سے دُنیا کے لیے رواسے نوری
عالم ہے خموش و مست گویا ہر شے کو نصیب ہے حضوری
دریا، کُھسار، چاند، تارے کیا جانیں فراق و ماصہوری
شایاں ہے مجھے غمِ جدائی
یہ نال ہے محرمِ جدائی

خانقاہ

رمز و ایسا اس زمانے کے لیے مٹوں نہیں
اور آتما بھی نہیں مجھ کو سخنِ سازی کا فن
”قم باذن اللہ“ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوتے
خانقاہوں میں محب اور رہ گئے یا کورکن!



ابلیس کی عرضداشت

کہتا تھا عزرا زیل خداوند جہاں سے
پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کفنِ خال!
جاں لاغر و تن سربہ و ملبوس بدن زیب
دل نزع کی حالت میں، خرد و نچستہ و چالال!
نپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت
مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پال!
تجھ کو نہیں معلوم کہ حورانِ بہشتی
ویرانی جنت کے تصور سے ہیں غمِ ناک؟
جسمِ نور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب سیری ضرورت تہِ افلاک!



۲۹۲

بالِ جبریل

۱۹۸

لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے ملا یہ مستلح کر اس بسا، اس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے نہ عنیم افلاس

پرواز

کہا درخت نے اک روز مرغ صحرا سے
ستم یہ عنیم کدہ رنگ و بو کی ہے بنیاد
خدا مجھے بھی اگر بال و پر عطا کرتا
شگفتہ اور بھی ہوتا یہ عالم احباب
و یا جواب اُسے خوب مرغ صحرا نے
غضب ہے داد کو سمجھا اُٹھو اسے تو بیدا
جہاں میں لذت پرواز حق نہیں اس کا
وجود جس کا نہیں جذب خال سے آزاد

شیخ مکتبے

شیخ مکتبے ہے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے رُوح انسانی
نکتہ دلپذیر تیرے لیے کہہ گیا ہے حکیم و ستارانی

”پیش خورشید برکش یوا“

خواہی ار صحنِ حنا نہ نورانی“

فلسفی

بند بال تھا، لیکن نہ تھا جور و غمور
حکیم سے محبت سے بے نصیب ہوا
پھر افضاؤں میں گر لکس اگرچہ شاہین وار
شکارِ زندہ کی لذت سے بے نصیب ہوا



۴۹۴

بالِ جبریل

۱۴۰

شاہیں

کیا میں نے اُس خالِ داس سے کنارا
 بیاباں کی خلوتِ خوش آتی ہے مجھ کو
 نہ باؤبِ ساری نہ کچھیں نہ بیل
 خیابانیوں سے ہے پر پیرِ لازم
 ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
 حمام و کبوتر کا ٹھوکہ نہیں میں
 جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
 یہ پورب یہ پچھیم جلوں کی دنیا
 جہاں رُزق کا نام ہے آب و نہ
 ازل سے ہے فطرت مری اہربان
 نہ بیاری نہ غم نہ عاشقتان
 ادائیں ہیں ان کی بہت دسبر
 جواں مرو کی ضربتِ عن زیا
 کہ ہے زندگی باز کی زاہدان
 لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہان
 مرا نیگلوں آسمان بیکرا

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
 کہ شاہیں بناتا نہیں اشیانہ



باغی مُرید

ہم کو تو میسٹر نہیں مٹی کا دیا بھی
لکھریہ کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو، دیہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
مانند بُتوں چبھتے ہیں عصبے کے برہمن
نذرانہ نہیں، سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرفۂ سالو س کے اندر ہے مہاجن
سیرایش میں آتی ہے انھیں سند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!

ہارون لی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقتِ رحیل اپنے پسر سے
جاتے کا کبھی تُو بھی اسی راہ لزر سے

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

ماہر نفسیات سے

جُرأت ہے تو افکار کی دنیا سے لزر جا
ہیں محسوسِ خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزمِ خاموش کے اسرار
جب تک تُو اسے ضربِ ظہمی سے نہ چیرے

یورپ

تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سُود خوا
جن کی رُوباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ
خود بخود کرنے کو ہے پلے ہوئے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ!

(ماخوذ از نطشہ)

آزادی افکار

جو دُورنی فطرت سے نہیں لائق پرواز
اُس مُرغاب بیچارہ کا انجم ہے افتاد
ہر سینہ نشین نہیں جبریل امیں کا
ہر شک نہیں طائر فردوس کا صیاد
اُس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے اندر اوجھوں ہر شک آزاد
گوئی کہ خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادی انکار ہے ابیس کی ایجاد

شیر اور خچر

شیر
ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو سب سے الگ
کون ہیں تیرے اب و جد کس قبیلے سے تُو؟

۲۹۸
بالِ جبریل
۱۴۲

خچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ سب رفتار، شاید ہی اس صطبل کی ابرو!

(ماخوذ از جرمن)

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

میں پائیسال و خوار و پریشان درو مند
تیرا مست کم کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں
میں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

قطعہ

فطرت مری مانندِ سیمِ سحری ہے
 رفتار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
 پہناتا ہوں اس کی قبلا لالہ و گل کو
 کرتا ہوں سحرِ سار کو سوزن کی طرح تیز

قطعہ

گل اپنے مُردیوں سے کہا پیرِ مغان نے
 قیمت میں یہ معنی ہے ہر نام سے چند
 زہرِ اس ہے اس قوم کے حق میں مے افروغ
 جس قوم کے بچے نہیں خود دار و بے سند



۵۰۰
 بالِ جبریل
 ۱۴۶

ضربِ کلیم

یعنی

اعلانِ جنگ، دورِ حاضر کے خلاف

اقبال

ضرر کلیم

افکار نمازہ

اعظم خدیج زمانہ ہر کے ہون
(بجانب)

۵۰۲
ضرر کلیم

۲



نہیں متام کی خوگر طبیعت آزاد
ہواے سیرشال نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر



[illegible]

عنوانی

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

بدان غلبه و قدرت کاری لازم

نظر خود را بر آن دو خط می کشد و می گوید

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله الذي هدانا لهذا
الذي كنا لنهتدي لہ
ما كنا لنهتدي لہ
ما كنا لنهتدي لہ

۵۰۴
ضرب کاغذ

4

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

* اعلیٰ حضرت نواب سر حمید اللہ خاں
فرماں روا تے بھوپال کی خدمت میں

۵۲۱/۲۱

* ناظرین سے

۵۲۲/۲۲

* تمہید

۵۲۳/۲۳

اسلام اور سلمان

۵۲۵/۲۵

۱ صبح

۵۲۶/۲۶

۲ لا الہ الا اللہ

۵۲۷/۲۷

۳ تن بہ تفسیر

۵۲۸/۲۸

۵۰۵
ضرب کلیمہ
۵

۵۲۹/۲۹	۴	معراج
۵۳۰/۳۰	۵	ایک فلسفہ زدہ سید زاوے کے نام
۵۳۱/۳۱	۶	زمین و آسمان
۵۳۲/۳۲	۷	مسلمان کا زوال
۵۳۲/۳۲	۸	علم و عشق
۵۳۲/۳۲	۹	اجتناب
۵۳۲/۳۲	۱۰	شکر و شکایت
۵۳۵/۳۵	۱۱	ذکر و نکر
۵۳۶/۳۶	۱۲	ملائے حسم
۵۳۶/۳۶	۱۳	تقدیر
۵۳۷/۳۷	۱۴	توحید
۵۳۸/۳۸	۱۵	علم اور دین
۵۳۸/۳۸	۱۶	ہندی مسلمان
۵۳۹/۳۹	۱۷	ازاد می شمشیر کے اعلان پر

۵۰۶
ضرب کلیم
۶

۵۴۰/۴۰	۱۸	جہاد
۵۴۱/۴۱	۱۹	قوت اور دین
۵۴۲/۴۲	۲۰	فقت و ملکیت
۵۴۳/۴۳	۲۱	اسلام
۵۴۳/۴۳	۲۲	حیاتِ ابدی
۵۴۴/۴۴	۲۳	سلطانی
۵۴۵/۴۵	۲۴	صوفی سے
۵۴۶/۴۶	۲۵	افرناس زدہ
۵۴۷/۴۷	۲۶	تصوف
۵۴۸/۴۸	۲۷	ہندی اسلام
۵۴۹/۴۹	۲۸	غزل (دل مُردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دو بارہ)
۵۵۰/۵۰	۲۹	ذبیح
۵۵۰/۵۰	۳۰	نہار
۵۵۱/۵۱	۳۱	وخی

۵۵۱/۵۱	شکت	۳۲
۵۵۲/۵۲	عمتیل و دل	۳۳
۵۵۲/۵۲	مستی لکروار	۳۴
۵۵۳/۵۳	قبر	۳۵
۵۵۴/۵۴	فتلندر کی چپان	۳۶
۵۵۵/۵۵	فلسفہ	۳۷
۵۵۶/۵۶	مردان حُدا	۳۸
۵۵۶/۵۶	کافرو مومن	۳۹
۵۵۷/۵۷	مہدی برحق	۴۰
۵۵۸/۵۸	مومن	۴۱
۵۵۹/۵۹	محمد علی باب	۴۲
۵۵۹/۵۹	تقدیر	۴۳
۵۶۱/۶۱	اے روحِ محضی اللہ علیہ السلام	۴۴
۵۶۱/۶۱	مذہبیت اسلام	۴۵

۵۰۸
ضربِ کلیم
۸

۵۶۲/۴۲	۴۶ امامت
۵۶۳/۴۳	۴۷ فتنہ و راجہی
۵۶۴/۴۴	۴۸ غزل (تیری متاع حیات علم بہت کفر نور)
۵۶۵/۴۵	۴۹ تسلیم و رضا
۵۶۶/۴۶	۵۰ جنگ تہ توحید
۵۶۷/۴۷	۵۱ اسلام اور آزادی
۵۶۸/۴۸	۵۲ جان و تن
۵۶۸/۴۸	۵۳ لاہور و لکراچی
۵۶۹/۴۹	۵۴ نبوت
۵۷۰/۵۰	۵۵ اوم
۵۷۰/۵۰	۵۶ مکہ اور جنیوا
۵۷۱/۵۱	۵۷ اے پیرِ حرم
۵۷۲/۵۲	۵۸ مہدی
۵۷۳/۵۳	۵۹ مروجہ سماں

۵۷۲/۷۲	۶۰	پنجابی سلمان
۵۷۵/۷۵	۶۱	آزادی
۵۷۵/۷۵	۶۲	اشاعت اسلام فرستان میں
۵۷۶/۷۶	۶۳	لا و الا
۵۷۷/۷۷	۶۴	امراتے عرب سے
۵۷۷/۷۷	۶۵	احکام الہی
۵۷۸/۷۸	۶۶	موت
۵۷۹/۷۹	۶۷	مشم باذن اللہ

تعلیم و تربیت

۵۸۱/۸۱	۱	مقصود
۵۸۲/۸۲	۲	زمانہ حاضر کا انسان
۵۸۳/۸۳	۳	اقوام شرق
۵۸۴/۸۴	۴	آگاہی

۵۱۰
ضرب کلیم
۱۰

۵۸۲/۸۲	۵	مصلحتیں مشرق
۵۸۵/۸۵	۶	مغربی تہذیب
۵۸۵/۸۵	۷	اسرارِ پیرا
۵۸۶/۸۶	۸	سلطان ٹیپو کی وصیت
۵۸۷/۸۷	۹	غزل (نہ میں ابھی نہ ہندی، نہ عراقی و حجازی)
۵۸۸/۸۸	۱۰	بیسداری
۵۸۸/۸۸	۱۱	خودی کی تربیت
۵۸۹/۸۹	۱۲	آزادی و فکر
۵۸۹/۸۹	۱۳	خودی کی زندگی
۵۹۰/۹۰	۱۴	حکومت
۵۹۱/۹۱	۱۵	ہندی مکتب
۵۹۲/۹۲	۱۶	تربیت
۵۹۳/۹۳	۱۷	خوب و زشت
۵۹۳/۹۳	۱۸	مرتب خودی

۵۹۴/۹۴ ۱۹ مہمان عزیز

۵۹۴/۹۴ ۲۰ عصر حاضر

۵۹۵/۹۵ ۲۱ طالب علم

۵۹۵/۹۵ ۲۲ آتھان

۵۹۶/۹۶ ۲۳ مدز

۵۹۷/۹۷ ۲۴ حکیم نطشہ

۵۹۷/۹۷ ۲۵ اساتذہ

۵۹۸/۹۸ ۲۶ غزل (بے گامنزل مقصود کا اُسی کو سراغ)

۵۹۹/۹۹ ۲۷ دین و تسلیم

۶۰۰/۱۰۰ ۲۸ جاوید سے

عورت

۶۰۳/۱۰۳ ۱ مرد و فرنگ

۶۰۴/۱۰۴ ۲ ایک سوال

۶۰۴/۱۰۴

۶۰۴/۱۰۴

۵۱۲
ضرب کلیم
۱۲

۴	۳	پرودہ
۴	۲	حسوت
۵		عورت
۶		ازادی نسواں
۷		عورت کی حفاظت
۸		عورت اور تعلیم
۹		عورت

		ادبیات، فنون لطیفہ
۱	۱	دین و ہنر
۲	۲	تخلیق
۳	۳	جُسنوں
۴	۴	اپنے شمرے
۵	۵	پیرس کی مسجد

۶۰۵/۱۰۵

۶۰۵/۱۰۵

۶۰۶/۱۰۶

۶۰۷/۱۰۷

۶۰۷/۱۰۷

۶۰۸/۱۰۸

۶۰۹/۱۰۹

۶۱۱/۱۱۱

۶۱۲/۱۱۲

۶۱۳/۱۱۳

۶۱۴/۱۱۴

۶۱۴/۱۱۴

۶۱۵/۱۱۵

۵۱۳
ضرب کاہم
۱۳

۶۱۵/۱۱۵	۶ ادبیات
۶۱۶/۱۱۶	۷ نگاہ
۶۱۷/۱۱۷	۸ مسجدِ ثبوت الاسلام
۶۱۸/۱۱۸	۹ تیاتر
۶۱۹/۱۱۹	۱۰ شعاعِ اُمید
۶۲۰/۱۲۰	۱۱ اُمید
۶۲۱/۱۲۱	۱۲ نگاہِ شوق
۶۲۲/۱۲۲	۱۳ اہلِ شہرے
۶۲۳/۱۲۳	۱۴ غزل (دریا میں موتی، اے موج بے باک!)
۶۲۴/۱۲۴	۱۵ وجود
۶۲۵/۱۲۵	۱۶ سرود
۶۲۶/۱۲۶	۱۷ نسیم و شبنم
۶۲۷/۱۲۷	۱۸ اہرامِ مصر
۶۲۸/۱۲۸	۱۹ مخلوقاتِ شہر
۶۲۹/۱۲۹	

۵۱۲
ضربِ کلیم
۱۲

۴۳۰/۱۳۰	۲۰	اقبال
۴۳۰/۱۳۰	۲۱	فنون لطیفه
۴۳۱/۱۳۱	۲۲	صبح حسن
۴۳۲/۱۳۲	۲۳	حناقانی
۴۳۳/۱۳۳	۲۴	رومی
۴۳۳/۱۳۳	۲۵	جدت
۴۳۴/۱۳۴	۲۶	مرزا بیدل
۴۳۵/۱۳۵	۲۷	جلال و جمال
۴۳۵/۱۳۵	۲۸	مصور
۴۳۶/۱۳۶	۲۹	سرو و حلال
۴۳۷/۱۳۷	۳۰	سرو و حرام
۴۳۸/۱۳۸	۳۱	فواره
۴۳۸/۱۳۸	۳۲	شاعر
۴۳۹/۱۳۹	۳۳	شعر عجب

۴۴۰/۱۴۰	۳۴	نہر سرور ان چند
۴۴۱/۱۴۱	۳۵	مرد بزرگ
۴۴۲/۱۴۲	۳۶	عالم نو
۴۴۲/۱۴۲	۳۷	ایجاب و معانی
۴۴۳/۱۴۳	۳۸	موسیقی
۴۴۳/۱۴۳	۳۹	ذوق نظم
۴۴۴/۱۴۴	۴۰	شعر
۴۴۴/۱۴۴	۴۱	رقص و موسیقی
۴۴۵/۱۴۵	۴۲	ضبط
۴۴۵/۱۴۵	۴۳	رقص

سیاسیات مشرق و مغرب

۴۴۸/۱۴۸	۱	اشترالیت
۴۴۹/۱۴۹	۲	کارل مارکس کی آواز

۵۱۶
ضرب کلیم
۱۶

۶۴۹/۱۴۹	۳	انتخاب
۶۵۰/۱۵۰	۴	خوشامد
۶۵۰/۱۵۰	۵	مناصب
۶۵۱/۱۵۱	۶	یورپ اور یہود
۶۵۲/۱۵۲	۷	نفسیاتِ اسلامی
۶۵۳/۱۵۳	۸	بلشویک روس
۶۵۳/۱۵۳	۹	آج اور کل
۶۵۴/۱۵۴	۱۰	شرق
۶۵۴/۱۵۴	۱۱	سیاستِ افغان
۶۵۵/۱۵۵	۱۲	خواجہ بکلی
۶۵۵/۱۵۵	۱۳	عسلاہوں کے لیے
۶۵۶/۱۵۶	۱۴	اہل مصر
۶۵۷/۱۵۷	۱۵	ابی سینیا
۶۵۸/۱۵۸	۱۶	ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

۶۵۹/۱۵۹	۱۷	جمعیت اقوام شرق
۶۶۰/۱۶۰	۱۸	سلطانی جاوید
۶۶۰/۱۶۰	۱۹	جمهوریت
۶۶۱/۱۶۱	۲۰	یورپ اور سوریہ
۶۶۱/۱۶۱	۲۱	سولینی
۶۶۳/۱۶۳	۲۲	کد
۶۶۳/۱۶۳	۲۳	انتداب
۶۶۴/۱۶۴	۲۴	لادین سیاست
۶۶۵/۱۶۵	۲۵	وام تہذیب
۶۶۶/۱۶۶	۲۶	نصیحت
۶۶۷/۱۶۷	۲۷	ایک نحری قزاق اور کندر
۶۶۸/۱۶۸	۲۸	جمعیت اقوام
۶۶۸/۱۶۸	۲۹	شام و فلسطین
۶۶۹/۱۶۹	۳۰	سیاسی پیشوا

۵۱۸
ضرب کلیم
۱۸

۶۶۹/۱۶۹	۳۱	نفسیاتِ غلامی
۶۷۰/۱۷۰	۳۲	عسلا موں کی نسا
۶۷۱/۱۷۱	۳۳	فلسطینی عرب سے
۶۷۲/۱۷۲	۳۴	شرق و مغرب
۶۷۲/۱۷۲	۳۵	نفسیاتِ عالمی

محراب گل افغان کے افکار

۶۷۳/۱۷۳	۱	میر کے نساں! تجھے چھوڑ کے جاؤں کساں
۶۷۴/۱۷۴	۲	حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
۶۷۵/۱۷۵	۳	تری دوعا سے قضیہ اتو بدل نہیں سکتی
۶۷۶/۱۷۶	۴	کیا چرخِ کج رو، کیا مسر کیا ماہ
۶۷۸/۱۷۸	۵	یہ بدر سے پھیل، یہ غوغا سے روارو
۶۷۹/۱۷۹	۶	جو عالم ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
۶۸۰/۱۸۰	۷	رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندستان

- ۸ زانغ کہست ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر ۶۸۱/۱۸۱
- ۹ عشق طینت میں سر و مایہ نہیں شل ہوس ۶۸۲/۱۸۲
- ۱۰ وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا ۶۸۳/۱۸۳
- ۱۱ جس کے پر تو سے منور رہی تیری شب ووش ۶۸۴/۱۸۴
- ۱۲ لا دینی و لاسینی، کس پیچ میں الجھاٹو! ۶۸۴/۱۸۴
- ۱۳ مجھ کو تو یہ دنیسا نظر آتی ہے دلوں ۶۸۵/۱۸۵
- ۱۴ بے جبر آتشِ زندانہ عرش ہے بڑا ہی ۶۸۶/۱۸۶
- ۱۵ ادم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہ ۶۸۷/۱۸۷
- ۱۶ قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی ۶۸۷/۱۸۷
- ۱۷ آل اس کی پھونک دیتی ہے برنا و پیر کو ۶۸۸/۱۸۸
- ۱۸ یکتہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے ۶۸۹/۱۸۹
- ۱۹ نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانے ۶۹۰/۱۹۰
- ۲۰ فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نجبانی ۶۹۱/۱۹۱



۵۲۰
ضربِ کلیم
۲۰

علی حضرت نور اسماء رحمہ اللہ خاف منہ ما نروا منہ مجھو مال
کی خدمت میں

زمانہ با اُمم ایشیا چہ کر دو گن

کسے نہ بود کہ اس دستان فرو خواند

تو صاحب نظری آنچه در سیرین است

دل تو بسند و اندیشہ تو می داند

بگمراہی ہمہ ساریہ سار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

ناظرین سے

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہنسنے
تیرا رُج جان ہونے کے کا حریف نہ
یہ زور دست و ضربتِ کاری کل ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کرنا ہے چنگ
خونِ دل و جگر سے ہے ملنے یہ حیات
فطرتِ لہو ترنگ ہے عینِ فلان نہ جل ترنگ



تہیہ



نہ دیر میں نہ سرم میں خودی کی بیداری
کہ خاوراں میں ہے قوموں کی رُوح تریا کی
اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنکامے
بُرمی ہے سستی اندیشہ ہائے افلا کی
ترمی نجات عنہم مرگ سے نہیں ممکن
کہ تو خودی کو سمجھتا ہے پیکر خالی
زمانہ اپنے حواشی چھپا نہیں سکتا
ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپالی

عطا ہوا حسن و خاشاک ایسا مجھ کو
کہ میرے شعلے میں ہے سرکشی و بے باکی



ترکنت یہ ہے قہرِ اقبالِ محسوس آرائی
اگرچہ تُو ہے مثالِ زمانہ کم پیوند
جو لوگتِ ناز کے ٹوکر تھے اُن عینِ یوں کو
ترمی نوا نے دیا ذوقِ بندہ بہارتِ بلند
تڑپ رہے ہیں فضا ہاتھ نرسکوں کے لیے
وہ پر شکستہ کہ صحنِ سر میں تھے خورسند
ترمی نوا ہے نوا ہے سحر سے محرومی
مقامِ شوق و سرور و نطن سے محرومی

۵۲۲

ضربِ کلیم

۲۲

اسلام اور مسلمان

۵۲۵

ضرب کا لیم

۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صُبح

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی ازاں سے پیدا

* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۲۶
ضربِ کلیم
۲۶

لا الہ الا اللہ

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہِ سیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
کیا ہے تُو نے متاعِ سرور کا سودا
فریبِ سود و زیاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بُتانِ وہم و گسار لا الہ الا اللہ
خرد ہوتی ہے زمان و مکاں کی زنجاری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

یہ سہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پاسبند
 بہار ہو کہ خیزاں، لا الہ الا اللہ
 اگرچہ بُت ہیں جماعت کی استینوں میں
 مجھے ہے حکمِ اذان، لا الہ الا اللہ

تن بہ تقدیر

اسی قراں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تسلیم
 جس نے مومن کو بنایا مسدودِ پروں کا ہیبر
 'تن بہ تقدیر' ہے آج اُن کے عمل کا انداز
 تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
 تھا جو ناخوب، بدیج و ہی خوب، ہوا
 کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا مہر



معراج

وے ولولہ شوق جسے لذت پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرہ مرہوس کو تاراج
مشکل نہیں یارانِ چمن بہرِ کرباز
پر سوز اگر چہ نفسِ سیمینہ درج
ناوک ہے سلمانِ عرفا اس کا شہرتیا
ہے سرِ سراپردہ جانِ نکستہ معراج
تو معنی و النخبہ نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا ند و جزرا بھی چاند کا محتاج



ایک فلسفہ زدہ سید افسانہ کے نام

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
 ہنگام کا صدف گہر سے خالی
 محکم کیسے ہو زندگانی
 آدم کو ثبات کی طلب ہے
 دنیا کی عشا جو بس اشراق
 میں اصل کا خاص و مناساتی
 تو سید ہاشمی کی اولاد
 ہے فلسفہ میرے آب و گل میں
 اقبال اگر چہ بے ہنر ہے
 شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز
 انجام حسرت ہے بے حضوری
 افکار کے نغمہ ہائے بے صوت
 زنجاری گرہاں نہ ہوتا
 ہے اس کا طلسم سب خیالی
 کس طرح خودی ہو لازمانی
 دستور حیات کی طلب ہے
 مومن کی ازاں ہدائے آفاق
 اب امرے لاتی و سناتی
 میری کف خال برہمنز
 پوشیدہ ہے ریشہ ٹائے دل میں
 اس کی رل رل سے باخبر ہے
 سن مجھ سے نیچتہ دل افز
 ہے فلسفہ زندگی سے فوری
 ہیں فوق عمل کے واسطے موت

دیں مسلکِ زندگی کی تقویم دینِ سرِ محمدؐ و براءِ سیم
دل و رخنِ مستدی بند اے پورِ عشقِ زبوعلی چند!

چوں دیدۂ راہ ہیں نداری
قایدِ تشری بہ از بخاری

زمین و آسمان

ممکن ہے کہ تُو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسمِ بہارِ خزاں کا
ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ و لڑکوں
اے سالکِ رہاں نہ کر سود و زیاں کا
شاید کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی
تُو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا!

* فارسی اشعارِ حکیمِ خاٹانی کی 'شحفۃ العراقین' سے ہیں

مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے پیتر، تو نگری سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جنور غنیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آتش کار ہوا
قلندری سے ہوا ہے، تو نگری سے نہیں

علم و عشق

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین وطن

۵۳۲

ضرب کلیم

۳۲

بندہ نخمین وطن! اکرم کتابی نہ بن
 عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب!
 عشق کی کرمی سے ہے سرکہ کائنات
 علم مستام صفات، عشق تماشاے فوات
 عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات
 علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پر پہاں جواب!
 عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
 عشق کے ادنیٰ عن سلام صاحب تماج و نجیں
 عشق مکان و مکین، عشق زمان و زمیں
 عشق سراپا یقین، اور یقین مستحجاب!
 شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
 شور شر طوفاں حلال، لذت ساحل حرام
 عشق پہ بلی حلال، عشق پہ حاصل حرام
 علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے اُم الکتاب!

اجتہاد

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذت کروار، نہ افکار عسقیق
حلقہ شوق میں وہ جرات اندیشہ کہاں
اے محکموی تفتلید و زوال تحقیق!
خود بدلتے نہیں قراں کو بدل دیتے ہیں
چوئے کس درجہ فقہیان حرم بے توفیق!
ان علاموں کا یہ سلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ کھاتی نہیں ہوسن کو غلامی کے طریق!

شکر و شکایت

میں بندہ نادان ہوں مگر شکر ہے تیرا
رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند

۵۳۲

ضرب کلیم

۳۲

اک دولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو
 لاہور سے تا خائب بخارا و سمرقند
 تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزاں میں
 مرغانِ حسنِ خواں مری صحبت میں ہیں خورسند
 لیکن مجھے پیدا کیا اُس دس میں تُو نے
 جس دس کے بندے ہیں غلامی پر ضامنڈا

ذکر و فکر

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
 وہ جس کی شان میں آیا ہے عظم الاسماء
 مقام ذکر، کمالاتِ رومی و عطار
 مقام فکر، مقالاتِ بوعلی سینا
 مقام فکر ہے پیانشن زمان و مکان
 مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

ملائے حرم

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نلکہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی حلال ہے، نہ جمال
تری اذناں میں نہیں ہے مری خسرو کا پیام

تقدیر

نا اہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت
ہے خوار زمانے میں کبھی جو ہر ذاتی
شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں
تقدیر نہیں تابع منطق منطق راتی
ہاں ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو
تاریخ اُمم جس کو نہیں ہم بے چھپاتی

۵۳۶

ضربِ کلیم

۳۶

’ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
’بڑاں صفت تیغ دوپیکر نظر اس کی !

توحید

زندہ ثبوت تھی جہاں میں ہی توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط اک ستلہ علم کلام
روشن اس ضلوع سے الرطمت کروار نہ ہو
خو مسلمان سے ہے پوشیدہ مسلمان کا مقام
’میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دہی ہے
’قل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
’آہ! اس از سے اقف ہے نہ ’ملا، نفقت یہ
’وحدت افکار کی بے وحدت کڑا ہے خام
’قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
’اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دور کھتے امام !

علم اور دین

وہ علم اپنے بُتوں کا ہے آپ ابراہیم
کیا ہے جس کو خدا نے دل نطق کا ندیم
زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نطق سری قصہ جدید و قدیم
چمن میں تربیت غنچہ ہونہیں سکتی
نہیں ہے قطرۂ شبِ نیم اگر شرابِ نسیم
وہ علم کم بصر سری جس میں ہمکنار نہیں
تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم !

چند میسلماں

غدارِ وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو کدھر

پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت
کہتی ہے کہ یہ مومن پارسہ ہے کافر
آوازہ حق اٹھاتا ہے کب اور کدھر سے
مسکین و لکم ماندہ وریں شکمش اندر

ازادی شمشیر کے اعلان پر

سوچا بھی ہے اسے مرد مسلمان کبھی تو نے
کیا چپ نہ ہے فولاد کی شمشیر حکم دار
اُس بیت کا یہ مصرعِ اقل ہے کہ جس میں
پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
ہے فکرمجھے مصرعِ ثانی کی زیادہ
اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا حن اللہ جان باز ہے یا حیث در گزار

جہاد

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ مسلم کہے
دُنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں؟
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود بے اثر
تبع و تفنک دست مسلمان میں ہے کہاں
ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لڑتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اُسے کہ مسلمان کی موت مر
تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی
دُنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر
باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوشن تا کر

۵۲۰

ضربِ کلیم

۲۰

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر!

قوت اور دین

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سوار ہوتی حضرت انساں کی قبا چاک
تاریخ اٹم کا یہ پیام اذلی ہے
صاحب نظر! بیشہ قوت ہے خطرناک
اس سیل سب سیر و زیں کیسے کے اس کے
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک
لا دیں ہو تو ہے زہر ہلا ہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

فقر و ملوکیت

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلب سلیم
اس کی بڑھتی ہوتی بے بالی و بے تابلی سے
مازہ ہر عہد میں ہے قصہ فرعون و کلیم
اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے غریب
لکھاتی زوہر منہ نلی کو ہوائے زور و سیم
عشق و ہستی نے کیا ضبط نفس مجھ پر حرام
کہ کرہ غنچے کی کھلتی نہیں بے موج نسیم



اسلام

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی
زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور
یہی چرچہ پینہ کی تقویم، یہی اصل نمود
گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور
لفظِ اسلام سے یورپ کو البرکہ ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے 'فست' غیور!

حیاتِ ابدی

زندگانی ہے صدفِ قطرۂ نسیاں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو لہر کر نہ سکے
ہو اگر خودِ بیکر و خودِ کر و خودِ کسیرِ خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تُو موت سے بھی مر نہ سکے

سُلطانی

کئے خیر کہ ہزاروں معتمد رکھتا ہے
وہ فخر جس میں ہے بے پردہ روح قرانی
خود کی کو جب نبطِ سرآتی ہے قاہری اپنی
یہی معتمد ہے کہتے ہیں جس کو سُلطانی
یہی معتمد ہے مومن کی قوتوں کا عیا
اسی معتمد سے آدم ہے ظلِ سبحانی
یہ جب روقم نہیں ہے یہ عشقِ دوستی ہے
کہ جب روقم سے ممکن نہیں جہاں بانی
لیا لیا ہے عسلا می میں بستلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہونہ سکی فخر کی نگہبانی

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اسر مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۴۲

ضربِ کلیم

۴۲

مِثَالِ ماہِ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود
 سرِ یدلی ہے سرنگی نے وہ سلما نی
 ہوا حریفِ مر و آفتاب تو جس سے
 رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

صوفی سے

تری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
 مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
 تختِ بلاست کی دنیا غریب ہے لیکن
 غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا
 عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تری
 بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا



آفرینانِ زودہ



ترا وجود سراپا تجہ بنی انسانک
کہ تُو وہاں کے عمارت کروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خالی خودی سے ہے حنائی
فقط نسیام ہے تُو، زرنکار و بے شمشیر!



ترمی نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
وجود کیا ہے، فقط جوہر خودی کی نمود
کہ اپنی فنکار کہ جوہر ہے بے نمود ترا

۵۲۶

ضربِ کلیم

۲۶

تصوف *

یہ حکمت ملکوتی، عیرِ علم لائوتی
 حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
 تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ عتسل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
 شرابِ شورشِ پناہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
 خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
 دل و نگاہِ سداں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
 فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

* ریاض منزل (دولت کدہ سرس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

چندی اسلام

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو
اتنی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداؤ
اے مرد خدا! تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی عمار میں اللہ کو گریاؤ
مسکینی و محکومی و نویسی دی جاؤ
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کہ ایجاد
ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد



۵۲۸
ضرب کلیم
۲۸

غزل

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دو بارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کُنن کا چارہ
ترا بھر پر سکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟
نہ نہنگ ہے نہ طوفان، نہ خرابی کنارہ!
تو ضمیرِ آسمان سے ابھی آشنا نہیں ہے
نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزدہ ستارہ
ترے نیستیاں میں ڈالا مرے نعمتِ سحر نے
مری خال پے پیر میں جو نہاں تھا اک شرارہ
نظر آئے گا اسی کو یہ جہانِ دوش و فردا
جسے آگئی میسر مری شوخیِ نطنزارہ



دُنیا

مجھ کو بھی نظر آتی ہے یہ بُوقلمونی
وہ چاند، یہ تارا ہے، وہ پتھر، یہ نکلیں ہے
دیتی ہے مری چشم بصیرت بھی یہ فتویٰ
وہ کوہ، یہ دریا ہے، وہ لہروں، یہ زمیں ہے
حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے!

نماز

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
الرجہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ ہے جسے تو کراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

وَحیٰ

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو وطن و تہذیب تو زبوں کار حیات
فکر بے نور ترا، جذبِ عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تاری حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو کردہ واکینہ
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات!

شکست

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ است

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

فقیر شہر بھی رہا نیست یہ ہے مجبور
کہ معرکے ہیں شریعت کے جناب دست بدست
کریم کشمکش زندگی سے، مردوں کی
الرشکت نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست!

عقل و دل

ہر خالی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
باہر نہیں کچھ عقل حسد او کی زور سے
عالم ہے عین سلام اس کے بدل ازل کا
اک دل ہے کہ ہر لحظہ ابھرتا ہے خرد سے

مستی کردار

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستی کُفسار

۵۵۲
ضربِ کلیم
۵۲

شاعر کی نوا مُردہ و افسردہ و بے ذوق
 افکار میں سرست نہ خوابیدہ نہ بیدار
 وہ مردِ مجاہدِ نطنس را تا نہیں مجھ کو
 ہو جس کے رک و پے میں فقط سستی کروا

قبر

مرد کا شبستاں بھی اُسے رس نہ آیا
 آرامِ تسلندر کو تہِ خاک نہیں ہے
 خاموشیِ افلاک تو ہے قبر میں لیکن
 بے قیدی و پہنائیِ افلاک نہیں ہے



قلندر کی پہچان

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرو
جاتا ہے جدھر بندہ حق، تو بھی اُدھر جا
ہنکامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
بچتا ہوا بُنگاہِ قلندر سے کُزر جا
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں کا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اتر جا
توڑا نہیں جاؤ و مری تکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں سُکر جانے کی جرات تو مگر جا

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر



۵۵۲
ضربِ کلیم
۵۱۲

فلسفہ

افکارِ جوانوں کے خفی ہوں کہ جلی ہوں
پوشیدہ نہیں مردِ تسلندر کی نظر سے
معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی
مدت ہوئی گزر اہستہ اسی راہ گزر سے
الفاظ کے پتھوں میں اُلجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدقے کہ لہر سے!

پیدا ہے فقط حلفتِ اربابِ جنوں میں
وہ عفتل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شر سے
جس معنی چھپیدہ کی تصدیق کرے دل
قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ لہر سے
یا مُردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتِ
جُلفِ لکھانہ کیا خونِ جگر سے

مردانِ خدا

وہی ہے بندہٴ خُرجیں کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ ضرب ہے جس کی تمام عیاری
ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں پوششِ بدوش
قلندرِ وقبِ پوشی و کلداری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہی کی خال میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجودِ انہی کا طوافِ بُہتاں سے ہے ازاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زُتاری!

کافر و مومن

کل ساحلِ دریا پہلے مجھ سے خُضر نے
تو ٹھونڈ رہا ہے سہمِ افرنگ کا تریاق؟

الگ تہ مے پاس ہے شمشیر کی مانند
 نرندہ صہیتل زودہ و روشن و براق
 کافر کی یہ چپان کہ افق ہیں لم ہے
 مومن کی یہ چپان کہ لم اس میں ہیں افق!

مہدی برحق

سب اپنے بنائے سوتے زنداں میں ہیں محبوس
 خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سید
 پیران کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
 نے جدتِ کفار ہے نے جدتِ لروار
 ہیں اہل سیاست کے وہی لہنہ خم و پیچ
 شاعر اسی افلاسِ تختیل میں گرفتار
 دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
 جو جس کی نہ کہ زلزلہ عالمِ افکار

مومن

(دُنیا میں)

ہو حلفتِ تریاں تو بریشم کی طرح نرم
رزیمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افدال سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خالی سے ملے حنا ک سے ازاد ہے مومن
بچتے نہیں گنجشک و حمام اس کی نظریں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

جنت میں

کہتے ہیں فرشتے کہ دل اویر ہے مومن
خوروں کو شکایت ہے، کم امیر ہے مومن

✽ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۵۸

ضربِ کلیم

۵۸

محمد علی باب

تھی خوب حضورِ علما باب کی تفسیر
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعرابِ سموات
اس کی غلطی پر علمائے تھے مُشتم
بولا، تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات
اب میری امامت کے تصدیق میں ہیں ازاد
محبوس تھے اعراب میں قرآن کے آیات!

تفسیر

(ابلیس و یزداں)

ابلیس

اے خدا کے کن فکاں! مجھ کو نہ تھا آدمِ سیر
آہ! وہ زندانیِ نزدیک و دور و دیر و زور

حرفِ استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا
ہاں مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

یہ زواں

کب کھلا تجھ پر یہ راز، انکار سے پہلے کہ بعد؟

ابلیس

بعد اے تیری جہنمی سے جملاست جو!

یہ زواں

(فرشتوں کی طرف دیکھ کر)

پستی فطرت نے سلکھلائی ہے یہ حجت اے
کہتا ہے تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود
وے رہا ہے اپنی ازادی کو مجبوسی کا نام
ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دود!

(ماخوذ از محی الدین ابن عربیؒ)



اے رُوحِ محمدؐ

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا اتر
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
چرچند ہے بے قافلہ و راحلہ و زرا
اس کوہ و بیاباں سے خدی غم ان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ محمدؐ
ایاتِ الہی کا نگہ بان کدھر جائے!

مذہبِ اسلام

بتاؤں تجھ کو سماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ حسنوں

طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب
 یگانہ اور مثالِ زمانہ گونا گوں!
 نہ اس میں عصرِ رواں کی حیاتِ سببِ نزاری
 نہ اس میں عسکریں کے فسانہ و افسوں
 حقتِ اتقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
 یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسمِ افلاطون!
 عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال
 عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوزِ زوون!

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھے
 حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کے
 ہے وہی سیرے زمانے کا امامِ برحق
 جو تجھے حاضر و موجود ہے سببِ نزاری

موت کے آنے میں تعجب کو دکھا کر رنج و دوست
 زندگی تیرے لیے اور بھی دُشوار کرے
 دے کے احساسِ زبیاں یہ اللہ کرے
 فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
 فتنہ ملت بیضا ہے امامت اُس کی
 جو سماں کو سلاطین کا پرستار کرے

فقر و راہبی

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمانی
 تری نگاہ میں ہے ایک فہستہ و رہبانی
 سکوں پرستی راہب سے فقر ہے ہینزار
 فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی
 پسند روح و بدن کی ہے و انمود اس کو
 کہ ہے نہایت مومن خودی کی عیسانی

وجود صیر فی کائنات ہے اُس کا
 اُسے خبر ہے یہ باقی ہے اور وہ فنا
 اُسی سے پوچھ کہ پیشِ نگاہ ہے جو کچھ
 جہاں ہے یا کہ فقط زمانِ بولی طغیانی
 یہ فترتِ مردِ سماں نے لھو دیا جسے
 رہی نہ دولتِ سلطانی و سلیمانی

غزل

تیری متاعِ حیات علم و ہمت کا سرور
 میری متاعِ حیات ایک دل جہاں
 معجزۂ اہلِ فکر و فلسفہ پیچ پیچ
 معجزۂ اہلِ ذکر، موسیٰ و عمران و طور
 مصالحتہ کہہ دیا میں نے سماں تجھے
 تیرے نفس میں نہیں گرمی یومِ انشور

۵۶۲

ضربِ کلیم

۶۲

ایک زمانے سے ہے چاک لریباں مرا
 تو ہے ابھی پوش میں سے جنوں کا قصوہ
 فیضِ نطنز کے لیے ضبطِ سخن چاہیے
 حرفِ پریشاں نہ کہ اہلِ نطنز کے حصوہ
 خوارِ جاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
 عشقِ جو بس کا جنوہ فقرِ جو بس کا غیوہ

تسلیم و رضا

ہر شاخ سے نکلتے پھیلے پیدہ ہے پیدا
 پودوں کو بھی احساس ہے پہنائے فضا کا
 ظلمتِ کدہ خاکِ پستِ لہ نہیں رہتا
 ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشوونما کا
 فطرت کے تحت اضموں پہ نہ کر راہِ عمل بند
 مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

جرات ہونو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا، ملکِ خدا تنگ نہیں ہے!

نکستہ توحید

بیاں میں نکستہ توحید اتو سکتا ہے
ترے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
طریقِ شیخِ فقہیہ سنا نہ ہو تو کیا کہیے
سرورِ جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندہ خُمر کے مشاہدات میں کیا
ترمی نگاہِ عن لایمانہ ہو تو کیا کہیے
مقامِ فہمِ تر ہے کتنا بلند شاپی سے
روشِ کسی کی کدایا نہ ہو تو کیا کہیے!

الہام اور ازادی

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نیک فکر و عمل کے لیے ہمیز
اس کے نفسِ کرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خالِ چمنستانِ شرر امیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بے بدل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغابِ سحر خیز
اُس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے کداؤں کو شکوہِ جسم و پرور
محکم کے الہام سے اللہ بچائے
غارتِ کرا قوام ہے وہ ضرورتِ چنگیز



جان و تن

عقل مدت سے ہے اس بیچاک میں الجھی ہوئی
روح کس جوہر سے خاک تیرہ کس جوہر سے ہے
میری شکل ہستی و شور و سرور و درد و داغ
تیری شکل مے سے ہے ساغر مے ساغر سے ہے
اے بے لطف و معنی، خست ملاط جان و تن
جس طرح ہنکرت بیا پوش اپنی خاکستر سے ہے!

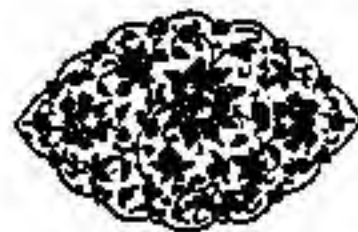
لاہور و کراچی

نظرِ اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے فقط عالمِ معنی کا سفر
اُن شہیدوں کی دیت اہلِ کلیسا سے نہ مانگ
قد و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر

اے، اے مسلمان! تجھے کیا یاد نہیں
حرف 'لا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ'

نبوت

میں نہ عارف، نہ مجدد، نہ محدث، نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں، مگر عالم اسلام پر رکھتا ہوں نطن
فانش ہے مجھ پر یہ ضمیرِ فلک نیلی فام
عصرِ حاضر کی شبِ تاریں دیکھی میں نے
حقیقت کہ ہے روشن صفتِ ماہِ تمام
وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برکِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام



آدم

طالع بود و عدم جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے، قادر نہیں ہے جس پر سخن
زمانہ صبح ازل سے رہا ہے محو سفر
مگر یہ اس کی تک و دو سے ہو سکا نہ کہن
اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
وجود حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن!

مذہ اور جلیوا

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی نہ تھی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی حدتِ آدم
تفنیقِ عقل حکمتِ افزائش کا مقصود
اسلام کا معنی صرف طاعتِ آدم

۵۷۰
ضربِ کلیم

کئے نے دیا خال حبیب کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت اوم

اے پیرِ حرم

اے پیرِ حرم! رسم و رنہ خالق ہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جانوں کو سلامت!
دے ان کو سبق خوش کنی، خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارا شکافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فنِ شیشہ کرمی کا
دل توڑ گئی ان کا دوسریوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا
کہہ جاتا ہوں میں زور جنوں میں ترے اسرار
مجھ کو بھی صلہ دے مری آشفۃ سری کا

مہدی

قوموں کی حیات ان کے تختل پہ ہے موقوف
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو
مجدوبِ فرنگی نے بہ اندازِ سنرنگی
مہدی کے تختل سے کیا زندہ وطن کو
اے وہ کہ تو مہدی کے تختل سے ہے بیزار
نومید نہ کراہوئے مشکیں سے ختن کو
ہو زندہ کفن پوش تو میت اُسے سمجھیں
یا چاک کریں مردِ ناداں کے کفن کو؟



مرد مسلمان

پھر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
قتاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصہ ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایہ جبریل امیں بسندۂ خالی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے ہل جائیں، وہ طوفان

فطرت کا سرود اذلی اس کے شب و روز
 اہنگ میں پکتا صفتِ سورۃِ رحمن
 بنتے ہیں مری کارِ کفر میں اہم
 لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان!

پنجابی مسلمان

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
 کرے کہیں منزل تو کز تہ ہے بہت جلد
 تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
 چو کھیل مُریدی کا تو ہوتا ہے بہت جلد
 تاویل کا پھنسا کوئی صیاد لگا دے
 یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد



۵۴۲

ضربِ کلیم

۴۲

ازادی

ہے کس کی یہ خبر ات کہ مسلمان کو ٹوکے
حضرت افکار کی نعمت ہے خدا داد
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدہ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صہبام باد
شران کو باز چہ تاویل بن کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجا
ہے مملکت چند میں الٹنہ تماشا
اسلام ہے محبوبس، مسلمان ہے ازاد!

اشاعت اسلام فرنگستان میں

ضمیر اس مذہبیت کا دیں سے ہے خالی
فرنگیوں میں اخوت کا ہے نسب یہ قیام

بلند تر نہیں انگریز کی نگاہوں میں
 فتبول دین مسیحی سے برہمن کا مقام
 اگر فتبول کرے دین مصطفیٰ، انگریز
 سیاہ روزگسماں رہے گا پھر بھی غلام

لا و الا

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و برپیدا
 سفر خالی شبستان سے نہ کر سکتا الروانہ
 نہ ساد زندگی میں استلا، انتہا، الا
 پیام موت ہے جب لا ہوا الا سے بیگانہ
 وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی
 یقین جانو ہوا البرز اس ملت کا پیانہ



۵۷۶
 ضرب کلیم
 ۷۶

اُمراءِ عربؑ

کرے یہ کافر ہندی بھی خُبر آستِ کُفتار
المرنہ ہو اُمراءِ عرب کی بے ادبی !
یہ نیکیت پہلے سلکھایا کیا کس امت کو؟
وہ سالِ مصطفویؐ، اُستِ اِراقِ بولہبی !
نہیں وجودِ حدود و ثغور سے اس کا
مستندِ عربی سے ہے عالمِ عربی !

احکامِ الہی

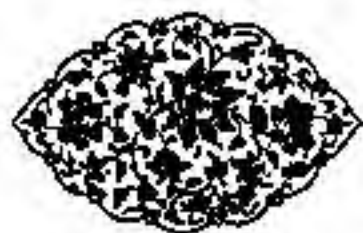
پابندیِ تقدیر کہ پابندیِ احکام !
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خردمند

❀ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

اک ان میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
 ہے اس کا معتد ابھی ناخوش ابھی خورند
 تقدیر کے پاس نہ بات جہاد است
 مومن نقطہ احکام الہی کل ہے پاسبان

موت

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
 اگر ہو زندہ تو دل نا صبور رہتا ہے
 مہ و ستارہ، مثال شرارہ یک و نفس
 مے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
 فرشتہ موت کا چھوتا ہے کو بدن تیرا
 ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے!



مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ

جہاں الرحیم لکھ لکھوں ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ
وہی زمین، وہی لکھوں ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
تری رکوں میں ہی خوں ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ
غمیں نہ چو کہ پر اسندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ



سعود (Station) (بریل)

سجود را

نظر حیات محمدی بر اوست آورد اشهد
حیات کما ہے با حضور و کرد و کرد و کرد

علامہ طویل

نگاہ موت بر اوست آورد اشهد
حیات بر بنیاد طویل است و اثر و نمود

حیات خودت بر انشا شکر لایزال
نقطہ محمدی ہے حمدی و ثناء کا حضور

تعلیم و تربیت

۵۸۱
ضرب کلیم
۸۱

مقصود

(سپینوزا)

نظر حیات پر رکھتا ہے مرد و دانش مند
حیات کیا ہے حضور و سرور و نور و وجود

(فلاطون)

نگاہ موت پر رکھتا ہے مرد و دانش مند
حیات ہے شب تاریک میں شر کی نمود

حیات موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصد

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۸۲
ضرب کلیم
۸۲

زمانہ حاضر کا انسان

عشق ناپید و خرد میگذردش صورتِ مار
عقل کو تابعِ فرمانِ نطنزِ کمر نہ سکا
دُھونڈنے والا ستاروں کی لڑکا چوں کا
اپنے افکار کی دُنیا میں سحر کرنے سکا
اپنی جھمت کے حسن و پیچ میں ابھرا ایسا
آج تک نصیحت نہ نفعِ ضرر کرنے سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کرنے سکا!

اقوامِ مشرق

نظر آتے نہیں بے پروہتِ اتق اُن کو
انکھ جن کی ہوئی محکومیِ بختِ لید سے کو

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مذہبیت کہ جو ہے خود لب کوڑا

آگاہی

نظر سپہر پر رکھتا ہے جو ستارہ شناس
نہیں ہے اپنی خودی کے معتمد سے آگاہ
خودی کو جس نے فلک سے بلند کر دیکھا
وہی ہے مملکتِ صبح و شام سے آگاہ
وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محرم
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

مصلحین مشرق

میں ہوں نوید تیرے ساقیانِ سامری فن سے
کہ بزمِ خاوراں میں لے کے آئے ساتھی خالی

۵۸۲
ضربِ کلیم
۸۶

نستی بھلی کہاں اُن بادلوں کے جیب وامن میں
پُرانی بھلیوں سے بھی ہے جن کی استہیں خالی

مغربی تہذیب

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ رُوح اس مذہبیت کی رہ سکی نہ عقیف
رہے نہ رُوح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک جو بالِ عینِ ذوقِ لطیف

اسرارِ پیدا

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
ناچسینِ جہانِ مرد و پرویں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے، تو عالمِ آزاد

موجوں کی تپش کیلئے فقط ذوق طلب ہے
پہناں جو صدف میں ہے وہ دولت ہے خداؤ
شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں کرتا
پروم ہے اگر تو تو نہیں خطرہ مفت

سلطان ٹیپو کی وصیت

تو رہ نور و شوق ہے نہ نزل نہ کربول
لیلی بھی ہم شیں ہو تو محمل نہ کربول
اے جوئے اب بڑھ کے ہو دریا تے تند تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کربول
کھویا نہ جا صدم کدہ کائنات میں
محمل کدہ ازاں کر می محمل نہ کربول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے
جو محمل کا سلام ہو وہ دل نہ کربول

۵۸۶

ضربِ کلیم

۸۶

باطل دُوتی پسند ہے، حق لا شرک ہے
شرکت سیانہ حق و باطل نہ کر قبول!

غزل

نہ میں اُسی نہ پسندی نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے میں نے سیکھی وہاں سے بے نیازی
تو مری نطن میں کافر میں تری نطن میں کافر
تراوین نفس شماری مرادیں نفس کدازی
تو بدل گیا تو بہت تر کہ بدل گئی شریعت
کہ موافق تدرواں نہیں دین شاہبازی
ترے دشت و در میں مجھ کو وہ جنوں نطن نہ آیا
کہ کھائے سکے خرد کورہ و رسم کار سازی
نہ جدار ہے نوا کرتے تاب ندکی سے
کہ ہلاکی اُمم ہے یہ طریق نئے نوازی

بیداری

جس بندہ حق ہیں کی خودی ہو گئی بیدار
ششیر کی مانند ہے بڑندہ و براق
اس کی نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرے میں پوشیدہ ہے جو قوت اشراق
اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
تو بندہ آفاق ہے وہ صاحب آفاق
تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی
وہ پانی فطرت سے ہوا محرم اساق

خودی کی تربیت

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ نشت خاک میں پیدا ہوا ششیر سوز

یہی ہے سب کچھ ہی ہر اک زمانے میں
چوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز!

آزادی فکر

آزادی افکار سے ہے اُن کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبیر کا سلیقہ
جو فکر اگر حرام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ!

خودی کی زندگی

خودی ہو زندہ تو ہے فستہ بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجہ و طغزل سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بے دراں پایا
خودی ہو زندہ تو کسار پر نیان و سریر

نہنگِ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد
نہنگِ مردہ کو موجِ سراب بھی زنجیرا

حکومت*

ہے مریدوں کو تو حق بات کو ارا لیکن
شیخ و ملا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے مستاعِ کردار
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ نوات و صفات
گرچہ اس دیر کھن کا ہے یہ دستورِ قدیم
کہ نہیں مے کدہ و ساقی و مہینا کو ثبات
قسمتِ بادہ مگر حق ہے اُسی ملت کا
انکسیں جس کے جوانوں کو ہے تلخابِ حیات!

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

ہندی مکتب

اقبال! یہاں نام نہ لے علم خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
بہتر ہے کہ بیچارے مولوں کی نطنہ سے
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات
آزاد کی ال ان ہے محکوم کا ال سال
کس درجہ کراں سیر ہیں محکوم کے اوقات
آزاد کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرلِ مفاجات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سوا
ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورت کرمی و علم نباتات!

تربیت

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ
علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
اہل دانش عام ہیں، کم یاب ہیں اہل نطن
کیا تعجب ہے کہ حنائی رہ گیا تیرا ایاغ!
شیخِ مکتب کے طریقوں سے کشادہ دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ!



خوب زشت

ستارگانِ فضا ہستے نیلکوں کی طرح
تختِ بلاست بھی ہیں تابعِ طلوع و غروب
جہاں خودی کا بھی ہے صاحبِ فرار و نشیب
یہاں بھی سرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب
نمود جس کی فرارِ خودی سے ہو وہ جسمِ سیل
جو ہوشیہ میں پیدا، تسبیح و نامحسوس!

مرکبِ خودی

خودی کی موت سے مغربِ کاندڑوں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام
خودی کی موت سے رُوحِ عربی بے ترب و تاب
بدنِ سراق و عجبِ کاسم ہے بے عروق و عظام

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
قفس ہوا ہے لال اور آشیانہ حرام
خودی کی موت سے چیرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھاتے سماں کا جامہ احرام

مہمان عزیز

پُر ہے افکار سے ان مدر سے والوں کا ضمیر
خوب ناخوب کی اس فور میں ہے کس کو تمیز
چاہیے نہ دل کی کوئی منزل حلالی
شاید آج تے کہیں سے کوئی مسافر عزیز

عصر حاضر

پُخت افکار کہاں ڈھونڈنے جاتے کوئی
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام

۵۹۲

ضرب کاظم

۹۲

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مُردہ، لا دینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام!

طالب علم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بھری موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں سراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

امتحان

کہا سپاڑ کی ندی نے سنگینے سے
فتاد کی وسرافلت کی تری مسراج!

ترایہ حال کہ پامال و درہند ہے تُو
 مری یہ شان کہ دریا بھی ہے مرا محتاج
 جہاں میں تُو کسی دیوار سے نہ ٹکرایا
 کئے خبر کہ تُو ہے سنب خارہ یا کہ زجاج!

مدرسہ

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
 قبض کی رُوح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
 دل لڑتا ہے طعینانہ کشاکش سے ترا
 زندگی موت ہے، کھودیتی ہے جب فوقِ خراش
 اُس بُنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
 جو یہ کہتا تھا حسد سے کہ بہانے نہ تراش
 فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہیں بخشا
 جس میں کھدی ہے غلامی نے نگاہِ حقّاش

مدر سے نئے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کو وہ ویسا باں میں وہ اسرار ہیں فاش

حکیم نطشہ

حریف نکتہ توحید ہو سکا نہ حکیم
نگاہ چاہیے اسرارِ لا الہ کے لیے
خدا کا سینہ کر دوں ہے اس کا فکر بلند
کنند اس کا تختل ہے مہر کے لیے
اگرچہ پاک ہے طہنت میں رہی اس کی
ترس رہی ہے مگر لذت گنہ کے لیے

اساتذہ

مقصود ہو اگر تربیت لعل بدخشاں
بے سود ہے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو

وُنیا ہے روایا کے پھندوں میں گرفت
 کیا مدرسہ کیا مدرسے والوں کی تک وود
 کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
 وہ نہتہ مانع اپنے زمانے کے ہیں پیرو!

غزل

مے کا منہ نزل مقصود کا اُسی کو سراغ
 اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
 میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
 نہیں ہے بندہ خُمر کے لیے جہاں میں سراغ
 فروغ معنہ بریاں خیر کر رہا ہے تجھے
 تری نطن کر کا نگہباز ہو صاحبِ مازاغ
 وہ بزمِ عیش ہے مہمان یک نفس و نفس
 چمکے ہیں مثال ستارہ جس کے ایاغ

۵۹۸

ضربِ کلیم

۹۸

کیا ہے تجھ کو گستاخوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوسے گل کا سراغ!

تعلیم دین و دہم

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز
چونہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و گزاف
اور یہ اہل کلیسا کا نطفِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف
اُس کی تفتیر میں کومی مہل کومی ہے
قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف
فطرتِ افراد سے غمِ باطن بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملتے گئے گناہوں کو معاف



جاوید سے



غارت کر دیں ہے یہ زمانہ
 دربارِ شہنشی سے خوشتر
 لیکن یہ دورِ ساحری ہے
 سرچشمہ زندگی ہوا خشک
 حنائی اُن سے ہوا دستاں
 جس گھر کا مگر چراغ ہے تُو
 جو ہر میں چو لالہ تو کیا خوف
 شاخ گل پر چپکے لیکن
 وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا
 دہشتاں اگر نہ ہوں اس
 "غافلِ منشینِ وقتِ بازی ست
 ہے اس کی نہاد کا منہ
 مردانِ خدا کا استانہ
 انداز ہیں سب کے جاوید
 باقی ہے کہاں سے شبانہ
 تھی جن کی نگاہ تازیانہ
 ہے اس کا مذاق عارفانہ
 تعالیم ہو کو فتنہ گیانہ
 کہ اپنی خودی میں آشیانہ
 چھڑے ہے بحرِ بیکرانہ
 ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ
 وقتِ نہر است و کار سازی ست

ضربِ کلیم



سینے میں اگر نہ ہو دل کرم
 پنچیر اگر ہو زیر یک چوچست
 ہے اب حیات اسی جہاں میں
 غیرت سے طریقہ جستیقی
 اے جانِ پدِ انہیں ہے ممکن
 نایاب نہیں متاعِ لغت
 ہے میری بساط کیا جہاں میں
 اک صدقِ مقال ہے کہ جس سے
 اللہ کی دین ہے جسے دے
 اپنے نورِ نطن سے کیا خوب
 فرماتے ہیں حضرت نطن تسمی

”جاے کہ بزرگ بایست بو
 فرزند ہی من ندارد سو“



۶۰۱
 ضربِ کلیم
 ۱۰۱



مومن یہ کراں ہیں شب و روز
 ناپید ہے بندہ عمل مست
 دین و دولت ہستار بازی
 باقی ہے منقطع نفس و رازی
 جس فقر کی اصل ہے حجازی
 اللہ کی شان بے نیازی
 ہے اس کا مقام شاہ بازی
 بے سر نہ ہو علی و رازی
 فطرت میں اگر نہ ہو ایازی
 رکھتا نہیں فوق نئے نوازی
 درپردہ تمام کار سازی
 بے تیغ و سناں ہے مرو غازی
 یہ فقر غیور جس نے پایا

مومن کی اسی میں ہے امیری
 اللہ سے مانگ فقیریری



۶۰۲

ضرب کلیم

۱۰۲

عورت

۶۰۳
ضربہ کلیم
۱۰۳

مردِ فرنگ

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے منہ نلی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ایک سوال

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو یونان ہیں جس کے حلقہ جوش

۶۰۲

ضرب کاہم

۱۰۲

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش !

پرودہ

بہت رنگ بد لے پہر بریں نے
خدا یا یہ دُنیا جہاں تھی، وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں یہیں نے
وہ خلوت نشیں ہے، یہ خلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

خلوت

رُسوا کیا اس دُور کو خلوت کی ہوس نے
روشن ہے نلکہ، آئینہ دل ہے مُکھڑ

بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
 ہو جاتے ہیں افکار پر اکسندہ و ابتر
 اغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
 وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں لوہر
 خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر، لیکن
 خلوت نہیں اب دیرِ حرم میں بھی میسر!

عورت

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
 شرف میں بڑھ کے شریکِ شہتِ خال اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ معنوں
 مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطون

۶۰۶
ضربِ کلیم

۱۰۶

ازادی نسواں

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معسوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں، مروان خرد مسند
کیا چیز ہے آرائش و قمیت میں زیادہ
ازادی نسواں کہ زمرہ کا گلوبند!

عورت کی حفاظت

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد

نے پروہ، نہ تسلیم، نہی چو کہ پُرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباز ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اُس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

عورت اور تسلیم

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے ہیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت



عورت

جو ہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر عورت کی نو
راز ہے اس کے پیچم کا یہی نہکتہ شوق
اتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی اک کے اسرارِ حیات
کرم اسی اک کے ہے مگر کہ بود و نبود
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غمِ ناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی نشو و



ادبیات

فنون لطیف

ضرب کاغذ

دین و دُہنر

سرود شعری سیاست، کتاب دین و دُہنر
گھر ہیں ان کی کمرہ میں تمام یک دُہنر
ضمیر بندہ خالی سے ہے نمود ان کی
بلند تر ہے ستاروں سے ان کا کاشانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسوں و افسانہ
ہوتی ہے زیرِ فلک اُستوں کی رسوائی
خودی سے جب اَدب دُہیں ہوتے ہیں بیگانہ



تخلیق

جہاں تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے پرتے نہیں جہاں پیدا
خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
اس ابھو سے کیے بحربے مراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا
خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں
ہوا نہ کوئی حسدائی کا رازواں پیدا
ہوا تے دشت سے بوترے رفاقت آتی ہے
عجب نہیں ہے کہ ہوں کیسے ہم عناں پیدا



جنوں

نُجسِ کُر کی دُکانِ شاعرِ مِٹا قاتی
سِتمِ پئے خوار پھرے دشتِ دُور میں دیوانہ
کسے خبر کہ جنوں میں کمال اور بھی ہیں
کریں اگر اسے کوہِ دُکمر سے بیگانہ
ہجومِ مدرسہ بھی سازگار ہے اس کو
کہ اس کے واسطے لازم نہیں ہے یرانہ

اپنے شعر سے

ہے کلمہ مجھ کو تری لذتِ پیدائی کا
تُو جُو افاش تو ہیں اب مے اسرار بھی فاش
شعلے سے ٹوٹ کے مثلِ شرارِ وارہ نہ رہ
گر کسی سینہ پر سوز میں خلوت کی تلاش!

پیرس کی مسجد

مری نگاہ کس الٹ سٹ کر کو کیا دیکھے
کہ حق سے یہ حرمِ حرمِ نبوی ہے بیگانہ
حرمِ نبویں ہے فرنگی کدِ شہدہ بازوؤں نے
تن حرم میں چھپا دی ہے رُوحِ بیتِ خانہ
یہ بیت کدِ انہی غارت گروں کی ہے تعمیر
وہ شق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

ادبیت

عشق اب پیڑی عقلِ حسدِ ادا کرے
ابر کو چستہ جاناں میں نہ برباد کرے
گنہگار میں نئی رُوح کو آباد کرے
یا کہن رُوح کو تفتِ تسلید سے آزاد کرے

نگاہ

بہار و قافلہ لالہ ہاتے صحرائی
 شبابِ مستی و ذوقِ سرور و عنائی
 اندھیری است میں یہ چشمکیں ستاروں کی
 یہ بحرِ یہ فلکِ نیلگوں کی پہنائی
 سفرِ عروسِ قمر کا عساری شب میں
 طلوعِ مہر و سکوتِ سپہرِ سینائی
 نگاہ ہو تو بہ سائے نظارہ کچھ بھی نہیں
 کہ نہ جیتی نہیں فطرتِ جمال و زیبائی



* ریاضِ منسزل (دولت کدہ سراسر سمود) بھوپال میں لکھے گئے

۶۱۶
 ضربِ کلیم

۱۱۶

مسجدِ قوتِ الاسلام

ہے مرے سینہ بے نور میں اب کیا باقی
'لا الہ' مردہ و افسردہ و بے ذوق نمود
چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے کی مجھ کو
کہ ایازمی سے دگرگوں ہے مقامِ مستود
کیوں سماں نہ نخل ہو تری سنگینی سے
کہ غلامی سے ہوا مثلِ زجاج اس کا وجود
ہے تری شان کے شایاں اسی مومن کی نماز
جس کی تنگی میں ہو سرکہ بود و نبود
اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ لہاز
بے تاب دروں میری صلیوۃ اور درو
ہے مری بانگِ اذان میں نہ بلندی نہ شکوہ
کیا لو ارا ہے تجھے ایسے سماں کا سجود؟

تیر

ترمی خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود
حیات کیا ہے، اُسی کا سرور و سوز و شبات
بلند تر مہ و پرویں سے ہے اُسی کا مہم
اُسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے فئات و صفات
حریم تیرا، خودی غیری کی ہے اسرار
دوبارہ زندہ نہ کر کار و بارِ لات و منات
یہی کمال ہے تمشیل کا کہ تُو نہ رہے
رہا نہ تُو تُو نہ سوز خودی نہ سازِ حیات



۶۱۸
ضربِ کلیمہ
۶۱۸

شعاع اُمید



سُورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
دُنیا ہے عجب حسین، کبھی صبح کبھی شام
مَدّت سے تم آوارہ ہو پناہ کے فضا میں
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہری ایام
نے ریت کے ذروں چپکے میں ہے رات
نے مثل صبا طوفِ گلِ لالہ میں آرام
پھر میرے تجلی لہو دل میں سما جاو
چھوڑو چمنستان و بیابان و روبام



افاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں
 بچھڑے ہوئے خورشید ہوتی ہیں ہم آغوش
 ال شور ہے مغرب میں اجالا نہیں مسکن
 افزائش سینوں کے دھویں سے یہ پوش
 مشرق نہیں کو لذت نطسارہ سے محروم
 لیکن صفتِ عالم لاہوت ہے خاموش
 پھر ہم کو اسی سینہ روشن میں چھپالے
 اے مہر جہاں تاب نہ کر ہم کو فراموش



اک شوخ کزن، شوخ مثال نگہ خور
 آرام سے فارغ، صفتِ جوہر سیاب
 بولی کہ مجھے رخصتِ تنویر عطا ہو
 جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب

۶۲۰

ضربِ کلیم

۱۲۰

چھوڑوں کی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
 جب تک نہ اٹھیں خواب سے دُعاں گراں خواب
 خاور کی امیدوں کا یہی خال ہے مرکز
 اقبال کے اشکوں سے یہی خال ہے سیراب
 چشمِ مژپروں ہے اسی خال سے روشن
 یہ خال کہ ہے جس کا خرف ریزہ درباب
 اس خال کے اُٹھے ہیں وہ خواصِ سانی
 جن کے لیے ہر برپا شو بے پایاب
 جس سانے کے نسو کے حرارت تھی دلوں میں
 محسن کا وہی ساز ہے بیگانہ مضرب
 بُت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے بے ہن
 تفتدیر کو روتا ہے سہماں تہِ محراب
 مشرق سے چوبیزا ز نہ مغرب کے حذر کہ
 فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر!

امید

مستابلد تو زمانے کا خوب کرتا ہوں
 اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں نے اسیرِ جنود
 مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
 عطا ہوا ہے مجھے ذکر و شکر و جذبِ سرود
 جبین بندہ حق میں نمود ہے جس کی
 اسی جلال سے لبِ برہنہ میں وجود
 یہ کافر تو نہیں کافر سے کم بھی نہیں
 کہ مردِ حق جو گرفتِ حاضِر موجود
 غمیں نہ جو کہ بہت دور ہیں ابھی باقی
 نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہرِ کبود

* ریاضِ سنزل (دولت کدہ سر اسٹوڈ) بھوپال میں لکھے گئے

۶۲۲
 ضربِ کلیم
 ۱۲۲

نگاہ شوق

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
کہ دڑے دڑے میں ہے ذوق آشکارائی
کچھ اور ہی نظم سرا آتا ہے کاروبار جہاں
نگاہ شوق اگر ہوشِ شریکِ بینائی
اسی نگاہ سے محکم قوم کے فنِ نرند
ہوئے جہاں میں سزاوار کارِ نرمانی
اسی نگاہ میں ہے متاہری جستاری
اسی نگاہ میں ہے لبِ بیری و عرنائی
اسی نگاہ سے ہر دڑے کو جنوں میرا
سکھارہا ہے رہ و رسمِ دشتِ پیمائی
نگاہ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلبِ وطن کی رسوائی

اہلِ مہر سے

مہر و مہر شتری چند نفس کا سرور
عشق سے ہے پائدار سیری خودی کا وجود
تیرے حرم کا ضمیر اسود و احمر سے پال
تنگ سے تیرے لیے سرخ و سپید و کبود
تیری خودی کا غیاث ہے کہ ذکر و فکر
تیری خودی کا حضور عالم شعور و سرور
روح الہی ہے تری رنج غلامی سے نزار
تیرے شہر کا جہاں دیر و طواف و سجد
اور الہیہ ہے اپنی شرافت سے ہو
تیری سپہ انس و جن تو ہے اسی مہر و خنوا



۶۲۲

ضربِ کلیم

۱۲۲

غزل

دریا میں موتی، اسے موج سے بے باک
ساحل کی سوغات! خار و خس و خال
میرے شرر میں بجلی کے جوہر
لیکن نیستان تیرا ہے نم نال
تیرا زمانہ، تاثیر تیری
ناداں! نہیں یہ تاثیر افلاک
ایسا جنوں بھی دیکھا ہے میں نے
جس نے سسے ہیں تحتِ دیر کے چال
کاٹل وہی ہے رندی کے فن میں
مستی ہے جس کی بے مشیت تال
رکھتا ہے اب تک مسیح نازِ شرق
وہ ہے کہ جس سے روشن ہوا اورال

اہلِ نطنس ہیں یورپ سے نو مسد
ان اُمتوں کے باطن نہیں پاک

وجود

اے کہ ہے زیرِ فلک شل شر تیری نمود
کون سمجھاتے تھے کیا ہیں مقاماتِ وجود
گر شہر میں نہیں تعمیرِ خودی کا جوہر
وائے صورتِ کرمی و شاعری و ناس و سرود
مکتبِ دے کہ ہر جزو در سن ہو نہ ہند
بودن آموز کہ ہر ہاشمی و ہر خمِ اہی بود

سرود

ایا کہ اس سے نالہ نے میں سرورِ مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبے

دل کیا ہے اس کی مستی و قوت کہاں سے ہے
 کیوں اس کی اک نگاہ الٹتی ہے تخت کے
 کیوں اس کی زندگی سے ہے اقوام میں حیات
 کیوں اس کے واردات بدلتے ہیں پے پے
 کیا بات ہے کہ صاحبِ دل کی نگاہ میں
 چھتی نہیں ہے سلطنتِ روم و شام و رے
 جس روزِ دل کی رمزِ بُغْتی سمجھ لے
 سمجھو تمام مرحلہ ہائے ہنر ہیں طے

نسیم و نسیم

انجم کی فضا تک نہ ہوئی سیری رسانی
 کرتی رہی میں سپرین لالہ و گلِ چال

مجبور ہوتی جباتی ہوں میں ترک وطن پر
بے ذوق ہیں بسبل کی نوا ہائے طرب ناک
دونوں سے کیا ہے تجھے تقدیر نے محسوس
خاکِ پسین اچھی کہ سرِ پر وہ افلاک !

شبِ بنم
کھینچیں نہ اگر تجھ کو چمن کے خس و خاشاک
گلشن بھی ہے ال سترِ سرِ پر وہ افلاک

اہرام مصر

اس دشتِ جبرِ تاب کی خاموش فضا میں
فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کی تعمیر
اہرام کی عظمت سے نگاہیں ہمار ہیں اندال
کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی تصویر !

فطرت کی غلامی سے کراڑاؤ نہ ہو
صیاد ہیں مردانِ مہر مسد کہ نچیر!

مخلوقاتِ پُھنر

ہے یہ فردوسِ نظر اہلِ نہر کی تعمیر
فاش ہے چشمِ تماشا پہ نہاںِ حنا نہ دوا
نہ خودی ہے نہ جہانِ سحر و شام کے دور
زندگانی کی حرین نہ کشاکش سے نجات
اے، وہ کافرِ بیچارہ کہ ہیں اس کے صنم
عصرِ رفتہ کے وہی ٹوٹے پھوٹے لات و منات
تو ہے میت، یہ مہر تیرے جنازے کا امام
نظر آتی جسے مرثد کے شہتاش میں حیات



اقبال

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنا
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آتش
حلاج کی لیس کن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مرد مستلند نے کیا رازِ خودی فاش!

فنون لطیفہ

اے اہلِ نطنسہ ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جوشے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نطنسہ کیا
مقصودِ ہنسہ سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا
جس سے دل دریا مُشتِ لاطم نہ ہو جوتا
اے قسطِ قنیاں وہ صدف کیا وہ لہر کیا

۶۳۰

ضربِ کلیم

۱۳۰

شاعر کی نوا ہو کہ مُنغنی کا نفس ہو
 جس سے چمن افسردہ ہو وہ باوجود سر کیا
 بے محبہ دُنیا میں اُجڑتی نہیں قومیں
 جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتے اوہ ہنر کیا!

صبحِ چمن

پُھول

شاید تو سمجھتی تھی وطن دُور ہے میرا
 اے قاصدِ افلاک! انہیں دُور نہیں ہے

شبِ بنم

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن
 یہ بجکتے کہ گردوں سے زمین دُور نہیں ہے

صبح

مانندِ صحنِ کستان میں قدم رکھ
اے تیرا پا کوہِ شمسِ تونہ ٹوٹے
ہو کوہِ ویاہاں سے ہم اغوشِ لبیک
ہاتھوں سے تیرے امنِ انداک نہ چھوٹے!

خاقانی

وہ صاحبِ شمعِ عراقینِ
اربابِ نطنس کا قرة العین
ہے پردہ شکافِ اس کا اوراک
پردے ہیں تمام چاک و رچاک
خاموش ہے عالمِ معانی
کہتے انہیں حرفِ لہنِ تہائی
پوچھ اس کے یہ خاکِ اں ہے کیا چیز
ہنگامہ این اں ہے کیا چیز
وہ محرمِ عالمِ مکافات
اک بات میں کہہ لیا ہے سوا

خود بوبے چنیں جہاں تو ان بُد

کابل میں بسا ندوبوالبشر مُردا

۶۳۲

ضربِ کلیم

۱۳۲

رومی

غلط نہ کرے تری چشم نیم باز اب تک
ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک
ترا نیاز نہیں آشنائے ناز اب تک
کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک
کستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک
کہ تُو ہے نعمتہ رومی سے بے نیاز اب تک!

جدت

دیکھے تُو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
اس لاک منور ہوں تیرے نورِ حسرت سے
خورشیدِ کمرے کسبِ ضیاء تیرے شر سے
ظاہر تری تفتدیر ہو سیکے تیرے

دریا مُستِ لاطم ہوں تری موجِ کمر سے
 شرمندہ ہو فطرت تری اعجازِ مہنہ سے
 اغیار کے افکار و تجسس کی کدائی
 کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

مرزا بیدل

ہے حقیقت یا مری چشمِ غلط ہیں کافساد
 یہ زمین، یہ دشت، یہ کھسار، یہ چرخِ کبود
 کوئی کہتا ہے نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ ہے
 کیا خبر ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود
 میرزا بیدل نے کس خوبی سے کھولی یہ لکڑہ
 اہلِ حکمت پر بہت مشکل رہی بس کی کشود
 ”دل اگر میداشت وسعت بے نشان بود این چمن
 ز ناکے میر و شست از بسکہ دنیا تنگ بود“

۶۳۲

ضربِ کاظم

۱۳۶۲

جلال و جمال

مرے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی
ترے نصیبِ فلاطوں کی تیزی اور اک
مری نظر میں یہی ہے جمالِ و زیبائی
کہ سر بسجود ہیں قوت کے سامنے افلاک
نہ جو بلال تو حسن و جمال بے تاثیر
زنا نفس ہے الغرض یہ نہ آتشِ ناک
مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبولِ وصال
کہ جس کا شعلہ نہ ہو شند و سرش و بے بال

مُصَوِّر

کس درجہ میں عام ہوئی مرکبِ تخیل
ہندی بھی منہ زنی کا مستند عجمی بھی

مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دور کے بہرہ
 کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرور ازل بھی
 معلوم ہیں اے مردِ سن تریرے کمالات
 صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی نئی بھی
 فطرت کو دکھایا بھی ہے دیکھا بھی ہے تونے
 ایسے نہ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی!

سرودِ حلال

کھل توجہ تائے مُغنی کے ہم زیرِ دل
 نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشودا
 ہے ابھی سینہ افلاک میں سپاس دہ نوا
 جس کی گرمی سے پھل جاتے ستاروں کا وجود
 جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف کے پاک
 اور پیدا ہو ایاز می سے مست ام محمود

۶۳۶

ضربِ کلیم

۶۳۶

مہ و انجسم کا حیات کرکہ باقی نہ رہے
 تُو رہے اور ترا زمزم سے لا موجود
 جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقہیہ ان جمعی
 منتظر ہے کہ منطرب کے کابھی تک وہ سرود

سرودِ حرام

نہ میرے ذکر میں ہے صوفیوں کا سوز و سرور
 نہ میرا فن کرے پیمانہ ثواب و عذاب
 خدا کرے کہ اسے تھمناق ہو مجھ سے
 فقیر شہر کہ ہے محرم حدیث و کتاب
 اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
 حرام میری نگاہوں میں نئے چنک و رباب



فوارہ

یہ آبِ جنو کی روانی، یہ سبکساری خال
مری نگاہ میں ناخوب سے یہ نطسارہ
اُدھر نہ دیکھ، اُدھر دیکھ لے جوانِ عزیز
بلند زور دروں سے ہوا ہے فوارہ

شاعر

مشرق کے نیستیاں میں ہے محتاجِ نفس نے
شاعرِ بزرگ سینے میں بس ہے کہ نہیں ہے
تا شیرِ سلامی سے خودی بس کی ہوتی نرم
اچھی نہیں اس قوم کے حق میں بسی
شیشے کی ضراعی ہو کہ مٹی کا سب جو
ششیر کی مانند ہو سب ہی میں تری

۶۳۸

ضربِ کلیم

۱۳۸

ایسی کوئی دُنیا نہیں افلاک کے نیچے
 ہے جس کہ ہاتھ آئے جہاں تختِ حرم کے
 ہر لحظہ نسیا طور، نہی برقِ تحسلی
 اللہ کرے حرمِ شوق نہ ہو طے!

شعرِ محبوس

ہے شعرِ محبوس کہ چڑھ کر بے ناکِ دل اور
 اس شعر سے کہ ہوتی نہیں شیرِ خودی تیز
 افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں
 بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغِ سخن
 وہ ضرب اگر کوہِ شکن بھی ہو تو کیا ہے
 جس نے مستِ زلزل نہ ہوئی دولتِ پریر
 اقبال یہ ہے حصارِ تراشی کا زمانہ
 از ہر چہ بائیس نہ نمایند بہ پریر

ہنسرو راں ہند

عشق و ہستی کا جنت ازہے تختیل ان کا
ان کے اندیشہ تار یک میں قوموں کے مزار
موت کی نقش گری می ان کے صہم خانوں میں
زندگی سے ہنسراں برہمنوں کا بزار
چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابید، بدن کو بیدار
ہند کے شاعر صورت کو و افسانہ نویس
آہ، بیچاروں کے اعصاب پر عورت ہے سوا



۶۴۰

ضرب کلیم

۱۴۰

مرد بزرگ

اُس کی نفرت بھی عمیق، اُس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پر نسیق
پرورش پاتا ہے تفت لید کی تاریکی میں
ہے مگر اُس کی طبیعت کا تقاضا نسیق
انحس میں بھی میسر رہی خلوت اُس کو
شمعِ محفل کی طرح سب سے جدا، سب کا نسیق
مثلِ خورشیدِ حسرتِ سر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ، معانی میں دقیق
اُس کا اندازِ نطق نہ اپنے زمانے سے جدا
اُس کے احوال سے محرم نہیں سیرِ طریق



عالمِ نو

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر
خواب میں دکھاتا ہے عالمِ نو کی تصویر
اور جب بانگِ اذان کرتی ہے بیدار اُسے
کرتا ہے خواب میں دکھی ہوئی دنیا سیر
بدن اس تازہ جہاں کا ہے اُسی کی کفِ خال
روح اس تازہ جہاں کی ہے اُسی کی تکریر

ایجادِ معانی

ہر چند کہ ایجادِ معانی ہے چندان
کوشش سے کہاں مروی ہر مسئلہ ہے آسان
خونِ رگِ سدا کی گرمی سے ہے تعمیر
میں ناجست فطرت جو کہ تختِ انہرِ سدا

۶۴۲
ضربِ کلیم
۱۴۲۲

بے محنت پیہم کوئی جو ہر نہیں کھلتا
روشن شہر تیشہ سے ہے خانہ فرما

موسیقی

وہ نغمہ سرودی خونِ غزل سہرا کی دلیل
کہ جس کو سن کے تراپہ سہرا تباہ نہیں
نوا کو کرتا ہے موجِ نفیس سے زہرِ آلود
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں
پھر امیں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی پس میں کریب ان لالہ چال نہیں

ذوقِ نظر

خودی بے بند تھی اُسِ خوں گرفت چینی کی
کہا غریب نے جلاوے سے دمِ عزیر

ٹھہر ٹھہر کہ بہت دل کشا ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تائب نالکی شمشیر!

شعر

میں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن
یہ نکتہ ہے تاریخ اُمم جس کی ہے تفصیل
وہ شعر کہ پیغام حیاتِ ابدی ہے
یا نعتِ جبریل ہے یا بانگِ سرافیل!

رقص و موسیقی

شعر سے روشن ہے جانِ جبریل و اہرن
رقص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن
فاش یوں کرتا ہے ال چینی حکیم اسرارِ فن
شعر کو یا روحِ موسیقی ہے رقص اس کا بدن!

۶۴۴
ضربِ کلیم
۱۲۲

ضبط

طریق اہل دنیسا ہے کلمہ شکوہ زمانے کا
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شان درویشی
یہ شکستہ پیر وانا نے مجھے خلوت میں سمجھایا
کہ ضبط فغان شیریں فغان و باہری ہمیشی!

قص

چھوڑ پورپے لیے رقص بن کے سنم پیچ
روح کے رقص میں ہے ضرب کلیم اللہی!
جلد اس رقص کا ہے شکنکی کام و دہن
جلد اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی!



سیاست

شرق و مغرب

۶۱۲
ضرب کلیم
۱۲۶

اشتراکیت

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمی رستار
اندیشہ ہوا شوخی افکار یہ مجبور
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بے سزا
انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدیج وہ اسرار
شرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا حاجت کردار
جو عرفِ قل العفوئیں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار



۶۲۸
ضربِ کلیم
۱۲۸

کارل مارکس کی آواز

یہ علم و حکمت کی نمرہ بازی، یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے، نہ یہ کو اب کو اور اپنے افکار کی نمائش
تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط حسنہ دار کی نمائش، مرز و کج دار کی نمائش
جہانِ مغرب کے بت لڑوں میں کلیسیاؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خوں نریاں چھپاتی ہے ستل عیار کی نمائش

انقلاب

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سو و سازِ حیات
خودی کی موت ہے یہ اور وہ ضمیر کی موت
دلوں میں ولولہٴ انقلاب ہے پیدا
قریب الگ تہی شاید زبانِ پیر کی موت!

خوشامد

نیں کارِ جہاں سے نہیں آگاہ، و سکن
اربابِ نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز
کر تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد
دستورِ نیا، اور نئے دور کا اعزاز
معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت
کہ دے کوئی اُلُو کو اگر رات کا شہباز

مناصب

ہوا ہے بندہ مومن فسونی افرنگ
اسی سبب سے قلندر کی آنکھ ہے نم نال
ترے بلند مناصب کی خیر ہو یا رب
کہ ان کے واسطے تُو نے کیا خودی کو ہلاک

مگر یہ بات چھپاتے سے چھپ نہیں سکتی
 سمجھ گئی ہے اسے ہر طبیعت چالاک
 شرمائے کم غلاموں کو کہ نہیں سکتے
 خریدتے ہیں منقذ ان کا جو ہر اوراں!

یورپ اور یہود

یہ عیش فرماواں یہ حکومت یہ تجارت
 دل سینہ بے نور میں محسوس تسلی
 تاریکے افزائشِ سینوں کے دھوئیں سے
 یہ واہی امین نہیں شایانِ تجلی
 ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جاں مرک
 شاید ہوں کلیسا کے یہودی مثولی!



نفسیاتِ غلامی

شاعر بھی ہیں پیدا، علمِ ساجھی، حکما بھی
حالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا ہر ایک
ہر ایک ہے گوشِ شرحِ معانی میں بیکانہ
بہتر ہے کہ شیروں کو سلکھاویں رم آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ،
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پر ضامن
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بیان



ملشویا پس

روشن قضائے الہی کی ہے عجیب و غریب
خبر نہیں کہ خبر میر جہاں میں ہے کیا بات
ہوتے ہیں کس سر پر پیپا کے واسطے مامو
وہی کہ حفظِ حلیہ پیپا کو جانتے تھے نجات
یہ وحی دہریتِ رُوس پر ہوتی نازل
کہ توڑ ڈال کلیسیائیوں کے لات و منات!

آج اور کل

وہ کل کے غم ویشس پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود اس روز جو بکرسوز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائق ہر سنگام و سڑا
جس قوم کی قسمتِ دیر میں امروز نہیں ہے!

مشرق

مری نوا سے کر سب ان لالہ چاک ہوا
نسیم صبح چمن کی تلاش میں ہے ابھی
نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ رُوحِ مشرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی
مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن
زمانہ وارور سن کی تلاش میں ہے ابھی

سیاستِ افرنک

ترمی حرفیے یارب سیاستِ افرنک
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابیسراک سے ٹپنے
بنائے خاک سے اُس نے دو صد ہزار اہل میں!

۶۵۲
ضربِ کلیم
۱۵۲

خواب کی

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی عہدِ قدیم
 اہلِ سبب وہ ہیں یا اہلِ سیاست ہیں یا نام
 اس میں پیری کی کراہت ہے نہ میری کا ہے نور
 سیکڑوں صدیوں سے خاکِ پریشانی کے عوام
 خواب کی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
 پُختہ ہو جاتے ہیں جب جوئےِ اسلامی میں غلام!

غلاموں کے لیے

حکمتِ مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
 ایک نکتہ کہ غلاموں کے لیے ہے السیر
 دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو
 ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر سیر

حرف اس قوم کا بے سوز، نسل زار و زبوں
ہو گیا نچستہ عقائد سے تھی جس کا ضمیر!

اہل مصر سے

خود ابوالہول نے نیکیت سیکھ لیا مجھ کو
وہ ابوالہول کہ ہے صاحب اسرارِ قدیم
فہم سے جس سے بدل جاتی ہے تعتیدِ ائم
ہے وہ قوت کہ صرف اس کی نہیں عقلِ حکیم
ہر زمانے میں دلوں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیر محمد ہے، کبھی چوبِ کلیم!



ابی سینیا

(۱۸ اگست ۱۹۲۵ء)

یورپ کے لڑکوں کو نہیں ہے ابھی خبر
ہے کتنی زہرناک ابی سینیا کی لاش
ہونے کو ہے یہ مُردہ دیرینہ قاش قاش!
تہذیب کا کمال شرافت کا بیڑہ وال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر لڑکے کو ہے بڑے معصوم کی تلاش!
اے وائے ابروئے کلیسا کا آئینہ
رومانے کر دیا سر بازار پاش پاش
پیر کلیسیا! یہ حقیقت ہے دلخراش!



ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام*

لا کر بڑے سمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زُتاریوں کو دیر کھن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت کے ڈر مانہیں فرا
رُوحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تختِ ملات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دین کا ہے یہ علاج
ملا کو اُن کے کوہ و دہن سے نکال دو
اہلِ حرم سے اُن کی روایاں چھین لو
اُنہو کو مرعزِ رختن سے نکال دو

* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۶۵۸

ضربِ کلیم

۱۵۸

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سر کو چمن سے نکال دو!

جمعیۃ اقوام مشرق

پانی بھی مسحتہ رہے ہوا بھی مسحتہ
کیا ہو جو نگاہِ فلک پر بدل جائے
دیکھا ہے ملو لیتیت افرنک نے جو خواب
ممکن ہے کہ اُس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو کر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کُردِ ارض کی تعستِ دیر بدل جائے



❁ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

سُلطانی جاوِ

غواص تو فطرت نے بنایا ہے مجھے بھی
لیکن مجھے اعماقِ سیاست سے پرہیز
فطرت کو گوارا نہیں سُلطانی جاوِ
مہر چاند کہ یہ شہبہ بازی ہے دل آویز
فرہاد کی خارا شکنی زندہ ہے اب تک
باقی نہیں دنیا میں ملوکتیت پُریرا

جمہوریت

اس راز کو اک *مردِ فرنگی نے کیا فاش
مہر چاند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

جُہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو لٹکا کرتے ہیں، تو لانا نہیں کرتے!

یورپ اور سُوریا

فرنگیوں کو عطا خاں سُوریا نے لیب
نبی عفت و عنہم خواری و کم ازاری
صدہ فرنگ سے آیا ہے سُوریا کے لیے
مے و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری

مسو لینی *

(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے)

کیا زمانے سے نرالا ہے مسو لینی کا جرم!
بے محسوس ملٹا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج

* ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو بُرا لگتا ہے کیوں
 ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو چھلنی میں چھلج
 میرے سوداے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم
 تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے رُجج؟
 یہ عجائب شعبہ کس کی ملوکیت کے ہیں
 راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راجہ ہے نہ راج
 ال سیر چو پنے کی آبیاری میں ہے
 اور تم دنیا کے بخر بھی نہ چھوڑو بے خراج!
 تم نے لوٹے بے نوا صحرائشینوں کے خیم
 تم نے لوٹی کشتِ دہقان تم نے لوٹے تختِ تاج
 پردہ تہذیب میں غارت گری آدم کشی
 کل زوار کھتی تھی تم نے، میں زوار کھتا ہوں آج!



۶۶۲
 ضربِ کلیم
 ۱۶۲

کلمہ

معلوم کسے ہند کی تخت دیر کہ اب تک
 بیچارہ کسی تاج کا تابندہ نہیں ہے
 دہشتاں ہے کسی قبر کا اگلا ہوا مردہ
 بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمین ہے
 جاں بھی لے کر و غیب سر بدن بھی لے کر و غیب
 افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ ملیں ہے
 یورپ کی غلامی پہ رضا مستند ہوا تو
 مجھ کو تو کلمہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے!

انتداب

کہاں فرشتہ تہذیب کی ضرورت ہے
 نہیں زمانہ حاضر کو اس میں دشواری

جہاں شمار نہیں زنِ شکر لباس نہیں
 جہاں آرام بتاتے ہیں نسلِ مے خواری
 بدن میں کمرچہ ہے اک رُوحِ ناشکیب و سبقت
 طرعتِ آبِ جد سے نہیں ہے بیزاری
 خسور و زیر یک و پر دم ہے بچ پتر بڑی
 نہیں ہے فیضِ مکاتب کا چشمہ جاری
 نطن فرانِ سرنگی کا ہے یہی نستوی
 وہ سر نہیں مدنیستے ہے ابھی عساری

لا دین ستیا

جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
 خدا نے مجھ کو دیا ہے دلِ خسیر و صیر
 مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لا دین
 کس نیزا ہر من و دُوں نہاد و مژدہ صیر

ہوتی ہے ترکِ کلیسا سے سالکی آزاد
 فرنگیوں کی سیاست ہے دیوبند زنجیر
 متاعِ غم یہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
 تو ہیں ہر اول شکرِ کلیسا کے سفیر!

دامنِ ہندیب

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
 ہر ملتِ مظلوم کا یورپ ہے حسدِ ریا
 یہ سپرِ کلیسا کی کرامت ہے کہ اس نے
 بجلی کے چر انگوں سے منور کیے افکار
 جلتا ہے ملکِ شام و فلسطین چمرا دل
 تدبیر سے کھلتا نہیں عیقتہ و شوا
 ترکانِ جفا پیشہ کے پنچے سے نکل کر
 بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار!

نصیحت

اک لڑکھنڈی نے کہا اپنے پیسے سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر
بیچارے کے حق میں ہے یہی سب بڑا مسلم
بڑے پہ الر فاشس کریں قاعدہ شیر
سینے میں رہے راز ملو کا نہ تو بہت
کرتے نہیں محکم کو تنگوں کے کچھیری
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی جو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اچھے پیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر!



ایک محرمی قزاق اور سکند

سکند

جہد تیرا تری زنجیر یا شمشیر ہے میری
کہ تیری رہزنی سے تنگ ہے دریا کی پہنائی!

قزاق

سکندر! حیف، تو اس فوجِ جوان مڑی سمجھتا ہے
گوارا اس طرح کرتے ہیں، شیموں کی رسوائی؟
تراپیشے سفاکی، مراپیشے سفاکی
کہ ہم تیرا ق ہیں، تو سیدانی، میں دریائی!



جمعیتِ اقوم

بھپاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
 ڈر ہے خیر بد نہ مرے مُنہ سے نکل جائے
 تفتدیر تو مُبسم نظر آتی ہے لیکن
 پیرانِ کلیسا کی دُعا یہ ہے کہ ٹل جائے
 ممکن ہے کہ یہ دُاشتِ پیرِ کافرِ ناک
 ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے!

شامِ فلسطین

رندانِ نیرائیس کا یحنا نہ سلامت
 پُر ہے مے گھڑنا سے پریشہ حلب کا
 ہے خائفِ فلسطین یہ یہودی کا الحق
 ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

۶۶۸

ضربِ کلیم

۱۶۸

مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارنج کا یا شہد و رطب کا

سیاسی پیشوا

اُمید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خال باز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں ہے صفتِ عنکبوت ان کی کند
خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے ستاع
تختِ ملکوئی و جند بہ ہائے بلند

نفسیاتِ غلامی

سخت باریک ہیں امراضِ اُمم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیباں کو تاہی

دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
دیکھتے ہیں منقطع الٰہ فلسفہ روباہی
ہو اگر قوتِ منعمون کی درپردہ مُرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہ!

غلاموں کی نماز

(ترکی وفدِ ہلالِ احمد لاہور میں)

کہا مجھ سا بدترکی نے مجھ سے بعد نماز
طویل سجڑے ہیں کیوں اس قدر تمھارے امام
وہ سادہ مردِ سادہ، وہ مومنِ آزاد
خبر نہ تھی اُسے کیا چسپِ نر ہے نمازِ غلام
ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دُنیاس میں
انہی کے ذوقِ عمل سے ہیں اُمتوں کے نظام

بدنِ عِسلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم
 کہ ہے مُرورِ غلاموں کے روز و شب یہ حرام
 طویلِ سجدہ اگر ہیں تو کبیا تعجب ہے
 ورائے سجدہ غریبوں کو اور کبیا ہے کام
 خدا نصیب کرے پسند کے اماموں کو
 وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام!

فلسطینی عرب سے

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
 میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
 تری جوانہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
 فرنگ کی رل جاں نخبہ یہودی میں ہے
 سُنا ہے میں نے غلامی سے اُمتوں کی نجات
 خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے!

مشرق و مغرب

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تفتلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ بے سہوری
نہ مشرق اس کے بری ہے نہ مغرب اس کے بری
جہاں میں عالم ہے قلب و نطفہ کی زنجوری

نفیاتِ حامی

(اصلاحات)

میر ہے بے نمری صیاد کا پرہ
اتنی نہ مرے کام مری تازہ صفیری
رکھنے لگا مڑھ جاتے پھوٹے پھول قفس میں
شاید کہ اسیروں کو لو ارا ہو اسیری!



محراب گل افغان کے انسان

۶۷۳
ضرب کلیم

۱۷۳

محراب گل افغان کے افکار



میر کے کہتاں! تجھے چھوٹے جاؤں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے آب وجد کی خال
روزِ ازل سے ہے تو منزلِ شاہینِ مرغ
لالہ گل سے تھی نعمتِ بلبل سے پاک
تیرے حشمِ پیچ میں میری ہشت بے
خال تیری عنبریں آبِ ترا تا بے نال



۶۷۲
ضربِ کلیم
۱۷۲

باز نہ ہو گا کبھی بندہ کبک وسم
 حفظِ بدن کے لیے رُوح کو کروں ہلاک !
 اے مرے فقرِ غیور ! فیصلہ تیرا ہے کیا
 خلعتِ انگریز یا سپرین چاک چاک !



حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
 نگاہِ پیرِ فلک میں نہ میں عزت نہ تو
 خودی میں ڈوب زمانے سے ناامید نہ ہو
 کہ اس کا زخم ہے درپردہ آہستہ موفو
 رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
 اتر لیا جو ترے دل میں لا شریک لہ





تری دُعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
 مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تُو بدل جائے
 تری خودی میں اگر اعتلا بھوپیدا
 عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے
 وہی شراب، وہی ہائے و ہُو رہے باقی
 طریقِ سابق و رسمِ کدو بدل جائے
 تری دُعا ہے کہ ہوتی سیری آرزو پوری
 مری دُعا ہے تری آرزو بدل جائے!



کیا چرخِ کج رو، کیا مہر، کیا ماہ
 سب راہرو ہیں واما ندۃ راہ

کڑکا سکندر بحلی کی مانند
 تجھ کو خبر ہے اے مرگِ ناکاہ
 نادر نے لوٹی دلی کی دولت
 اک ضربِ شمشیر، افسانہ کوتاہ
 افسانہ باقی، کُہسار باقی
 اُنحکم و اللہ! اَلْمَلَاکُتُ لِلّٰہِ!
 حاجت سے مجبور مردانِ آزاد
 کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ
 محرمِ خودی سے جس دم ہوا فقر
 تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ!
 قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
 جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ





یہ مدرسہ یہ کھیل یہ غوغائے روارو
 اس عیش و فراوان میں ہے ہر لحظہ غم نو
 وہ علم نہیں زہر ہے اسرار کے حق میں
 جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کعبہ جو
 ناداں! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
 اسباب ہنر کے لیے لازم ہے تاکہ دو
 فطرت کے نوایس چغالب سے ہنرمند
 شام اس کی ہے مانند سحر صاحب بر تو
 وہ صاحب فن چاہے تو فن کی برکت سے
 ٹپکے بدن مہر سے شبنم کی طرح ضو!



۶۷۸

ضرب کلیم

۱۷۸



جو عالم ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

تفتلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ کوہر ہے یہ گمانہ

اُس قوم کو تجدد کا سینہ مبارک!
ہے جس کے تصور میں فقط بزمِ شبانہ

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدد
مشرق میں ہے تفتلیدِ فرنگی کا بہانہ





رومی بد لے، شامی بد لے، بدلا ہندستان
تو بھی اے فرزند کہستاں! اپنی خودی پہچان

اپنی خودی پہچان

او غافل فہستان!

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان

او غافل فہستان!

اونچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریائے
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں، وہ کیسا طوفان

اپنی خودی پہچان

او غافل فہستان!

۶۸۰

ضربِ کلیم

۱۸۰

وُھوٹڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی دھرتی پر سلطانِ قربان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہستان!

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالمِ فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہستان!



زراغ کہتا ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر
شیرک کہتی ہے تجھ کو کورِ چشم و بے ہنر
لیکن اے شہباز! یہ مرغِ انِ صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلگوں کے بیچ و خم سے خبر

ان کو کیا معلوم اُس سارے کے احوال و مقام
روح ہے جس کی دم پرواز ستار پلٹا



عشق طینت میں فرومایہ نہیں مثل چوس
پر شہباز سے ممکن نہیں پرواز محسوس
یوں بھی دست و پستان کو بدل سکتے ہیں
کہ شیمن چھوٹا دل یہ کراں شل قفس
سفرِ آما وہ نہیں منتظرِ بانگِ ریل
ہے کہاں قافلہ موج کو پروا ہے جبرس
گرچہ مکتب کا جواں زندہ نطن آتا ہے
مردہ ہے مانا کے لایا ہے فرنگی سے نفس
پرویش دل کی اگر نطن سر ہے تجھ کو
مرد مومن کی نگاہ نطن انداز ہے پس

۶۸۲

ضربِ کلیم

۱۸۲



وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
 شایبہ کا ہے بے داغ ضربے کا رمی
 اگر ہو جنگ تو شیران غائب کے بڑھ کر
 اگر چو سلیح تو رعنا عن نزال تا تارمی
 عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز
 کنیستان کے لیے بسج ایک چنگاری
 خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانہ
 کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کزازی
 نگاہ کم سے نہ دیکھ اس کی بے گلاہی کو
 یہ بے گلاہ ہے سرمایہ کلمہ داری





جس کے رتوں سے منور رہی یہ سب دوش
 پھر بھی ہو سکتا ہے دوش چہ پرانغ خاموش
 مرد بے حسد کرتا ہے زمانے کا کلمہ
 بندہ حسد کے لیے شتر تقدیر ہے دوش
 نہیں ہنگامہ پر یہ کما کے لائق وہ جواں
 جو ہوا مالہ معرفت ان سحر کے دوش
 مجھ کو ڈر ہے کہ طمع نہ لانا طبیعت تیری
 اور عیت راہیں یوں پے شکر پارہ فروش!



لا دینی و لا سینی، بس پیچ میں ابھارتو
 وارو ہے ضعیفوں کا لا غالب الّاھو!

۶۸۲
 ضرب کلیم
 ۶۸۲

صہیاد معانی کو یورپ کے نوسیدی
 دانش ہے فضا لہین بے نام تمام اہو
 بے اشکاب سحر کا ہی تقویم خودی شکل
 یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کمنار جو
 صہیاد ہے کافر کا، پنچ پر ہے مومن کا
 یہ دیر لہن یعنی تخت نانہ رنگ و بو
 اے شیخ، امیروں کو جس سے نکلا وادے
 ہے ان کی سازوں سے محراب شش ابرو



مجھ کو تو یہ ذنیب نظر آتی ہے دگرگوں
 معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا
 ہر سینے میں اک صبح قیامت کے نمودار
 انکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا

کر سکتی ہے بے سہارے جینے کی تلافی
 ایسے سیرِ حرم سیری مناجاتِ سحر کیا
 ممکن نہیں تخلیقِ خودی حنا نقہوں سے
 اس شعلہٴ نم خوردہ سے ٹوٹے کاشِ سر کیا



بے جُراستِ ندانہ ہر عشق ہے بے واپسی
 بازو ہے قوی جس کا، وہ عشقِ یلہاں
 جو سختی منہ نزل کو سامانِ سحر سمجھے
 اے وائے تن آسانیِ اپنا پیدا ہے وہ راہی
 وشت نہ سمجھ اس کو اے مروتِ میدانی
 کُمار کی خلوت ہے تسلیمِ خود کاہی
 دُسیا ہے روایاتی عقیقی ہے مناجاتی
 در بازو و عالم را، این است شہنشاہی

۶۸۶

ضربِ کلیم

۱۸۶



آدم کا خمیسا اس کی حقیقت پہ ہے شاہد
 مشکل نہیں اے سالک! یہ اعلم تیری
 فولادوں سے رہتا ہے شمشیر کے لائق
 پیدا ہوا اس کی طبیعت میں حریری
 خود دار نہ ہو فتور تو ہے قہر الہی
 ہو صاحبِ غیرت تو ہے تہمتِ امیری
 افزائشِ زخود بے خبرت کرو ورنہ
 اے بندہ مومن! تو بشیری تو ندیری!



قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
 ہو صاحبِ مرکز تو خودی لیا ہے خدائی!

جو فست نہوا تلخی دوراں کا کلمہ مست
 اُس فست میں باقی ہے ابھی بُورے کدائی
 اس فور میں بھی مردِ حُشا کو ہے پیتر
 جو مجبِ نہ پرست کو بنا سکتا ہے رانی
 درِ سر کہ بے سوز تو دوسے قے نتواں یافت
 اے بندۂ مومن تو حجابی تو کجائی
 خورشیدِ سار پر وہ شرق سے نکل کر
 پہنا مرے کُہسار کو ملبوسِ حنائی



اک اس کی ٹھونک دیتی ہے برناوِ پیر کو
 لاکھوں میں ایک بھی ہو الرضا حبیبِ یقین
 ہوتا ہے کوہِ وِشت میں پیدائش بھی
 وہ مرد جس کا فستِ خُزف کو لے نہ جیں

۶۸۸
 ضربِ کلیم
 ۱۸۸

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
 خالی رکھی ہے حسامہ حق نے تری بسیر
 یہ سیکلوں فضیلت جسے کہتے ہیں آسماں
 ہمت پر پرکشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
 بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں
 زیر پر ایک تو یہی آسماں، زمین!



یہ نیک تہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
 کہ استیازِ قبا اَلتم ترخواری
 عزیز ہے انھیں نام وزیری و محسود
 ابھی خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری
 ہزار پارہ ہے کُساہ کی سلمانی
 کہ ہر بیلہ ہے اپنے بتوں کا زنتاری

وہی سرم ہے وہی عہدِ بارِ لات و منا
حُثْ انصیب کرے تجھ کو ضربِ کادی!



نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہ چلنے
نگاہ وہ ہے کہ محبتِ جِ مٹا نہ نہیں
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
قدم اٹھا! یہ تمام انتہائے راہ نہیں
کھلے ہیں سب کے لیے غریبوں کے میخانے
علومِ تازہ کی کستریاں لٹا نہیں
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تری
ترے بدن میں الرسوزِ لا الہ نہیں
سنیں گے میری صدا خانزاؤ کاں کبیر؟
گلیم پوش ہوں میں صاحبِ کُلاہ نہیں!

۴۹۰
ضربِ کلیم

۱۹۰



فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
 یاسندہ صحرائی یا مرو کھستانی
 دنیای میں محاسن ہے تہذیب فہوں کر کا
 ہے اس کی فہتیری میں ساری سلطانہ
 یہ حسن لطافت کیوں وہ قوت و شوکت کیوں
 بلبل چمنستان شہباز زیابانی
 اے شیخ بہت اچھی محنت کی فضا، لیکن
 بنتی ہے سیاہاں میں ناروقی و سلمانی
 صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا
 تلوار تہ تیہی میں صہبائے مسلمانی



ارمغانِ حجاز

اُردو

اقبال

۶۹۳
ارمغانِ حجاز

م ۱ = حضور حق
 م ۲ = حضور یون
 م ۳ = حضور انت

سرود م ۲۲
 اریک به آتش دوزخ زدم از و شرنا کر
 نفسم گم کردی تا بد جسد و با خیر امانی
 نه ز غریب گم گشتی

سرود م ۲۲
 خوشتر از این با من نیست
 دلی او نیستی نیستی
 که منم که منم که منم
 که منم که منم که منم

سرود م ۲۳
 مجو از رخ کلام عارفانه
 رخ دلم سرست عانتخانه
 سرمن لاله گویا لاله من باغ
 بیفت نام جوشنم دانه دانه

۴۹۲
 اصفهان مجاز
 ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

۱	ابلیس کی مجلس شوریٰ	۷۰/۹
۲	بڑے بھائی بلوچ کی نصیحت بیٹے کو	۷۱/۲۱
۳	تصویر و مصوّر	۷۵/۲۳
۴	عالم برزخ	۷۶/۲۵
۵	مسنزل شہنشاہ	۷۲۱/۲۹
۶	دوزخی کی سنا جاست	۷۲۲/۳۰
۷	مسعود مرحوم	۷۲۳/۳۱
۸	آواز غیب	۷۲۶/۳۲

رُبا عیادت

- ۱ مری شاخ اہل کا ہے شرکیا ۷۲۹/۴۷
- ۲ فراغت دے اسے کارِ جہاں کے ۷۳۰/۴۸
- ۳ دگرگوں عالمِ شام و سحر کر ۷۳۰/۴۸
- ۴ عنبر سی میں ہوں محسوسِ آسری ۷۳۱/۴۹
- ۵ حسرت کی تنگ دامانی سے نریا ۷۳۱/۴۹
- ۶ کہا اقبال نے شیخِ حرم سے ۷۳۲/۵۰
- ۷ کہن ہنسکا رہا تے آرزو سرد ۷۳۲/۵۰
- ۸ حدیثِ بندہ موہنِ دل آویز ۷۳۳/۵۱
- ۹ تیسرے خار و گل سے آشکارا ۷۳۳/۵۱
- ۱۰ نہ کر ذکرِ منہراق و آشنائی ۷۳۴/۵۲
- ۱۱ ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے ۷۳۴/۵۲
- ۱۲ حسرت دیکھے اگر دل کی نگہ سے ۷۳۵/۵۳
- ۱۳ کبھی دریا سے مشعلِ موج ابھر کر ۷۳۵/۵۳

ملا زادہ ضمیمہ لولابی کشمیری کا بیاض

- ۱ پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیما ب $\frac{۷۳۷}{۲۵}$
- ۲ موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام $\frac{۷۳۸}{۲۶}$
- ۳ آج وہ شیر ہے محکوم و مجبور و مستیر $\frac{۷۳۹}{۲۷}$
- ۴ کرم جو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو $\frac{۷۳۹}{۲۷}$
- ۵ وڑاج کی پرواز میں ہے شوکت شاہیں $\frac{۷۴۰}{۲۸}$
- ۶ رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات $\frac{۷۴۱}{۲۹}$
- ۷ نکل کر حنن نقاجوں سے ادا کر رسم شبیری $\frac{۷۴۱}{۲۹}$
- ۸ سمجھا لہو کی بوند اگر تواسے تو خبر $\frac{۷۴۲}{۵۰}$
- ۹ کھنکھ چپسن میں کتب خانہ گل $\frac{۷۴۳}{۵۱}$
- ۱۰ ازاد کی رک سخت ہے مانند رک سندر $\frac{۷۴۴}{۵۲}$
- ۱۱ تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ $\frac{۷۴۵}{۵۳}$
- ۱۲ دگرگوں جہاں ان کے زورِ عمل سے $\frac{۷۴۶}{۵۴}$

- ۱۳ نشان یہی ہے زندہ قوموں کا ۷۴/۵۵
- ۱۴ چہ کافرانہ قمارِ حیات می بازی ۷۴/۵۶
- ۱۵ ضمیمہ سیرِ سب کے تاجرانہ ضمیرِ مشرق ہے رہبانہ ۷۴/۵۷
- ۱۶ حاجت نہیں اے خطہ کل شرح و بیاساں لی ۷۵/۵۸
- ۱۷ خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی ۷۵/۵۹
- ۱۸ آں عزمِ بلند آور آں سوزِ جگر اور ۷۵/۵۹
- ۱۹ غریب شہرہوں میں سن تو لے مری فریاد ۷۵/۶۰



- ۱ سرِ اکبرِ حیدری ۷۵/۶۱
- ۲ صدرِ اعظم حیدر آباد و کن کے نام حسین احمد ۷۵/۶۲
- ۳ حضرت انساں ۷۵/۶۲



۴۹۸
اصفان مجاز

اُردو نظمیں

۶۹۹
اصغان مجاز

ابلیس در مجلس خود

ابلیس

۱۔ یہ غاصر کا پرانا کھیل ! یہ دنیا ہے دروں !
ساکنانِ عرشِ اعظم نہ تمناؤں ۵ خوں !

۲۔ ~~سنو پیڈ~~ اس کے شربانی پنج آمان ہے وہ لاکھانہ
جنے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نون

۳۔ کون کر سکتا ہے اس سے آتش خود راں کو سرد

حک بگھا مولا مر بر ابلیس ۵ نند دروں
۴۔ چٹخے دکھلے یا رنگی کو ملکوت ۵ غریب

نے پہنچے توڑا صبر و جد و دیر و یکس ۵ خوں !

۵۔ چٹخے ناداروں کو سکھلے یا استقامتِ تدبیر کا

نے پہنچے نعم کو دیا کریمہ دلدار ۵ خوں !

۶۔ ~~نہ خجکا ہے~~ حکمِ خیر میں ہار کا آسان سے بلند
کون کر سکتا ہے اس کا کلب گن کو سزگوں ؟

۴۰۰
افغان حجاز

۸

انیس کی محلِ شوریٰ

۱۹۳۶ء

انیس

عینِ صبر کا پُرانا کھیل، یہ دنیا تے فُوں
ساکنانِ عشرِ اعظم کی تمناؤں کا خون!
اس کی بربادی پہ آج انا وہ بے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نون
میں نے جو سلا یا فرنی کو ملو لیتے کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں

میں نے ناداروں کو سکھایا سبقِ تفتدیر کا
 میں نے مُنہ پر کھم کو دیا ساری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتشِ سوزاں کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہو اسیے کس سوزوں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبِ ساری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اُس نخلِ لہن کو سبزگوں!

پہلا شیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
 پُنجت تر اس سے ہوئے خوتے غلامی میں عوام
 ہے ازل سے ان سریوں کے مقدر میں سجود
 ان کی فطرت کا تقاضا ہے سازِ بے قیام
 ارزوِ اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
 ہو کہیں پیدا تو مرجاتی ہے یارِ ہستی ہے خام

۷۰۲

اصفان مجاز

۱۰

یہ ہماری سچی پیسہ کی کراست ہے کہ آج
 صوفی و ملاطوکت کے بسکد ہیں ہم
 طبع شرق کے لیے مونروں ہی افیون تھی
 ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام!
 ہے طواف و حج کا ہنگامہ الرباقی تو کیا
 کُنسد ہو کر رہتی مومن کی تیغ بے نیام
 کس کی نو میدی پہ چھتے ہیں نرمان جدید؟
 ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام!

دوسرا شیر

خیر ہے سلطانِ جمہور کا غوغا کہ شر
 ٹو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں بے باخبر!

پہلا شیر

ہوں مگر سیر سری جہاں پنی بتاتی ہے مجھے
جو ملکیت کا ال پروہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب فرادوم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبار شہری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میں و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان، غیر کی کھیتی یہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظم نام
چہرہ روشن، اندرون چنگیز سے تاریک ترا

تیسرا شیر

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا خطِ سراج
 ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
 وہ حکیم بے تحاشی، وہ یسوع بے صلیب
 نیست پیغمبرِ یسین و بے بدل دار و کتاب
 کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر وہ سوز
 مشرقِ مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب
 اس سے بڑھ کر اور کیا چوکا طبیعت کا فساد
 توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خمیوں کی طناب!

چوتھا شیر

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
 ال سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب

کون بحرِ روم کی موجوں سے ہے لیٹا ہوا
گاہِ بالہ چوں صحنِ نوبر گاہِ نالہ چوں باب

تیسرا شیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے زعفرانی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

پانچواں شیر

(ابلیس کو مخاطب کر کے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
تو نے جب چاہا، کیا ہر پردہ کی کو آشکار
اب کل تیری حرارت کے جہانِ سوز و سار
ابدِ جنت تری تسلیم سے دانائے کار

۷۰۶
ایمانِ مجاز
۱۲

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ مجرم نہیں
 سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
 کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
 تیری غایت سے ابتدا تک نہ خون و شرمسار
 کرچہ ہیں تیرے مرید افزائے حسرت تمام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ کز وہ رُوح مزوک کا برو
 قریب سوزے کو ہے اس کے جنوں سے تار مار
 زناغ و شستی ہو رہا ہے ہر شاہین و چرخ
 کتنی نرعت سے بدلتا ہے مزاج روزگار
 چھالنی آشفتمند ہو کر وسعت افلاک پر
 جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اُمّ شبت غبار
 فتنہ و فتنہ والی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہِ سار و مرغزار و جہاں

میر کے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابیس

(اپنے مشیروں سے)

ہے مرے دستِ تصرف میں جہاں بگٹ بو
کیا زمین، کیا مہر، کیا آسمان، تو بٹو
دیکھ لیں کے اپنی آنکھوں کے تماشا، غر و شرق
میں نے جب کر ما دیا اقوام پورے کا لو
کیا امان سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایسا ہو
کار کاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و بوا

دستِ فطرت نے کیلے ہیں جن لریبانوں کو چال
 مزد کی منطق کی سوزن نے نہیں سوئے رفو
 کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ لرو
 یہ پریشاں روزگارِ آشفٹہ میں غمِ آشفٹہ منو
 ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے
 جس کی خاکِ ستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
 خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
 کرتے ہیں اشکِ سحر کا ہی سے جو ظالم وضو
 جانتا ہے بس یہ روشن باطنِ ایام ہے
 مزدِ کینتِ فتنہ فروا نہیں اسلام ہے



جانتا ہوں میں یہ اُمتِ حاملِ قرآن نہیں
 ہے وہی ساری داری بندہ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری ات میں
 بے بدھنیہ سارے پیرانِ حرم کی استیں
 عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے لپکے کن یہ خوش
 ہونہ جاتے اشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
 اٹھنا! اتین پیغمبر سے سو بار الحذر
 حافظ ناموس رسدِ مردِ آزما، مردِ ہنر میں
 موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
 نے کوئی غفور و خاقان نے فقیرِ رہشیں
 کرتا ہے دولت کو ہر اکود کی سے پال صاف
 منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
 اس کے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
 پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین
 چشمِ عالم سے ہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
 غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ نعمتیں

ہے یہی بہتر الہیات میں الجھار ہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھار ہے



توڑ ڈالیں جس کی تکسیریں طلسم شش جہات
ہونہ روشن اس خداوندیش کی تاریک رات
ابن مریم مرسیا یا زندہ جاوید ہے
ہیں صفات ذات حق حق سے خدا یا عین ذوات
انے والے سے سیح ناصر مقتصد ہے
یا مجدد جس میں ہوں سرزندہ مریم کے صفا
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا سماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الہیات کے ترشے پڑے لات و سنا؟

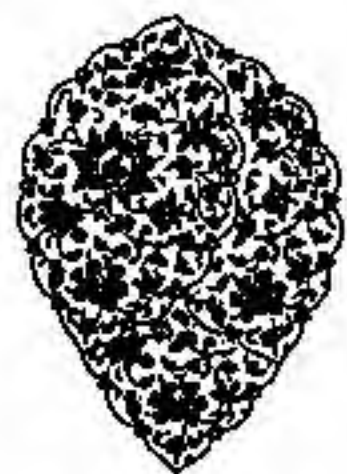
تم اسے بے گمانہ رکھو عالم کو اسے
 تابساط زندگی میں اس کے سب نمبرے ہوں تا
 خیر اسی میں ہے قیامت تاکہ ہے مومن غلام
 چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے شتاب
 ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں غیبت
 جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
 ہر نفس تاہوں اس اُمت کی بیداری نہیں
 ہے تحقیق جس کے دین کی احتساب کا نشانہ
 مست رکھو ذکر و فکر صبح کا ہی میں اسے
 پختہ تر کرو مزاج خانقاہی میں اسے



بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو

ہو سیر بے سیالیاں کی ہوا تجھ کو لو ارا
اس دشت سے بہتے ہر نہر دلی نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفت سیل و اس پل
وادی یہ ہمساری ہے وہ صحرایہ بھی ہمارا
غیر تھے بڑھی پسینہ جہان ملک و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاج سردارا
حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر
کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا
انرا دے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر نہر ہے ملتے ملتے مستدر کا ستارا
محمم رہا دوست دریا سے وہ غمخوار
کرتا نہیں جو محبت سے ساحل سے کنار

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملے
 ہے ایسی تجارت میں سماں کا خسار
 دنیا کو ہے پھر سرکہ زور و بدن پیش
 تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُجھارا
 اللہ کو پامردی مومن پہ بے سرو
 ایس کو یورپ کی شینوں کا سہارا
 تقدیر اُٹھ گیا ہے کوئی کہ نہیں سکتا
 مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشار
 اصلاح عمل مانگ نیسا کان لہن سے
 شاہاں چہ عجب کر بنوازند کدرا!



۷۱۲
 ارمغان حجاز
 ۲۲

تصویر و مصوّر

تصویر

کس تصویر نے تصویر کر سے
نمائش ہے مری تیرے نہیں ہے
بس کن کس دست درنا منصفی ہے
کہ تو پوشیدہ ہو یہ سری نطس ہے!

مصوّر

گراں ہے چشم سینا دیدہ و پر
جہاں بینی سے کیا لڑی شریر
نظر درو عینم و سوز و تب و تاب
تو اے نادان، قناعت کر خیر

تصویر

خبر عمتل جس رو کی ناتوانی
نظر، دل کی حیا ستب جاودانی
نہیں ہے اس زمانے کی تمازتاز
سزاوار حدیث لن ترانی

مُصوّر

تو ہے میرے کمالا ستب نہر سے
نہ ہو نویں اپنے نقش کر سے
مرے دیدار کی ہے اس یہی شرط
کہ تو نہ پاس نہ ہو اپنی نظر سے



عالم برنج

مردہ اپنی قبر سے

کیا شے ہے کس امر و زکا فروا ہے قیامت
اے میرے شبستانِ لہن! کیا ہے قیامت؟

قبر

اے مردہ صمد! تجھے کیا نہیں معلوم؟
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت!

مردہ

جس موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت
اُس موت کے پھنسے میں گرفتار نہیں ہیں

چرچند کہ نہیں مُردہ صمد و لیکن
 ظلمت کدہ خاک سے بیزار نہیں ہیں
 ہو روح پھر اک بار سوار بدنِ نثار
 اسی ہے قیامت تو خریدار نہیں ہیں

صمدائے غیب

نے نصیب مارو کثرتِ دم، نے نصیبِ دام و دود
 ہے فقط محکمِ قوموں کے لیے مرگِ ابد
 بانسِ اسرافیل اُن کو زندہ کر سکتی نہیں
 رُوح سے تھا زندگی میں بھی تھی جن کا جسد
 مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
 کہ چہ ہر ذی رُوح کی منزل ہے آغوشِ لحد

قبر

(اپنے مرنے سے)

اے ہنسالم! تو جہاں میں بندہ محکوم تھا
میں نہ سمجھی تھی کہ یہ کیوں خال میری سوزناک
تیری میت کے مری تاجریاں تار پات
تیری میت کے زمیں کا پردہ ناموس حال
الحذر محکوم کی میت کے سوا بار الحذر
اے سرافیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ مال!

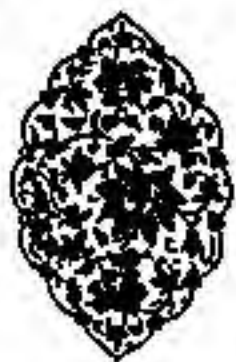
صدائے غیب

گرچہ ہر سیم قیامت کے نظامِ ہست و بود
ہیں اسی اسلوب کے بے پردہ اسرارِ جو
زلزلے سے کوہ و دریاؤں تے ہیں مانند حساب
زلزلے سے ادویوں میں تازہ چشموں کی نمود

ہر تہی سیر کو لازم ہے تخریب تمام
ہے اسی میں شکست زندگانی کی کشود

زمین

آہ یہ مرکب دوام آہ یہ رزم حیات
خستہم بھی ہو کی کبھی شکست کائنات!
عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات
عارف عامی تمام بندۂ لات مولات
خوار ہوا کس قدر آدم بزواں صفات
قلب و نظر پر کہاں ایسے جہاں کائنات
کیوں نہیں ہوتی سحر حضرت انساں کی لٹ؟



معزول شہنشاہ

ہو مبارک اس شہنشاہ کو فرحبام کو
جس کی قربانی سے اس لرزہ کثیت میں فاش
شاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا بُت
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں پجاری پاش پاش
ہے یہ مشک آمیز افیوں ہم غلاموں کے لیے
ساحر انگلیس! مارا خواجہ تہ دیکر تراش



دوزخی کی مناجات

اس دیرگھن میں ہیں غرض مند چرباری
رنجیدہ بتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خدا یاد
پوچھا بھی ہے بے سود نمازیں بھی ہیں بے سود
قسمت ہے عنسیر ہوں کی وہی نالہ و سنریا
ہیں کراچہ مل بندمی میں عمارات فلک بوس
شہر حقیقت میں ہے ویرانہ آباد
تیشے کی کوئی کردش تفتدیر تو دیکھے
سیراب ہے پرویز جگر تشنہ ہے فرہاد
یہ علم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تجارت
جو کچھ ہے وہ ہے فنکار ملکات کی احباب
اللہ! ترا شکر کہ یہ خطہ زیر پرورد
سوداگر یورپ کی غلامی سے ہے آزاد

۷۲۲
افغان جہاز
۳۰

مسعود مرحوم

یہ سرورِ مہر، یہ ستارے یہ آسمانِ کبود
کسے خبر کہ یہ عالمِ عدم ہے یا کہ وجود
خیالِ جاوید و نازلِ فسانہ و افسوں
کہ زندگی ہے سراپاِ حسیلِ بے مقصود
رہی نہ آہ، زمانے کے ہاتھ سے باقی
وہ یادگارِ کمالاتِ احمد و محمود
زوالِ علم و ہنسِ سرِ مرگِ ناکہاں اس کی
وہ کارواںِ کامستِ کراں بہا مسعود
مجھے زلاتی ہے اہلِ جہاں کی بید روی
فغانِ مرغِ سحرِ خواں کو جانتے ہیں سرور
نہ کہہ کہ صبر میں پنہاں ہے چارۂ غم دوست
نہ کہہ کہ صبرِ معنائے موت کی ہے کشود

”وَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ الْعَشَقِّ وَصَابِرٌ بَدْوٌ مَكْرَسُنَاكَ اسْت
زَعَشَقَّ تَابَ صَبُورِي مِزَارِ فَرْسُنَاكَ اسْت“
(سعدیؒ)

نہ مجھ سے پوچھ کہ عسر لہریز کیا ہے
کئے خرب کہ یہ نیزناک و سیما کیا ہے
ہوا جو خال سے پیدا، وہ خال میں ستور
مگر غیبِ صغریٰ ہے یا فنا، کیا ہے
غبارِ راہ کو بخشا کیا ہے فوقِ جمال
خبر دیتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے
دلِ نبطِ شرب بھی اسی آبِ گل کے ہیں اعجاز
نہیں تو حضرتِ انساں کی انتہا کیا ہے
جہاں کی رُوحِ رواں ”لا الہ الا ھو“
سیح و منح و حلیا، یہ ماہِ چراغ کیا ہے
قصاصِ خونِ تنہا کا مانگے کس سے
گستاخِ کار ہے کون اور خوں بہا کیا ہے

غم میں مشو کہ یہ بند جہاں گرفتاریم
 طلسم ہا شکند اں دے لے کہ ماواریم
 خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
 کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات
 خودی ہے زندہ تو دریا ہے بے کرا نہ ترا
 ترے فراق میں مضطرب ہے موج نیل و فرا
 خودی ہے مردہ تو مانند کاہ پیش نسیم
 خودی ہے زندہ تو سلطانِ جملہ موجودات
 نگاہ ایک تختِ بستی ہے اگر محروم
 دو صد ہزار تختِ بستی تلافیِ مافات
 معتمد نام بندہ مومن کا ہے ورنہ سپر
 زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات
 حریمِ ذات ہے اس کا نشینِ ابدی
 نہ تیرہ خالِ لحد ہے نہ جلوہ کاہِ صفات

خود آگہاں کہ ازیں خالداں بروں جتند
طلسم ہر و سپر و ستارہ شکستند

آوازِ غیب

آتی ہے دم صبح صدا عرشین میں سے
کھویا کیا کس طرح ترا جوہر اورال!
کس طرح ہوا کسند ترا نشتر تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جلا چال
نوطن باہر و باطن کی خلافت کا سرِ زوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلام حسن و خاشاک
مہر و مہ و آبسم نہیں کوم ترے کیوں
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

اب تک ہے رواں کرچہ لہو تیری رگوں میں
نے گرمی انکار نہ اندیشہ بے بال
روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں ہیں نہیں ہوتی
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نلکہ پاک

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے شہسوار سلطان و ملانی و پیری



[illegible]

47

ایمان حجاز

٢٤

رباعیت



مری شاخ اہل کا ہے شر کیا
ترمی تفت دیر کی مجھ کو خبر کیا
کل گل کی ہے محبت کس شود آج
نسیم صبح منہ پر نطس کر کیا



فراغت دے اُسے کارِ جہاں سے
 کہ چھوٹے نفیس کے امتحاں سے
 ہوا پیری سے شیطان لہندیش
 گستاخ تازہ تر لائے لہاں سے!



دلِ گلوں عالمِ شام و سحر کر
 جہانِ خشک و تر زیرِ بر کر
 ہے تیری حسدائی داغ سے پاک
 مے بے ذوق سجدوں سے حذر کر

۷۳۰
 مغانِ حجاز
 ۳۸



عنیری میں ہوں محمود اسیری
 کہ غیتِ منہ ہے میری فہمیری
 حذر اس قدر رویشی سے جس نے
 مسلمان کو کھادی سنیری!



خرد کی تناسل و امانی سے نیرد
 تجلی کی فراوانی سے نیرد
 گوارا ہے اسے نطفہ غیر
 زندہ کی ناسلمانی سے نیرد!



کہا اقبال نے شیخ حسام سے
 تیرا محراب مسجد سویا کون
 نذا مسجد کی دیواروں سے آئی
 فرنگی بت کدے میں لکھویا کون؟



کہن ہنگامہ ٹائے آرزو
 کہ ہے مردِ سماں کا لہو
 بتوں کو یہ سری لا دینی مبارک
 کہ ہے آج ایشیا میں اللہ ہو



سید بن مومن دل آویز
 چکر پرچوں، نفسِ روشن نگہ تیز
 میسر ہو کسے دیدارِ اس کا
 کہ ہے وہ رونقِ محسنِ کلمِ اہیز



تمیزِ نار و گل سے آشکارا
 نسیمِ نسیم کی روشِ ضعیف
 حفاظتِ پھول کی کس نہیں ہے
 اگر کانٹے میں ہو خوں سے سریری



نہ کر ذکرِ سراق و آشنائی
 کہ اصلِ زندگی ہے خودمانی
 نہ دریا کا زیاں ہے نہ نہر کا
 دلِ دریا سے گھر گھر کی جانی



ترے پیامیں طوفانِ کیوں نہیں ہے
 خودی سیرِ سماں کیوں نہیں ہے
 عبث ہے شکوہِ تفتِ پریزداں
 تو خود تفتِ پریزداں کیوں نہیں ہے؟

۷۳۲
 اصنافِ حجاز
 ۲۲



سر دیکھے اگر دل کی نگہ سے
 جہاں روشن ہے نورِ لا الہ سے
 فقط اک کرو ششِ شام و سحر
 اگر دیکھیں سرِ غم سے



کبھی دریا سے شل موجِ بحر
 کبھی دریا کے سینے میں اتر کر
 کبھی دریا کے گل سے لڑ کر
 مست ام اپنی خودی کا فاش تر کر!

ہزار کلمہ اور دل کی جگہ سے
 جہاں رہتا ہے نہ ہی جہاں
 نہ ہی جہاں رہتا ہے نہ ہی جہاں
 نہ ہی جہاں رہتا ہے نہ ہی جہاں
 نہ ہی جہاں رہتا ہے نہ ہی جہاں
 نہ ہی جہاں رہتا ہے نہ ہی جہاں

کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں
 کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں
 کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں
 کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں
 کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں
 کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں کہیں

۴۳۶

افغان مجاز

۲۲

ملا زادہ ضلع لولائی شیری کا ضلع



پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیلاب
مرغانِ شیریں فضاؤں میں ہیں بیتاب

اے وادیِ لولاب!

گر صاحبِ ہنگام نہ ہوں مجھ کو
دیں بن قدموں کے لیے موتے یا خواب

اے وادیِ لولاب!

ہیں سازِ یہ موقوفِ نوا ہمارے
ڈھیلے ہوں اگر تارِ توبیہ کا ہے مضراب

اے وادیِ لولاب!

ملا کی نطرتِ نورِ فراست سے چہنالی
بے سوز ہے سحرِ نازِ صوفی کی مے ناب
اے وادیِ لولاب!

بیدار ہوں دلِ جس کی فغانِ سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویشِ نایاب
اے وادیِ لولاب!



موت ہے اک سخت تر جب کا غلامی ہے نام
مکرو فنِ خواجگی کا ششِ سمجھتِ غلام
شرعِ ملوکانہ میں جدتِ احکام دیکھ
صُور کا غوغا حلالِ حشر کی لذتِ حرام
اے کہ غلامی سے ہے روحِ تری مُصل
سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام



آج وہ شیریں محکوم و محبوب و فقیر
 کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایرانِ شیر
 سینہ اس لاک سے اٹھتی ہے آہِ سونال
 مروح ہو تا ہے جب عروبہ سلطانِ امیر
 کہہ رہا ہے داستانِ بید رویِ ایامِ لی
 کوہ کے دامن میں غمِ نسیم نہ دہقانِ پیر
 آہ! یہ قوم نجیب و چرب دست و تر و مانغ
 ہے کہاں روزِ مسکافات اے خداؤں کیسے؟



گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لو
 تھر تھراتا ہے جہانِ چار سوسے ورنک بو

پاک ہوتا ہے وطن و تھمیں سے انساں کا ضمیر
 کرتا ہے ہر راہ کو روشن چرخِ ارزو
 وہ پُرانے چال جن کو عقل ہی سکتی نہیں
 عشق سیتا ہے انھیں بے سون و تار و نو
 ضربتِ پیہم سے ہو جاتا ہے آخر پاش پاش
 حاکمیت کا بے سندیں دل و آئینہ



دُراج کی پرواز میں ہے شکستِ شاہیں
 حیات میں ہے صیاد و شاہیں ہے کہ دُراج
 ہر قوم کے انکار میں پیدا ہے طلسم
 مشرق میں ہے فروئے قیامت کی نموداج
 فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشرِ محبوب
 وہ مردہ کہ بھتا بانگِ فراسیل کا محتاج



رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
 مہر چاند کہ مشہور نہیں ان کے کرامات
 خود گیری و خود داری کل بانگ انا حق
 آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات
 معلوم ہو سالک تو یہی اس کا پیراوست
 خود مرده و خود مرستہ و خود مرلہ مفاجات



نکل کر حق انقا ہوں ادا کر رسم شبیری
 کہ فتنہ خائف تا ہی ہے فقط اندوہ و دھیری
 تھے دین ادب سے آرہی ہے بے پربانی
 یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

شیاطینِ مملکت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
 کہ خود بخوبی کے دل میں ہو پیدا ذوقِ پنجپیری
 چہ بے پروا لذت مند از نو اسے بھکا ہن
 کہ بڑواں شور وستی از یہ چشمانِ شمیری!



سمجھالو کی بوند اگر تواسے تو حسیر
 دل آدمی کا ہے منقطع ال جذبہ پلبد
 گردشِ مرہ و ستارہ کی ہے ناکوار اسے
 دل آپ اپنے شامِ سحر کا نقشِ بند
 جس خال کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
 ممکن نہیں کہ ہو وہ خالِ ارجمند





کٹھن صاحب چمن میں کتب خانہ کل
 نہ کام آیا ملا کو علم کتابی
 متانت شکن تھی ہوا سہے بہاراں
 غزل خواں ہوا سپرک اندرابی
 کہ لالہ آتشیں پیرہن نے
 کہ اسرارِ حباں کی ہوں میں بے حجابی
 سمجھتا ہے جو موت خوابِ کدو
 نہاں اس کی تعمیر میں ہے خرابی
 نہیں زندگی سلسلہ روز و شب کا
 نہیں زندگی مستی و نیم خوابی
 حیات است در آتشیں خود تپیدین
 خوش اس دم کہ این گشتہ را بازیابی

اگر تشریف دل شرارے بگیری
تو ان کرد زیر منک استابی



آزاد کی رک سخت ہے مانند رک سنگ
محکوم کی رک نرم ہے مانند رک تاک
محکوم کا دل مردہ و افسردہ نمید
آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طرب ناک
آزاد کی دولت دل روشن، نفس کرم
محکوم کا سرمایہ فقط دیدہ نم ناک
محکوم ہے بیگانه اخلاص مروت
چرچند کہ منطق کی ولیوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندہ افلاک ہے، یہ خواجہ افلاک



تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ
 کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ مسجد
 یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر و اعطائے
 کہ خود سرم ہے چہ سراغ حرم کا پروا
 طلسم بے خبری، کافنری وین اری
 حدیث شیخ و برہمن فسون افسانہ
 نصیب خط ہر یارب وہ بندہ درویش
 کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلیم
 چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے کب تک
 گھر ہیں اب ولر کے تمام یک دانہ





وگرگوں جہاں اُن کے زورِ عمل سے
بڑے معر کے زندہ قوموں نے مارے
منہ ختم کی تقویمِ سرِ دا ہے باطل
کرے آسماں سے پُرانے ستارے
ضمیرِ جہاں اس قدر آتشیں ہے
کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے
زمین کو فراغت نہیں زلزلوں سے
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے
ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے وُلر کے کنارے





نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمالِ صدق و مروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال
یہ اہستیاں ہیں جہاں میں برہنہ شیریں
خودی سے مرو خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
شکوہ عیسا کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبولِ حق ہیں فقط مروجہ سیریں
حکیم سیری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل حسنوں کی تدبیریں



چه کافرانه قمار حیات می بازی
که بازمانه بسازی بخود نمی سازی
و کمر بند رسیده به سرم نمی بینم
دل حبسید و نگاه غزالی و رازی
بحکم مفتی اعظم که فطرت ازلیت
بدین صعوته حرام است کار شبازی
همان فقیر ازل گفت خیره شاہیں را
باسماں کزوی بازی زمین نه پروازی
منم که توبه نه کردم ز فتنه اش کوئی ما
ز بیم این که سلطان کنند عثماری
بدست ناز سمرقند و نه بخارا ایست
و عجب بجز فقیه این بزرگ شیرازی



ضمیمہ مغرب کے تاجرانہ، ضمیمہ مشرق ہے اسپانہ
وہاں دلوں کے لفظ لفظ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ
کنار دریا خضر نے مجھ سے کہا بہ انداز محراب
سکندری ہو، تلسندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحر
حرف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ نقاب
انھیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شوق نہ ہو سنا
غلام قوموں کے علم و فلسفوں کی ہے یہی مر آشکا
زمین اگر تنگ ہے تو کیا ہے فصاحت کے دلوں سے بے لرا
خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہو اس سماں بنا کے تقدیر کا بہا

مری اسیری پہ شاخِ گل نے یہ کہے صیاد کو زلایا
کہ ایسے پرسوز نغمہ خواں کا کراں نہ تھا مجھ پر آشیانہ



حاجت نہیں اے خطہ گل شرحِ ثبیاں کی
تصویرِ میراے دل پرخوں کی ہے لالہ
تقدیر ہے اک نامِ کفایتِ عمل کا
دیتے ہیں یہ معین نامِ خدایان ہمسالہ
سرمایہ کی ہواؤں میں ہے غریاں بدن اس کا
دیتا ہے ہنسنے جس کا ایسے مژگوں ووشالہ
اُمید نہ رکھ دولتِ دنیا سے وفا کی
زم اس کی طبیعت میں ہے مانندِ غزالہ





خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
 حرام آتی ہے اس مردِ محبوب پر زہ پوشی



اں ستمِ بلند اور اں سوزِ جگر اور
 شمشیرِ پدرِ خواہی بازو سے پدر اور





غریب شہر ہوں میں ہنس تو لے مری فریاد
 کہ تیرے سینے میں بھی ہیں قیامتیں آباد
 مری نوائے غم کو دے ہے مستی و عزیز
 جہاں میں غم نہیں دولتِ دلِ ناشاد
 گلہ ہے مجھ کو زمانے کی کور و قوسی سے
 سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فریاد
 ”صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد و لڑ است
 خبر بکیر کہ آواز تیشہ و جلا است“

۷۵۲

اصغان مجاز

۶۰

* صدائے تیشہ الخ یہ شعر مرزا جانجناں منگلستہ علیہ الرحمۃ کے

مشہور بیاض حشریہ جواہر میں ہے

سکر جیدی صدر اسم حیدر آباد کن نام

یوم اقبال کے موقع پر توش خانہ رضو نظام کی طرف سے جو صاحب عظم
کے ماتحت ہے ایک ہزار روپے کا چیک بطور توجہ موصول ہونے پر

تھایہ اللہ کا فرمان کہ شکوہ پرویز
دوست لندرو کہ ہیں اس میں ملو کا نہ صفا
مجھ سے فرمان کیا کہ لے اور شہنشاہی کہ
حسن تدبیر سے دے آئی وفائی کو ثبت
میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا سر دوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند بیت
غیرت فعت سر مل کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ میری خدائی کی زکا!



حُ سین احمد

عجم هنوز نداند رموزِ دین، ورنہ
زدیوبند حسین احمد! این چه بواجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمّدِ عربی است
بصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہر جاوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

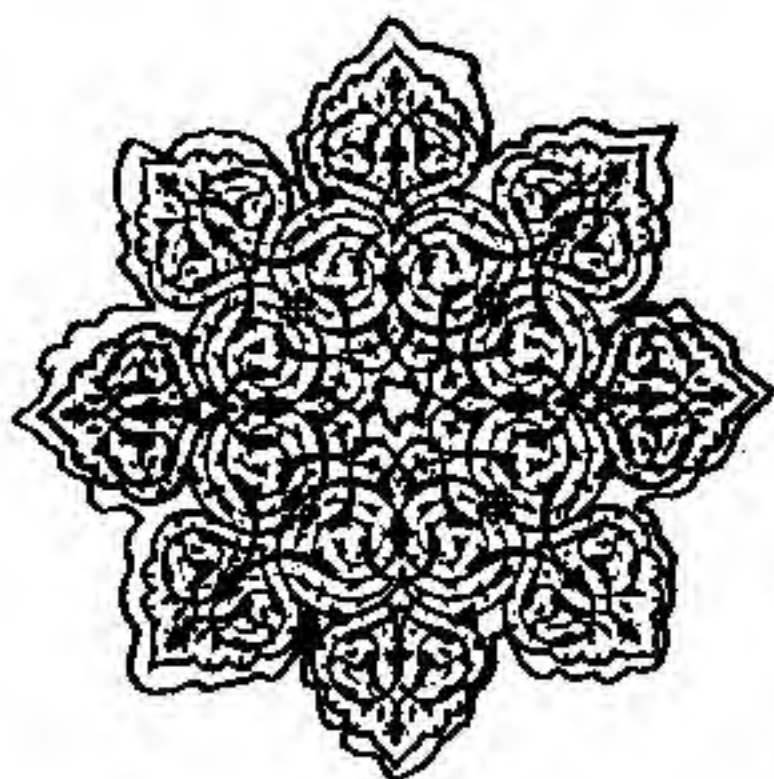
حضرت انس

جہاں میں دشن و بنش کی ہے کس درجہ ازانی
کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہاتے پہنانی

یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے منہ زنداوم کو
 کہ ہر ستور کو بخشا لیا ہے ذوقِ عسیری
 یہی منہ زنداوم ہے کہ جس کے اشکِ خم نہیں
 کیا ہے حضرتِ یزداں نے ریاضِ مطہرانی
 فلک کے کیا خبر خیالِ کس کا شمعِ شمع
 غرضِ انجم سے ہے کس کے شبستان کی تہبانی

اگر مقصودِ گل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے
 مرے ہنس کا مہ ہاتے نو بہ نو کی انتہا کیا ہے؟





۷۵۶
ارغوان مجاز
۶۲